دلائل المسائل

فقیہ اعظم مولانا ابو یوسف محمد شریف محدث کوٹلوی



فقیہ اعظم مولانا ابو یوسف محمد شریف محدث کوٹلوی رحمۃ اللہ علیہ

کے تحقیقی رسائل کا حسین و جمیل مجموعہ

دلائل المسائل

شیعہ مذہب کی ابتداء - مسائل شیعہ - ماتم کا شرعی حکم

کتاب التراویح - کتاب التراویح پر اعتراضات کے جوابات

کتاب الجنائز - ختم یا فاتحہ مروجہ کے جواز میں دلائل

ندائے یارسول اللہ کے جواز میں دلائل - اربعین نبویہ

آنحضرت کی نجدیوں سے نفرت - قبور مشائخ پر قبوں کا جواز

وہابیہ سے مناکحت - حضرت غوث اعظم کے ارشادات

وحید الزماں کے اقوال - ابن قیم کے اقوال

ناشر: فرید بک سٹال ۳۸ اردو بازار، لاہور

نام کتاب ———— دلائل المسائل

تصنیف ———— فقیہ اعظم ابو یوسف محدث کوٹلوی

ترتیب و تدوین ———— عطاء المصطفیٰ جمیل ایم، اے

کتابت ———— فضل الٰہی: حضرت کیلیانوالہ صاحب

ناشر ———— سید اعجاز احمد رکن پاکستان سنی رائٹرز گلڈ

مطبع ———— عالمین پبلیکیشنز پریس ریٹیگن روڈ۔ لاہور

قیمت ———— روپے

ترتیب

پہلی نظر

جدی المکرم حضرت فقیہ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے علمی مضامین تقریباً ربع صدی تک الفقیہ امرتسر کی زیب وزینت بنتے رہے۔ آپ نے جس مسئلہ پر قلم اُٹھایا تحقیق کا حق ادا فرما دیا۔ نماز مدلل، کتاب التراویح اور تائید الامام نے تو جلیل القدر عُلمائے معاصرین سے دادِ تحسین حاصل کی تاہم آپ کی بیشتر تحریریں کتابی صورت میں طبع نہ ہوسکیں۔

الفقیہ میں سے دادا جان کے بعض فقہی مضامین ترتیب دے کر فقہ الفقیہ کے نام سے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر چکا ہوں۔ دلائل المسائل کے نام سے یہ دوسرا مجموعہ حاضرِ خدمت ہے۔

برادرم سید اعجاز احمد صاحب کا ممنون ہوں۔ یہ انہی کے تعاون کا نتیجہ ہے احباب کا تعاون جاری رہا تو سنی بھائیوں کی خدمت میں دادا حضور کی مزید تحریریں پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو گی۔

عطاء المصطفٰے جمیل

شیعہ مذہب کی ابتداء

مدلّل اور معلومات افزا

مختصر مگر جامع تحریر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس زمانہ میں تمام دنیا کو ڈرانے اور راہِ ہدایت دکھانے کے لیے ملک عرب میں ظاہر ہوئے۔ آپ کی تبلیغ کسی قوم یا کسی نسل کے ساتھ مخصوص نہ تھی تاہم حضور علیہ السلام نے اپنی اس دنیوی زندگی میں جن قوموں تک آسمانی آواز پہنچائی وہ عرب کے باشندے تھے۔

عرب میں اس وقت بڑی تعداد مشرکین بت پرستوں کی تھی اس کے بعد لامذہبوں یہودیوں صابئین نصاریٰ کا مرتبہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور قرآن مجید کی فصاحت وبلاغت نے چند دنوں میں ہی دنیا کی کایا پلٹ دی۔ مذکورہ بالا تمام مذاہب نیست ونابود ہونے لگے اور لوگ جوق درجوق اسلام میں داخل ہونے شروع ہو گئے۔ ابتداء میں ہر ایک باطل مذہب نے آپ کا مقابلہ کیا۔ عداوت کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ قتل کے منصوبے باندھے گئے لڑائیاں کیں۔ دولت، ملک اور حسینہ عورتوں کے لالچ بھی دیئے۔ مگر حق کے سامنے کبھی باطل کے پاؤں جمے تھے؟ کہ وہاں جم جاتے۔ چند دنوں میں ہی غیر مذاہب کے بادل چھٹ گئے اور سب کو ایک ایک کر کے رخصت ہونا پڑا۔ سب سے زیادہ عداوت مسلمانوں کے ساتھ یہود اور مشرکین کو تھی۔ قرآن پاک نے اس کی خبر دی اور فرمایا۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَهُوْدَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا۔

کہ تم مومنوں کے ساتھ سب سے زیادہ عداوت رکھنے والے یہود اور مشرکین پاؤ گے۔

چونکہ عرب کا اکثر حصہ مشرکین سے آباد تھا اور حضور علیہ السلام کو اکثر وعظ و نصیحت
انہی کے ساتھ موقعہ ملتا تھا۔ یہ لوگ اپنے مذہب کے برخلاف باتیں سن
نہیں سکتے تھے۔ اس لیے مشرکین کو حضور علیہ السلام کے ساتھ زیادہ عداوت ہوئی
یہودی بھی اس لیے برسر پیکار ہوئے کہ مشرکین کے بعد انہی لوگوں کا اقتدار تھا۔
حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پانسو برس پہلے بخت نصر نے یہودیوں پر حملہ
کیا۔ اس وقت یہودی خانماں برباد ہو گئے اور شام سے بھاگ کر ملک
عرب میں جو شمال عرب میں علاقہ خیبر ہے۔ وہاں جاگزین ہوئے اور وہاں سکونت
پذیر ہو کر اپنے مذہب کی اشاعت کرنے لگے۔ زراعت و تجارت کے ذریعہ
انہوں نے اپنا جماؤ مستحکم کر لیا۔ پھر ان کے بطارقہ اور علما مختلف قبائل میں گھومنے
لگے اور عرب میں یہودی مذہب کی بنیاد جم گئی۔ یمن کے مشہور بادشاہ ذونواس
حمیری نے یہودی مذہب قبول کر لیا اور لوگوں کو جبراً یہودی بنانے لگا۔ تلوار کے
خوف سے عرب مرعوب ہو گیا اور ملک کا بہت حصہ یہود کے قبضہ میں آگیا۔

یہودیوں نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز اپنے برخلاف
دیکھی تو انہوں نے عداوت پر کمر باندھ لی۔ واقعات سے پتہ لگتا ہے کہ جس قدر
ان کے دلوں میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت تھی۔ اتنی شاید مشرکین
کو بھی نہ تھی۔ اسلام کی دن بدن ترقی دیکھ کر جلتے تھے اور مختلف تدبیروں اور
منصوبوں کے ساتھ اسلامی قوت کو کمزور کرنے کی کوشش کرتے تھے ان کے
علماء رات دن اسی دھن میں لگے رہتے تھے کہ کسی طرح اسلامی طاقت مضمحل
ہو۔ کئی بار معاہدے کیے پر خود ہی توڑ ڈالتے۔ مشرکین عرب کو ہمیشہ اسلام کے
برخلاف ابھارتے تھے۔ یہی یہود لوگ تھے جو خود نام کے مسلمان بن کر حضرت
ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا پر الزام لگاتے اور فسق کے ساتھ العیاذ باللہ
متہم کرتے۔ الغرض جو ممکن تدبیریں ہو سکتی تھیں۔ انہوں نے کمی نہ کی۔ اللہ تعالیٰ
جل جلالہ نے ان کی شرارتوں کے سبب ان کی گذشتہ ناپاک تاریخ دہرائی اور

شرم دلائی کہ اس قوم کی قدیمی عادت تکذیب ہے۔

موسیٰ علیہ السّلام جب لڑنے جاتے ہیں۔ یہودیوں سے امداد طلب کرتے ہیں تو یہی قوم ان کو جواب دیتی ہے۔

اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ۔

اے موسیٰ جا تو اور تیرا رب (بھائی) جا کر دونوں لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں۔

یہی وہ لوگ ہیں کہ موسیٰ علیہ السّلام تورات لینے کوہِ طور پر جاتے ہیں انہوں نے بچھڑے کی پرستش شروع کر دی۔ نہ موسیٰ علیہ السّلام کے مواعظ کا کچھ اثر ہوا نہ ہارون علیہ السلام کا۔

یہی قوم ہے۔ جب موسیٰ علیہ السّلام ان کو فرعون سے نجات دلا کر بحیرہ احمر سے پار کرتے ہیں تو کہتے ہیں۔

اِجْعَلْ لَّنَا اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ۔

جیسے ان لوگوں کے لیے خدا ہے۔ ہمارے لیے بھی ایسا خدا بنا۔

اللہ تعالےٰ نے ان کو ایک تاریخی واقعہ یاد دلایا اور فرمایا۔

قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ۔

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے کہ خدا تعالےٰ سے بدلہ پانے کے اعتبار سے جو چیز بُری ہے کیا اس سے میں خبر دوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو خدا تعالےٰ نے ملعون کیا اور جن پر خدا غصّے ہوا اور خدا نے ان میں سے بندر خنزیر اور بتوں کے پوجنے والے بنا دیے، یہ لوگ بہت بُرے ہیں۔ ٹھکانے کی رو سے اور سیدھے راستہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔

اور ان کے علماء کے حالات بھی بیان فرمائے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ

يَحْمِلُ اَسْفَارًا۔

ان لوگوں کی مثال جن پر توریت لادی گئی، پھر وہ لاد نہ سکے۔ اس گدھے کی سی ہے، جس نے بیٹھ پر کتابیں لادی ہوں۔

پھر ان کی تعریف کا ذکر فرمایا۔

یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ

پھر ان پر اللہ جل شانہ کا ایسا غضب ہوا کہ ان کی ملعونیت کی خبر قرآن پاک میں نازل ہوئی، چنانچہ فرمایا۔

لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِیْسَی

ابْنِ مَرْیَمَ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّکَانُوْا یَعْتَدُوْنَ۔

یعنی وہ لوگ جو بنی اسرائیل میں سے کافر ہوئے، وہ داؤد علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی زبان پر ملعون کیے گئے۔ اس لیے کہ انہوں نے بے فرمانی کی اور حد سے بڑھ جاتے تھے۔

دوسری جگہ فرمایا۔

مَلْعُوْنِیْنَ اَیْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا۔

یہ ملعون ہیں جہاں کہیں بھی رہیں گے، پکڑے جائیں گے اور اچھی طرح قتل کیے جائیں گے۔

پھر ہمیشہ کے لیے ان کی ذلت اور مسکنت کا اعلان کیا گیا، چنانچہ فرمایا۔

ضُرِبَتْ عَلَیْہِمُ الذِّلَّۃُ وَالْمَسْکَنَۃُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ۔

قرآن شریف کے مختلف مقامات میں اللہ تعالےٰ نے یہودیوں کی شرارت وسرکشیوں کی خبر دی، یہود لوگ مسلمانوں کی زبان سے اپنے حالات سنتے تھے، اپنی ملعونیت مغضوبیت اور اپنے علماء کی حالت اہل اسلام سے سن کر آگ بگولا ہو جاتے تھے اور جو کچھ ان سے ہو سکا کر گذرے، لیکن حق سبحانہ وتعالےٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق ان کو تباہ و ذلیل کیا، ان کا اصلی مقام خیبر بھی حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ

کے ہاتھوں فتح ہوا۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عداوت خصوصیت کے ساتھ اُن کے دلوں میں جم گئی۔

یہود نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں امن کی درخواست کی حضور علیہ السلام نے جو کہ سراسر رحمت مجسم تھے، منظور فرمائی اور اس اقرار کے بعد حضور علیہ السلام خیبر میں تشریف لائے تو انہوں نے نہایت گہری سازش کے سبب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی اور کھانے میں زہر ملادیا۔ حضور علیہ السلام نے جب لقمہ اٹھایا تو گوشت نے کہا۔ مجھے نہ کھائیے۔ میں زہر آلودہ ہوں آپ نے ہاتھ اٹھالیا۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کھاچکے تھے۔ ان کا انتقال ہوگیا۔ حضور علیہ السلام نے اس عورت سے پوچھا کہ تونے کیوں زہر ڈالا۔ اس نے کہا اس لیے کہ میں نے سوچا کہ آپ سچے نبی ہوں گے تو آپ کو اطلاع ہوجائے گی اور اگر آپ کا دعویٰ جھوٹا ہوگا تو لوگ آپ سے محفوظ رہیں گے (معاذ اللہ) کہتے ہیں کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو اس صحابی کے قصاص میں قتل کیا جو کہ زہر سے شہید ہوا تھا۔ حضور علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ ان کو خیبر سے نکال دیں مگر انہوں نے بہت آہ وزاری کی، تو آپ نے فرمایا۔ اچھا تم خیبر میں رہو۔ مگر ہمارا اختیار ہوگا کہ ہم جس وقت چاہیں تم کو نکال دیں۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں نیز صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اسی طرح رعایت سے مستفیض ہوتے رہے۔ آخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں اس اختیار کی بنا پر (جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ہمارا اختیار ہوگا جب چاہیں نکال دیں) ان کو نکال دیا اور مفسدوں سے زمین عرب پاک ہوگئی۔ یہود خیبر سے تو نکلے۔ لیکن مسلمانوں کا بغض دلوں میں لے کر نکلے۔ انہی باتوں کا آخر نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کے لیے ایک فتنہ عظیم برپا ہوا جو پھر دب نہ سکا جو آج بصورت فرقہ شیعہ آپ کے سامنے ہے۔

یہودیوں کی دولت برباد ہوئی۔ ملک بدر ہوئے۔ بے گھر ہوئے اس وقت جو کچھ اُن کے دلوں میں اسلام کی عداوت ہوسکتی تھی وہ ظاہر ہے۔ وہ ہر وقت

چاہتے تھے کہ کسی طرح اسلام سے بدلہ لیا جائے، تاریخی واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے اسلام کے برخلاف ایک نہایت عمیق اور گہری سازش کی اور اسلام اس کا شکار ہو گیا۔

کامل ابن اثیر تاریخ کی معتبر کتاب ہے۔ اسی طرح ناسخ التواریخ شیعوں کی معتبر کتاب ہے۔ ان دونوں کتابوں میں ایک واقعہ لکھا ہے۔ جس کو مولانا انوار اللہ حیدرآبادی نے مقاصد الاسلام میں بھی نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات شریف کے بعد جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے تو یہودیوں میں سے ایک شخص عبداللہ بن سبا نے اپنا مسلمان ہونا ظاہر کیا۔ اور مسلمانوں میں شامل ہو گیا۔ پھر بصرہ کوفہ، شام، حجاز کے شہروں میں پھرتا رہا۔ آدمی بہت لسّان اور خوش بیان تھا جہاں جاتا لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لیتا۔ مصر پہنچا۔ وہاں بھی مسلمانوں کے ساتھ اس نے ربط پیدا کیا اور اس قدر ربط پیدا کر لیا کہ عموماً لوگ اس کی باتیں سننے کے لیے اسکے پاس جمع ہو جاتے۔ ایک دن اس نے عام مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہا کہ ہم لوگ یقین رکھتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام تو واپس دنیا میں لوٹ آئیں اور ہمارے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ دنیا میں نہ آئیں۔ حالانکہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں۔ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ مسلمانوں میں یہ اعتقاد کس طرح پیدا ہو گیا۔ اس کی یہ تقریر سُن کر بہت سے لوگ اس کے حامی ہو گئے اور کئی مصری مسلمان قائل ہو گئے کہ بے شک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی واپس دنیا میں تشریف لائیں گے۔ یہ پہلی بات تھی کہ اس نے مسلمانوں میں اس کا رواج دیا اور کئی لوگ رجعت پسند ہو گئے اور ایک الگ گروہ بن گیا۔

پھر اس نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام کا ایک وصی تھا جو ہارون علیہ السلام ہے۔ تو کیا تعجب نہیں کہ ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس فضیلت سے محروم رہیں۔ ہرگز نہیں، جس طرح بادشاہ بغیر وزیر کے نہیں ہوتا۔ اس طرح نبی بغیر وصی کے نہیں ہوتا۔ اس لیے ضرور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی وصی تھا۔ مسلمانو! وہ وصی موجود

ہے۔ مگر تم دیکھ نہیں سکتے اور تم اندھے ہو کہ تم نے اس کو پہچانا نہیں۔ اس کی یہ تقریر سن کر جو لوگ پہلے حضورؐ کی رجعت کے قائل ہو چکے تھے۔ وہ متمنی ہوئے کہ آپ ہی فرمائیے۔ وہ وصی کون ہے۔ بیشک آپ کا وصی کوئی ضرور ہے۔ آخر ہمارے حضور علیہ السلام کچھ موسیٰ علیہ السلام سے کم تو نہ تھے۔ عبداللہ بن سبا نے جب دیکھا کہ یہ لوگ میرے جال میں آ گئے ہیں اور ایک وصی کے منتظر ہیں۔ تو اس نے اعلان کر دیا کہ وہ وصی حضرت علی علیہ السلام ہیں۔ افسوس کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے زبردستی خلافت پر قبضہ کر لیا ہے۔ جس طرح کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے کر لیا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس منصب سے الگ کر دیا۔ مسلمانو! جب حضور علیہ السلام دوبارہ تشریف لائیں گے تو انہیں کیا منہ دکھاؤ گے کہ آپ کا وصی دربدر مارا پھرے اور تم لوگ ٹس سے مس نہ کرو۔ ظالم غاصب ان کی جگہ لے لیں۔ کیا یہی دین اسلام اور یہی ایمان ہے۔ مصر کے لوگ یہ تقریر سن کر چلائے کہ آخر اب ہم کیا کریں۔ عثمان کی قوت کے مقابلے میں ہم لوگ کیا کر سکتے ہیں۔ اب ہم کس طرح خلافت ان کو دلا کر خدا اور رسول کو خوش کریں۔ ہمیں کچھ سمجھ نہیں آتی کہ اب وصی کی کس طرح امداد کریں۔ کہنے لگے کہ بات آسان ہے تم اپنے چیدہ چیدہ لوگ اسلام کے مرکزی شہروں میں جانے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ ہر شہر میں پہنچ کر عثمان رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ قاضی و حکام کی نسبت بدظنی پھیلاؤ۔ حکام کے لیے عموماً اہل مقدمہ میں سے ایک فریق ناخوش ہوتا ہے۔ کیونکہ حاکم کا فیصلہ ایک فریق کے ضرور مخالف ہوتا ہے اور مخالف فریق اس کی نسبت بدگمانی پیدا کر لیتا ہے۔ تم لوگ جب حکام کی طرف سے بددلی پھیلاؤ گے۔ بہت لوگ تمہارے ساتھ مل جائیں گے اور تمہارے ساتھ ایک جماعت ہو جائے گی۔ پھر سلطنت کا انقلاب سہل ہو جائے گا۔

لوگوں نے ملک میں پھیل کر اسی طرح کی بددلی پھیلائی۔ عام لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ حکام کی طرف سے بدظن ہو گئے اور ان کے دلوں میں عداوت و مخالفت پیدا ہو گئی۔ عبداللہ بن سبا کے اشارے سے ایک کمیٹی بن

گئی جس کی صدر کمیٹی مصر میں قرار پائی۔ الغرض ہر ایک شہر میں ایسے لوگ پیدا ہو گئے جو اپنے حاکموں سے ناراض تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی۔ آپ نے کچھ لوگ تحقیقات کے لیے بھیجے، انہوں نے خفیہ طور پر تحقیقات کر کے رپورٹ دی کہ شکایات بے اصل ہیں۔ آپ سن کر خاموش ہو گئے۔

عبداللہ بن سبا کی کارروائیاں وسیع ہو رہی تھیں۔ آخر اس جماعت نے متفق ہو کر بغاوت کا اعلان کر دیا۔ ناسخ التواریخ والا لکھتا ہے۔ کہ مصر سے دو ہزار آدمی مسلح اور کوفہ بصرہ سے بھی اسی قدر مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہو گئے اور انہوں نے مدینہ شریف پر حملہ کر دیا۔ اسی جنگ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور یہودیوں کا پورا کینہ اس صورت میں ظاہر ہوا۔ پھر تمام فتنوں کا دروازہ کھل گیا۔

ابن سبا نے پھر یہ حکمت کی کہ فاتح خیبر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سر پر سارا الزام تھوپ دیا۔ مسلمان حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر ٹوٹ پڑے اور اسلام کا شیرازہ بکھر گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عداوت بسبب فتح خیبر جو اس کے دل میں مرکوز تھی اس کا اس طرح بدلا لیا۔

چونکہ اہل اسلام کہا کرتے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر توریت لینے تشریف لے گئے تو سب یہودی بگڑ گئے۔ بچھڑا کی پرستش شروع کر دی ابن سبا نے اس الزام کے رفع کرنے کے لیے یہ جواب تیار کیا اور اعلان کر دیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد معاذ اللہ سب صحابہ مرتد ہو گئے۔ صرف ابوذر و مقداد و سلمان رضی اللہ عنہم مسلمان رہے۔ چنانچہ ابن سبا کی یہ گپ اڑائی ہوئی شیعوں کی کتابوں میں آج تک موجود و مشہور ہے۔

ناسخ التواریخ میں بھی لکھا ہے۔ ابو جعفر فرماتے ہیں۔

كان الناس اهل ردة بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا ثلاثة۔

یعنی تین آدمیوں کے علاوہ سب لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

بعد مرتد ہوگئے (العیاذ باللہ)

مسلمان کہا کرتے تھے کہ یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ ہارون علیہ السلام پھر آئیں گے اور وہ غائب ہوگئے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان کو قتل کر دیا۔ وہ پھر زندہ ہوں گے اور آئیں گے۔ ابن سبا نے اس کا جواب بھی ایک فرقہ میں پھیلا دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پھر آئیں گے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ اب شیعہ لوگ اپنے غائب امام کے منتظر ہیں۔

مسلمان کہا کرتے تھے کہ یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے وصی ہارون علیہ السلام اور تورات کے اسرار و نواج کے اصل وصی ہارون کے بعد ان کے بیٹے شبر و شبیر ہیں۔ ابن سبا نے مسلمانوں میں اس کے جواب میں یہ عقیدہ پھیلا دیا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل وصی حضرت علی ہیں۔ پھر اُن کے دونوں صاحبزادے۔ صاحبزادوں کا نام بھی شبر و شبیر بتایا۔ آج تک یہ نام صاحبزادوں کے مشہور ہیں۔

اسی طرح اس نے مسلمانوں میں ایک ایسی روایت مشہور کی جس سے زیادہ ذلت آفریں کوئی واقعہ نہیں ہوسکتا اور نہ صرف یہی ایک روایت بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اہل بیت کی سخت اہانت ہوتی ہے۔ نمونہ کے طور پر ایک واقعہ ناسخ التواریخ سے لکھتا ہوں۔

جب ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو رات کے وقت حضرت علی حضرت فاطمہ علیہا السلام کو ایک گدھے پر سوار کرا کے امام حسن حسین کے ہاتھ پکڑ کر مہاجرین و انصار کے گھر گھر گھومنے لگے۔ ہر ایک گھر پر کھڑے ہو کر فرماتے کہ میری مدد کرو چنانچہ چوالیس ۴۴ شخصوں نے مدد کا وعدہ کیا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ صبح کو سر منڈوا کر مسلح ہو کر میرے پاس آؤ اور موت پر بیعت کرو۔ مگر ڈر کے سبب کوئی نہ آیا۔ دوسری رات بھی اسی طرح آپ گھر گھر گھومتے پھرے اور ان لوگوں کو قسمیں دے کر آمادہ کیا۔ مگر کوئی آمادہ نہ ہوا۔ آخر آپ مکان کا دروازہ بند کر کے قرآن جمع کرنے کے لیے

بیٹھ گئے۔ عمر (رضی اللہ عنہ) نے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) سے کہا۔ کہ اگر علی (رضی اللہ عنہ) بیعت نہ کرے گا۔ تو خلافت کو استحکام نہ ہوگا۔ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کو بلوا بھیجا اور بیعت کی درخواست کی۔ حضرت علی نے کہا۔ کیا اس قدر جلد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر افترا کیا گیا۔ خدا اور اس کے رسول نے مجھے خلیفہ مقرر کیا۔ ابوبکر اور اس کے حاشیہ نشین جانتے ہیں۔ دوسرے روز حضرت عمر نے کہا کہ علی اور اس کے ہم خیال جنہوں نے اب تک بیعت نہیں کی۔ ان کو جس طرح ہو بلوایا جائے۔ اس کام کے لیے قنفذ مقرر ہوا۔ چنانچہ ایک جماعت قنفذ کی سرکردگی میں حضرت علی کے گھر پہنچی۔ حضرت علی نے قنفذ کو اندر آنے کی اجازت نہ دی۔ اس نے حضرت عمر کے آگے بیان کیا۔ تو انہوں نے کہا کہ اجازت کی کیا ضرورت ہے زبردستی جانا چاہیے اور جس طرح ہو سکے ان کو پکڑ کر لے آؤ۔ مگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں اپنے گھر کسی کو نہ آنے دوں گی یہ سن کر حضرت عمر کو غصہ آیا اور کہا کہ عورتوں کو ان معاملات میں دخل دینے کی کیا ضرورت ہے۔ پھر حضرت عمر چند آدمیوں کو ہمراہ لے کر آئے اور کہا اے علی باہر نکلو اور خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کرو ورنہ اس دروازہ کو جلا دوں گا۔ حضرت فاطمہ اندر سے نکلیں اور کہا اے عمر تمہیں کیا تعلق ہے تم خدا سے نہیں ڈرتے۔ بلا اجازت میرے گھر میں آتے ہو۔ آخر حضرت عمر نے لکڑیاں منگوا کر آگ لگا دی۔ پھر دروازہ توڑ کر اندر داخل ہو گئے۔ حضرت فاطمہ چیختی ہوئی باہر نکلیں عمر رضی اللہ نے تلوار جو کاٹھی میں تھی ان کی کمر پر ماری۔ حضرت علی کو غصہ آیا۔ انہوں نے عمر کو پکڑ کر زمین پر مارا۔ عمر نے فریاد کر کے باہر کے لوگوں سے مدد چاہی۔ قنفذ نے حضرت ابوبکر کو خبر دی۔ ان کو اندیشہ ہوا کہ حضرت علی تلوار لے کر نہ نکل آویں قنفذ دوڑا۔ لوگوں کو لے کر گھر میں گھس گیا۔ حضرت علی کے ہاتھ سے تلوار چھین لی۔ گرفتار کر کے گلے میں رسی باندھی اور اسی طرح کھینچتا ہوا مسجد کی طرف لے جانے لگا۔ فاطمہ روکتی تھیں۔ قنفذ نے زور سے ایک کوڑا مارا۔ جس کا اثر وفات تک نمایاں رہا۔ پھر عمر (رضی اللہ عنہ) نے دروازہ کے پیٹ کو زور سے دبایا کہ فاطمہ کی

معتبر شیعہ کی شہادت

مذہب شیعہ کی معتبر کتاب رجال کشی میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن سبا پہلے یہودی تھا اور حضرت یوشع بن نون وصی حضرت موسیٰ کی شان میں غلو رکھتا تھا۔ جب مسلمان ہو گیا تو حضرت امیر کے متعلق اس نے غلو کیا اور وہ پہلا شخص ہے۔ جس نے حضرت علی کی امامت کے عقیدہ کو ثابت کیا۔ اور اس کی اشاعت کی۔ انکے دشمنوں پر تبرا کیا۔ مخالفین نے عداوت قائم کی انہیں کافر کہا اسی وجہ سے شیعہ کے مخالفین کہتے ہیں کہ مذہب شیعہ کے اصول یہودیت سے ماخوذ ہیں۔

(رسالہ ابن سبا صت ۳۷)

معلوم ہوا کہ زمانہ یہودیت میں یوشع بن نون کے بارہ میں وہی اعتقاد رکھتا تھا جو اس نے حضرت علی کے شان میں ظاہر کیا۔ امامت علی کا مسئلہ اسی کا ایجاد کردہ ہے تبرہ و عداوت کی اس نے بنیاد رکھی۔ اسی واسطے فرقہ شیعہ کا نام سبائیہ بھی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فیصلہ

نہج البلاغۃ قسم اول صنت ۲۶۰ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد منقول ہے۔ عنقریب میرے متعلق دو گروہ ہلاک ہوں گے۔ ایک محبت میں زیادتی کرنیوالا کہ اس کو دشمنی خلاف حق کی طرف لے جائے گی اور دوسرا دشمنی میں زیادتی کرنے والا کہ اس کو دشمنی خلاف حق کی طرف لے جائے گی اور سب سے بہتر حالت میرے متعلق ان لوگوں کی ہو گی جو درمیانی راہ اختیار کریں گے۔ لہذا تم سب لوگ سی درمیانی راہ کو اپنے اوپر لازم سمجھو۔ کیونکہ اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے خبردار بڑی جماعت سے علیحدہ نہ ہونا۔ کیونکہ جو شخص جماعت سے علیحدہ ہوتا ہے وہ شیطان کا شکار بنتا ہے۔ جیسے وہ بکری جو گلے سے علیحدہ ہوتی ہے۔ بھیڑیئے کا لقمہ بنتی ہے۔ آگاہ ہو جاؤ۔ جو شخص سواد اعظم سے جدا ہونے کی تعلیم دے اس کو قتل کر دو۔ اگرچہ

وہ میرے عمامہ کے نیچے ہو۔ آپ کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

سیھلک فی صنفان محب مفرط یذھب بہ الحب الی غیر الحق ومبغض مفرط یذھب بہ البغض الی غیر الحق وخیر الناس فی حالا النمط الاوسط فالزموہ والزموا السواد الاعظم فان ید اللہ علی الجماعۃ وایاکم والفرقۃ فان الشاذ من الناس للشیطان کما ان الشاذ من الغنم للذئب الا من دعا الی ھٰذا الشعار فاقتلوہ ولو کان تحت عمامتی ھذہ (نہج البلاغۃ ص۲۶)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس میں دو نصیحتیں فرمائیں۔

اول یہ کہ جناب کے متعلق درمیانی راہ اختیار کرنی چاہیے۔ غلو محبت بھی موجب ہلاکت ہے اور بغض و نفرت بھی مہلک۔

دوسری یہ کہ سواد اعظم بڑی جماعت کی پیروی کرو۔ اس ارشاد کے مطابق بحمد اللہ اہل سنت ہی نمط اوسط ہیں۔ نہ ان میں مثل شیعہ کے غلو محبت ہے نہ مثل خوارج کی بغض و نفرت اور حضرت علی کے زمانہ میں سواد اعظم اور بڑی جماعت بھی یہی اہل سنت تھے، جن سے الگ ہونے والے کو آپ نے شیطان کا شکار فرمایا۔

شیعہ مذہب کی یہود و نصاریٰ کے ساتھ مشابہت

اللہ جل جلالہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو امت وسط فرمایا۔ یعنی عادل نہ اس میں افراط ہے نہ تفریط۔ چنانچہ فرمایا۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا الآیۃ۔

یہود نے انبیاء و صالحین کو قتل کیا اور ایذائیں دیں اور ان کے ساتھ دشمنی کا کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔ نصاریٰ نے بجائے دشمنی کے محبت میں یہاں

تک افراط کی کہ عیسیٰ علیہ السّلام کو الوہیت کے مرتبہ تک پہنچا دیا۔ یقیناً حق یہ مستقیم وہی ہے جو ہمارے علماء نے بیان کیا کہ افراط و تفریط سے پاک ہو۔ اسی طرح ہر کام میں نسبت انہی دونوں کے درمیان ہوتی ہے۔ مثلاً مال کے خرچ کرنے میں اگر تفریط ہو یعنی خرچ نہ کرے تو بخل ہے۔ اگر افراط ہے تو اسراف ہے اور اس کا وسط سخاوت ہے۔ اسی طرح محبت میں اگر تفریط ہو تو دشمنی ہوگی۔ جیسے یہود نے عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ عداوت رکھی۔ اگر افراط ہو جیسے نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السّلام کو الوہیت تک پہنچایا تو غیر حق۔ عدل مستقیم یہ ہے۔ کہ عیسیٰ علیہ السّلام رسول مکرم و محترم تھے۔

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق دو فرقے ہوئے۔ ایک فرقہ نے یہاں تک تفریط کی کہ آپ کے دشمن ہو گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایمان کے بھی قائل نہ ہوئے۔ بلکہ ابن ملجم خارجی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شہید کرنے کو اپنا نجات کا ذریعہ سمجھا۔ ادھر گروہ شیعہ نے یہاں تک افراط کی کہ حضرت علی علیہ السلام کو جملہ انبیاء علیہم السلام سے افضل سمجھا۔ بلکہ بعض نے تو الوہیت کے درجہ تک پہنچایا اور بعض نے یہ بھی کہہ دیا کہ اصل رسالت انہی کے نام تھی، جبریل علیہ السلام سے غلطی ہوئی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ لیکن اہلسنت کثرہم اللہ نے نہ افراط کیا نہ تفریط۔ بلکہ راہِ مستقیم پر رہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور خلیفہ چہارم تھے۔ فرقہ خوارج تو بسبب بغض سیدنا علی رضی اللہ عنہ یہود کے مشابہ ہوا اور فرقہ شیعہ بھی بسبب بغض سیدنا ابی بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم و دیگر صحابہ کرام یہود کے ساتھ مشابہ ہوا اور بوجہ افراط محبت با علی رضی اللہ عنہ نصاریٰ کے ساتھ مشابہ ہوا۔ انہوں نے یہود و نصاریٰ دونوں کی مشابہت کو اپنے اندر جمع کر لیا اور جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی صاف لفظوں میں پوری ہوئی جو آپ نے فرمایا تھا۔

لترکبن سنن من قبلکم الحدیث

فرقہ شیعہ کی یہود سے مشابہت

ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس فرقہ کا بانی عبداللہ بن سبا یہودی تھا جس نے بظاہر مسلمان ہو کر اسلام میں فتنہ پیدا کیا اور اس مذہب کی بنیاد رکھی۔ اسی واسطے اس مذہب کو یہود کے ساتھ مشابہت تامہ حاصل ہوئی۔

علامہ ابن تیمیہ نے منہاج السنہ کے ص۸۱؍۱ میں امام شعبی رحمہ اللہ سے شیعہ مذہب کی یہود سے مشابہت نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ (شیعہ) اسلام سے رغبت اور خواہش کے ساتھ داخل نہیں ہوئے مسلمانوں میں مل کر جس قدر ممکن ہوا۔ انہوں نے اہل اسلام کی عداوت میں کوتاہی نہیں کی۔ اس فرقہ کے وہ مسائل جو کہ یہودیوں سے مشابہ ہیں۔ یہ ہیں :-

(۱) یہود کہتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام کی اولاد کے سوا کوئی امامت اور ملک کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ شیعہ کہتے ہیں کہ بجز اولاد علی رضی اللہ عنہ کوئی امامت کے لائق نہیں۔

(۲) یہود کہتے ہیں کہ جب تک دجال نہ نکلے اور ربند آسمان سے نہ اترے فی سبیل اللہ جہاد جائز نہیں۔ شیعہ کہتے ہیں کہ جب تک مہدی کا ظہور نہ ہوا اور آسمان سے منادی نہ ہو کہ اس کی تابعداری کرو۔ تب تک جہاد جائز نہیں۔

(۳) یہودی نماز مغرب کو ستاروں کے چمکنے تک تاخیر کرتے ہیں۔ اسی طرح شیعہ بھی مغرب میں ستاروں کے ظہور تک تاخیر کرتے ہیں، حالانکہ حضور علیہ السلام نے مغرب میں اس قدر تاخیر کرنا منع فرمایا ہے۔

(۴) یہودی نماز کے وقت قبلہ سے ذرا ٹیڑھے کھڑے ہوتے ہیں۔ صاف قبلہ کے محاذ میں نہیں کھڑے ہوتے۔ اسی طرح شیعہ بھی ٹیڑھے کھڑے ہوتے ہیں۔

(۵) یہودی نماز میں ادھر اُدھر ہلتے ہیں۔ اسی طرح شیعہ بھی کرتے ہیں۔

(۶) یہودی نماز میں سدل کرتے ہیں۔ یعنی کپڑا سر پر یا مونڈھوں پر اس طرح اوڑھتے ہیں کہ اس کی دونوں طرفیں دائیں بائیں لٹکتی رہیں۔ اسی طرح شیعہ بھی کرتے ہیں۔

(۷) یہودیوں کے نزدیک عورتوں پر عدت نہیں۔ اسی طرح (بعض) شیعہ میں بھی نہیں۔

(۸) یہودیوں نے توریت کو محرف کیا۔ شیعوں نے قرآن شریف کو تحریف کیا۔ اور اس کے محرف ہونے کے قائل ہوئے۔

(۹) یہودی بجز طلاق کے جو حیض میں دی جائے۔ کوئی طلاق معتبر نہیں سمجھتے۔ اسی طرح شیعہ بھی نہیں سمجھتے۔

(۱۰) یہودی مسلمانوں کو السّام علیکم کہتے ہیں۔ شیعہ بھی اہل سنت کو اسی طرح کہتے ہیں۔

(۱۱) یہودی جری اور مارماہی کو (مچھلی کی قسم ہے) حرام کہتے ہیں۔ شیعہ بھی اسی طرح حرام کہتے ہیں۔

(۱۲) یہودی مسح موزہ کے قائل نہیں۔ شیعہ بھی نہیں۔

(۱۳) یہود سب لوگوں کا مال حلال سمجھتے ہیں۔ اسی طرح شیعہ سمجھتے ہیں۔

(۱۴) یہود اپنے قرنوں (اطراف سر) پر سجدہ کرتے ہیں۔ شیعہ بھی اس طرح کرتے ہیں۔

(۱۵) یہود سجدہ نہیں کرتے۔ جب تک رکوع کی مشابہت کے لیے کئی بار سر نیچے نہ کرلیں۔ شیعہ بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔

(۱۶) یہود جبریل علیہ السلام کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ اسی طرح بعض شیعہ بھی کہتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام نے وحی لانے میں غلطی کی۔ بجائے علی رضی اللہ عنہ کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی لاتا رہا۔

(۱۷) یہود کی عورتوں پر مہر نہیں، متعہ کرتے ہیں۔ شیعہ بھی کرتے ہیں۔

(۱۸) یہودی اپنی کنیزوں سے عزل جائز نہیں سمجھتے اسی طرح شیعہ بھی جائز نہیں سمجھتے۔

(۱۹) یہودی خرگوش و طحال کو حرام جانتے ہیں، شیعہ بھی حرام جانتے ہیں۔

(۲۰) یہودی لحد نہیں نکالتے۔ اسی طرح شیعہ بھی نہیں نکالتے۔ حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لحد نکالا گیا۔

(۲۱) یہود اونٹ بطخ حرام کہتے ہیں۔ اسی طرح شیعہ بھی کہتے ہیں۔

(۲۲) جمع بین الصلوٰتین ہمیشہ کرنا اور تین وقت نماز پڑھنا شیعوں میں یہود کی مشابہت کے سبب ہے۔

ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ جو کچھ امام شعبی نے فرمایا ہے، شیعوں میں ضرور پایا جاتا ہے، گو ان میں سے بعض فرقہ میں کوئی بات نہ ہو۔ امام شعبی رحمہ اللہ کے اس قول کو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ نے غنیۃ الطالبین میں بھی ذکر فرمایا ہے۔

یہود و نصاریٰ کو رافضیوں پر ایک فضیلت

باوجود اس کے یہود نصاریٰ کو رافضی فرقہ پر ایک خصلت میں فضیلت حاصل ہے۔ وہ یہ ہے کہ یہود سے جب پوچھا گیا کہ تمہارے دین میں سب سے بہتر گروہ کون تھا۔ یعنی سب سے زیادہ موسیٰ علیہ السلام کے تابعدار اور سب سے بہتر کون لوگ تھے تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ لوگ جو موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب اور ان کی زیارت کرنے والے تھے۔ وہ ہم سب سے بہتر تھے۔ گروہ نصاریٰ سے پوچھا گیا۔ کہ تمہاری ملت میں سب سے افضل گروہ کون تھا۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یار سب سے افضل تھے۔ لیکن جب رافضی اور خارجی سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ علیہ السلام کے اصحاب مہاجرین و انصار کیسے تھے، تو رافضیوں اور خارجیوں نے کہا۔ کہ وہ معاذ اللہ سب سے بدتر تھے۔

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا۔
اس پر عجب یہ کہ یہ لوگ اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں۔ حکم تو یہ تھا کہ ان کے لیے استغفار کرتے۔ جیسے حق سبحانہٗ نے ارشاد فرمایا۔
وَالَّذِيْنَ جَاۗءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ الآیۃ۔
لیکن انہوں نے بجائے استغفار کے بدگوئی کی اعاذنا اللہ منہا۔

شیعوں کی عجیب باتیں

علامہ ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ جلد اوّل کے صفحہ ۹ میں شیعوں کی دور از عقل باتوں کا بیان کیا ہے۔ فرمایا ہے کہ ان میں ایک توہم پرستی یہ ہے کہ وہ دس صحابی جن کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی خوشخبری دی۔ جن کو عشرہ مبشرہ کہا جاتا ہے۔ اُن سے بغض کے سبب شیعہ لوگ دس عدد کو منحوس سمجھتے ہیں اور دس کا تکلم بھی اپنی زبان پر مکروہ جانتے ہیں اور کوئی ایسا کام نہیں کرتے جو دس ہو۔ مثلاً گھر کا چھت دس ستونوں پر نہیں رکھتے۔ دس کڑیاں نہیں ڈالتے اسی طرح مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم کو جنہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ درخت کے نیچے بیعت کی تھی، بُرا جانتے ہیں اور اُن سے بغض رکھتے ہیں حالانکہ اللہ جل شانہٗ نے قرآن شریف میں ان کی نسبت اپنی رضامندی کی خبر دی ہے۔
صحیح مسلم میں آیا ہے کہ حاطب بن ابی بلتعہ کے غلام نے کہا کہ یا رسول اللہ حاطب خدا کی قسم دوزخ میں جائے گا۔ تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کَذَبْتَ تو نے جھوٹ بولا۔ وہ جنگ بدر و حدیبیہ میں حاضر ہوا تھا یعنی بدر و حدیبیہ میں حاضر ہونے والے دوزخ میں نہیں جائیں گے۔ (صحیح مسلم صد ۳۰۲ جلد ۲)
اللہ تعالیٰ نے مدینہ شریف میں تِسْعَةُ رَهْطٍ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ فرمایا تو کیا مفسدین کے نو گروہ کے سبب نو کا عدد چھوڑ دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے دس

عدد کی کئی جگہ تعریف فرمائی۔ متمتع حج میں روزوں کے متعلق فرمایا۔
تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۔
موسیٰ علیہ السلام کے وعدہ کے متعلق فرمایا۔
وَاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ اور فرمایا وَلَيَالٍ عَشْرٍ
احادیث میں رمضان کے آخری عشرہ کے فضائل آئے ہیں۔ حضور علیہ السلام اس میں اعتکاف بیٹھا کرتے تھے۔
لیلۃ القدر کے متعلق فرمایا کہ اس کو آخری عشرہ میں تلاش کرو۔
عشرہ ذی الحج میں عمل صالح کا ثواب بیان فرمایا اور بھی کئی نظائر ہیں مگر شیعہ کی عقل دیکھو کہ عشرہ کے لفظ کو مکروہ جانتے ہیں۔
اس پر تعجب یہ کہ عدد نو کو برا نہیں سمجھتے۔ حالانکہ عشرہ مبشرہ میں سے نو صحابہ کو ہی برا سمجھتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مستثنیٰ جانتے ہیں تو اس لحاظ سے ان کو عدد ۹ کو منحوس سمجھنا چاہیے تھا۔ مگر وہ دس کو مکروہ سمجھتے ہیں۔
اس طرح جس شخص کا نام ابوبکر و عمر و عثمان (رضی اللہ عنہم) ہو۔ اس کے ساتھ کوئی معاملہ نہیں کرتے۔ بلکہ حتی الوسع یہ نام بدل دیتے ہیں۔ حالانکہ صحابہ میں سے بعض وہ لوگ تھے۔ جن کا نام کفار کے نام سے ملتا تھا۔ چنانچہ ایک صحابی کا نام ولید تھا جس کے لیے حضور علیہ السلام دعائے نجات فرمایا کرتے تھے اور اس کے باپ کا نام بھی ولید بن مغیرہ تھا۔ جو کافر تھا۔ بعض صحابہ کا نام عمرو تھا اور مشرکین میں بھی عمرو بن عبدود تھا۔ صحابہ میں سے خالد بن سعید سابقین اولین میں سے تھے۔ مشرکوں میں بھی خالد بن سفیان تھا۔ صحابہ میں سے ہشام بن حکیم تھا۔ ابوجہل کے باپ کا نام بھی ہشام تھا۔ صحابہ میں سے عقبہ بن عمرو بدری تھے۔ مشرکوں میں عقبہ بن ابی معیط تھا۔ صحابہ میں علی و عثمان تھے۔ مشرکوں میں علی بن امیہ بن خلف اور عثمان بن طلحہ تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرام نے کسی اسم کو اس لیے مکروہ نہیں سمجھا کہ یہ نام کسی کافر کا ہے، خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی اولاد کے وہ نام رکھے

جن کو شیعہ مکروہ سمجھتے ہیں

امام غائب کے انتظار میں جہاں اس کو غائب سمجھتے ہیں۔ وہاں کوئی سواری گھوڑا یا خچر ہمیشہ باندھے رکھتے ہیں کہ جب نکلے۔ اس پر سوار ہو۔ خود وہاں کھڑے ہو کر پکارتے ہیں۔ یا مولانا اخرج۔ مولانا نکلو۔ بعض تو ان کے انتظار میں نماز بھی نہیں پڑھتے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ نکل آویں اور یہ نماز میں مشغول ہوں اور اس کی خدمت سے محروم رہے۔ بعض دور دراز ملک سے مشرق کی طرف منہ کر کے ان کو بلند آواز سے بلاتے ہیں اور ظاہر ہے۔ اگر وہ موجود بھی ہوں اور اللہ تعالےٰ نے ان کو نکلنے کا حکم فرمایا ہو تو نکلیں گے۔ یہ پکاریں یا نہ پکاریں۔ اگر ان کو اذن نہیں تو وہ اس کے پکارنے کو قبول نہیں فرمائیں گے۔ پھر یہ فعل ان کا عبث ہوا۔ اسی طرح اگر وہ نکلے تو اللہ تعالےٰ ان کو امداد کرے گا۔ اس کی ضرورت نہیں کہ ان کے لیے ہمیشہ آدمی منتظر کھڑے رہیں اور سواری باندھے رکھیں۔

ضل سعیہم فی الحیوٰۃ الدنیا وھم یحسنون انھم یحسنون صنعا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بغض و عناد کے سبب سرخ دنبوں کا حمیرا نام رکھ کر ان کے بال نوچتے ہیں اور تکلیف پہنچاتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ ہم ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو تکلیف پہنچا رہے ہیں۔

ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ بعض شیعہ ابو لولو مجوسی کی تعظیم کرتے ہیں۔ صرف اس لیے کہ اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔ یہ مجوسی بالاتفاق کافر تھا۔ مگر یہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عداوت کے سبب اس کافر کی عزت و تعظیم کرتے ہیں۔

جانوروں کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے نام رکھ کر ایذا پہنچانا اور یہ خیال کرنا کہ یہ ایذا صحابہ کرام کو پہنچے گی۔ شیعہ کے اعتقادات پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔ حالانکہ شریعت محمدیہ علی صاحبہا السلام والتحیہ نے تو اجماعی کافروں کو مثلہ کرنے سے منع فرمایا ان کا پیٹ پھاڑنا۔ ناک کاٹنا۔ بعد از قتل ممنوع کیا البتہ مقابلتاً جائز ہے صحیح مسلم میں

روایت ہے کہ حضور علیہ السلام جب کسی لشکار یا سریہ پر کوئی سردار بھیجتے تو خصوصاً تقویٰ کی وصیت فرماتے اور جو مسلمان ہوں اُن کے ساتھ نیکی کرنے کی ہدایت فرماتے اور فرماتے کہ اللہ کے راہ غزا کرو، کافروں سے لڑو، لیکن نہ غلو کرو نہ غدر نہ مثلہ کرو، نہ بچوں کو قتل کرو۔ اب غور کرو کہ کفار کو مرنے کے بعد مثلہ کرنا اعدا کی توہین اور بے حرمتی ضرور ہے، لیکن حضور علیہ السلام نے منع فرما دیا کہ یہ بلا اجازت ایذارسانی ہے۔ کیونکہ مقصود صرف کافر کے شر کا روکنا تھا اور وہ اس کے قتل سے حاصل ہو گیا۔ پس شیعہ لوگوں کا ایسا فعل جانوروں کے ساتھ کرنا جو کہ اصل کافر کے ساتھ بھی جائز نہ تھا، پھر اس کو سمجھنا کہ ہمارا یہ فعل صحابہ کرام تک پہنچے گا، حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔

اسی طرح عرصہ دراز کے بعد جو کہ واقعہ قتل کو گذر چکا ہے، ماتم کرنا اور ماتم بھی وہ ماتم جو ان کی شہادت کے بعد اسی دن یا دوسرے تیسرے دن بھی کیا جاتا تو شرعاً حرام تھا، یعنی رخساروں کا پیٹنا، گریبانوں کا پھاڑنا اور جاہلیت کے آوازے کرنا۔

چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَطَمَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُیُوْبَ وَدَعَا بِدَعْوَی الْجَاهِلِیَّۃِ۔

یہ لوگ تو سارا سال عیش و عشرت میں گذار دیتے ہیں اور ایام محرم میں صفِ ماتم بچھا دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ کئی انبیاء علیہم السلام اور کئی غیر انبیاء۔ جو یقیناً امام حسین علیہ السلام سے افضل تھے، ظلماً شہید کیے گئے، مگر ان کا کوئی ماتم نہیں کیا جاتا۔

خود امام حسین علیہ السلام کے والد ماجد حضرت علی رضی اللہ عنہ جو یقیناً حسین علیہ السلام سے افضل تھے، شہید کیے گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور آپ کا قتل پہلا فتنہ تھا۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف کے بعد واقع ہوا اور اس قتل پر ایسے ایسے شر و فساد مترتب ہوئے جو امام

حسین علیہ السلام کی شہادت پر نہیں ہوئے۔ پھر بھی کسی مسلمان نے ان کا ماتم نہیں کیا۔ تو ان لوگوں کو صرف حسین علیہ السلام کا ماتم کرنا وہ بھی ایسے طریق سے، جو کہ شرعاً ممنوع ہے۔ ان کے تمدن اور تہذیب کو آشکارا کر رہا ہے۔ اللہ جل شانہ، ہدایت کرے۔

شیعوں کے متعلق ائمہ شیعہ کا ارشاد

حضرت علی رضی اللہ عنہ

نہج البلاغۃ جو کہ حضرت علی کی طرف منسوب ہے اور شیعہ میں بڑی معتبر کتاب ہے، اس میں لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے شیعوں کو مخاطب کر کے فرمایا، خدا تمہارا برا کرے، تمہیں غم نصیب ہو، جب تم گرمی و سردی سے بھاگتے ہو تو تلوار سے اور بھی بھاگو گے۔ اے مرد صورت زنانو۔ لڑکوں اور عورتوں کی مانند عقل رکھنے والو، کاش نہ میں تمہیں جانتا، خدا تمہیں غارت کرے، تم نے میرے دل کو پیپ سے میرے سینہ کو غم و غصہ سے بھر دیا اور مجھے تم نے خوب غم کے گھونٹ پلائے اور تم نے میری اطاعت و نصرت کو چھوڑ کر میری رائے و تدبیر کو خراب کر دیا۔

آپ نے اپنے بڑے لڑکے امام حسن کو وصیت کی کہ اے فرزند جب میں دنیا سے مفارقت کروں اور میرے اصحاب (شیعہ) تم سے موافقت نہ کریں تو لازم ہے کہ تم خانہ نشین رہنا۔ (جلاء العیون)

امام حسن رضی اللہ عنہ

آپ نے شیعوں کے متعلق فرمایا۔

بخدا سوگند معاویہ از برائے من بہتر است ازیں جماعت کہ آنہا دعویٰ کنند کہ شیعہ من اند و ارادہ قتل من کردند و مرا غارت کردند" (جلاء العیون)

یعنی خدا کی قسم معاویہ میرے لیے بہتر ہے۔ اس جماعت سے جو دعویٰ کرتے ہیں کہ میرے شیعہ ہیں حالانکہ انہیں شیعوں نے میرے قتل کا ارادہ کیا اور مجھ کو غارت کیا۔

امام حسین رضی اللہ عنہ

خلاصۃ المصائب جو کہ شیعوں کی معتبر کتاب ہے۔ اس کے صفحہ ۴۹ میں لکھا ہے کہ:۔

امام حسین علیہ السلام نے صاف لفظوں میں فرمایا۔

قَدْ خَذَلَنَا شِیْعَتُنَا۔

کہ ہم کو ہمارے شیعوں نے خوار کیا۔

جلاء العیون میں ہے۔

شیعیان ما دست از یاری ما برداشتند۔

کہ میرے شیعوں نے میری مدد کرنے سے ہاتھ اٹھا لیا۔

اپنے شیعوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔

اے جماعت (شیعہ) شمارا ہلاکت و ضجرت باد چہ زشت مردم کہ شما بودہ اید۔

یعنی اے لوگو! تم ہلاک و برباد ہو جاؤ۔ تم کیسے میرے لوگ ہو۔

(ناسخ التواریخ صـ ۱۹۴)

اے گمراہان امت، ترک کنندگان کتاب متفرقان احزاب پیروان شیطان ترک کنندگان سنت ہائے پیغمبران۔ کشندگان و ہلاک کنندگان اولاد و عترت اوصیائے پیغمبران۔ الحاق کنندگان۔ اولاد زنا بغیر پدران ایذا رسانندہ مومنان یاد ری کنندگان ظالمان۔

تم پر ولئے ہو۔ نفرین ہو۔ لعنت خدا ہو (جلاء العیون)
خلفاء پر تبرا کہنے والو شیعو! قیامت تک صحابہ کو جتنی گالیاں دو گے اس سے کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر تم خود اپنے امام حسین علیہ السّلام سے سُن لو۔ اور بتاؤ کہ اتنے اوصاف رکھتے ہوئے بھی تمہارے گمراہ ہونے میں کچھ شبہ ہو سکتا ہے۔

امام زین العابدین

آپ نے شیعوں میں خطاب کیا۔
تم پر لعنت ہو۔ اے مکارو۔ اے غدارو۔ اب پھر دوبارہ میں تمہارے فریب میں نہ آؤں گا۔ تم چاہتے ہو کہ مجھ سے بھی وہی سلوک کرو۔ جو میرے بزرگوں سے کرا چکے ہو۔ خدا کی قسم میں تمہارے قول و قرار پر ہرگز اعتبار نہ کرونگا۔ (جلاء العیون)

امام باقر

آپ نے ایک دفعہ ابو بصیر سے فرمایا۔
واللہ لو انی اجد منکم ثلاثۃ مومنین یکتمون حدیثی ما استحللت ان اکتمہم حدیثا۔
خدا کی قسم میری حدیث چھپانے والا تم میں سے تین مومن بھی پاتا تو میں اپنی حدیث تم سے نہ چھپاتا۔ (اصول کافی صـ ۴۹۶)
اس سے معلوم ہوا کہ امام صاحب کے وقت تین مومن شیعہ بھی آپ کے حدیث چھپانے والے نہ ملتے تھے۔

امام جعفر

آپ نے فرمایا۔ اگر میرے شیعہ پورے سترہ ہوتے تو میں جہاد کرتا۔
(اصول کافی صـ ۴۹۶)

معلوم ہوا کہ امام جعفر صادق کو سترہ مومن شیعہ بھی نہیں ملتے تھے۔

امام کاظم

آپ فرماتے ہیں۔

ان اللّٰہ غضب علی الشیعۃ فخیّرنی نفسی او ھم فوقیتھم واللّٰہ بنفسی۔ (اصول کافی ص۱۵۹)

یعنے اللہ شیعوں پر غضب ناک ہوا۔ پس مجھ کو اختیار دیا کہ اپنی جان دوں۔ یا شیعے ہلاک ہو جائیں۔ واللہ میں اپنی جان دے کر شیعوں کو بچاتا ہوں۔

معلوم ہوا کہ شیعہ ایسے ناپاک تھے کہ گو دنیا میں کافر، مشرک، مجوسی، یہودی سب تھے۔ مگر اللہ تعالٰے کا غضب شیعوں پر آیا اور اتنا بڑا غضب تھا۔ کہ ایسے امام نے اپنی عزیز جان دی۔ تب جا کر شیعہ بچے۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح نصاریٰ مسیح کے کفارہ پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام نے عیسائیوں کے کفارہ میں جان دی۔ اسی طرح شیعہ بھی اپنے گناہوں کے عوض امام وقت جیسے بہترین مخلوق کو کفارہ سمجھتے ہیں۔

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

مسائل شیعه

مسئلہ نمبر۱

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے تحفہ اثنا عشریہ میں اس فرقہ کا اعتقاد لکھا ہے کہ بجز چند صحابہ رضی اللہ عنہم کے باقی تمام صحابہ کو کافر کہتے ہیں۔ بالخصوص سیدنا ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کو اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو کافر کہتے ہیں۔ (معاذ اللہ)

میں کہتا ہوں کہ اندھیر اور سمجھ کا پھیر ہے کہ جن لوگوں نے اسلام کے لیے جان و مال قربان کیے، جن کی کوششوں سے دنیا میں اسلام پھیلا، جن کے ذریعہ سے اسلام کی دولت ہم تک پہنچی اور جو لوگ سفر و حضر میں حضور علیہ السلام کے ساتھ رہا کرتے تھے، آج ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ مسلمان نہ تھے۔ (العوذ باللہ من ہذہ الھفوات)

اگر یہ لوگ مسلمان نہ تھے تو بتاؤ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں آکر کیا کام کیا؟ یہ تو ہر ایک منصف مانتا ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ اگر کسی استاد کے شاگرد جید عالم ہوں تو سمجھا جاتا ہے کہ ان کا استاد بڑا لائق ہے۔ اگر مرید پارسا ہوں تو سمجھا جائے گا کہ ان کا شیخ بڑا متقی ہے۔ تو اگر سرور عالم کے مریدوں کی یہ حالت تھی جو کہ شیعہ لوگ بیان کرتے ہیں۔ پھر مرید بھی وہ جو سفر و حضر میں اپنے پیر کے ساتھ رہتے تھے تو اس سے لازم آتا ہے کہ حضور علیہ السلام کی تعلیم میں (معاذ اللہ) کوئی اثر نہ تھا۔ وہ لوگ جو ہمیشہ آپ کی صحبت میں رہے وہ بھی دل سے مسلمان نہ ہو سکے، حضرت علی، حضرت امام حسن و حسین رضی اللہ عنہم تو بقول شیعہ پیدائشی مسلمان تھے۔ حضور کے اثرِ صحبت سے مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ تو حضور نے آکر کن لوگوں کو مسلمان کیا؟ کیا صرف ابوذر، سلمان، عمار بن یاسر اور مقداد رضی اللہ عنہم کو ہی مسلمان بنایا؟ اور یہ مسلمان بھی بقول کلینی ایسے کہ اگر ابوذر و سلمان کے دل کا معلوم ہوتا تو انہیں قتل کر دیتے۔ (اصول کافی ص ۲۵۴)

پھر آیت یدخلون فی دین اللہ افواجا میں جن لوگوں کے اسلام لانے کا ذکر ہو رہا ہے وہ کہاں گئے اور وہ کون لوگ تھے؟

اگر خلفائے ثلٰثہ دل سے مسلمان نہ تھے تو اپنی اپنی خلافت کے زمانہ میں انہوں نے اپنے دین (کفر) کا کیوں اظہار نہ کیا؟ کیوں لوگوں کو مسلمان بناتے رہے؟ اپنی خلافت کے زمانہ میں ان کو کس ڈر تھا؟ کہ اپنا کفر ظاہر نہ کر سکے۔ کیا وہ حضرت علی سے ڈرتے تھے؟ اگر ان کا ڈر تھا تو وہ خلافت پر کیسے قابض ہو گئے؟ اس وقت کیوں نہ ڈرے؟

حضرت علی، ابوذر، مقداد، عمار اور حسنین ان کے پیچھے کیوں نمازیں پڑھتے رہے؟ کیا کافر یا منافق کے پیچھے نماز جائز ہے؟ خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ دنیوی کے آخری دور میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز میں امام کیوں بنایا؟ حالانکہ مومن اور منافق قرآن کی نصِّ قطعی کے مطابق متمیز ہو چکے تھے۔ اللہ تعالٰے فرماتا ہے۔

ما کان اللہ لیذر المومنین علی ما انتم علیہ حتی یمیز الخبیث من الطیب۔

اور منافق کو بالاجماع امام بنانا جائز نہیں۔

معلوم ہوا کہ شیعوں کا یہ اعتقاد نہایت بُرا ہے۔ صحیح وہی ہے جو اہلسنت کا اعتقاد ہے کہ خلفائے ثلٰثہ اور دیگر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سب حضور علیہ السّلام کے فداکار اور جانثار تھے وہ کامل الایمان تھے۔ جو ان کو بُرا کہتا ہے در حقیقت وہ خود برا ہے۔

مسئلہ نمبر ۲

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تحفہ اثنا عشریہ میں فرماتے ہیں:

"شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر لعن طعن کرنے کا ثواب اللہ کے

ذکر کے ثواب سے بہت بڑا ہے،

حالانکہ ابلیس مردود جو کہ گمراہی کی بنیاد ہے، اس پر لعنت کرنا بھی ثواب کا کام نہیں۔ چہ جائیکہ اس کو افضل طاعت کہا جائے۔ قرآن پاک میں تصریح موجود ہے۔

ولذکر اللہ اکبر

اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے۔

مگر یہ شیعہ لعن طعن کرنے کو ذکر اللہ سے بھی افضل سمجھتے ہیں ؎

دشنام بمذہبے کہ طاعت باشد
مذہب معلوم و اہل مذہب معلوم

جس مذہب میں گالیاں بکنا عبادت ہو، کیا وہ خدائی مذہب ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وہ شان ہے کہ رسول پاک نے فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا، تو وہ عمر ہوتے، ایک شخص نے حضور علیہ السلام سے صرف اتنا کہا "انصاف کیجئے" تو حضرت عمر اس کو قتل کرنے پر تیار ہو گئے۔ ایک منافق نے حضور کی عدالت کے فیصلہ کے بعد حضرت عمر کی عدالت سے رجوع کیا تو آپ نے اسے قتل کر دیا اور فرمایا "جس کو حضور کا فیصلہ منظور نہیں اس کے حق میں عمر کا یہی فیصلہ ہے۔"

اگر حضرت عمر ایسے ہوتے جیسا کہ شیعوں کا خیال ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی دختر نیک اختر کو ان کے نکاح میں کیوں دیتے؟

معلوم ہوا کہ شیعوں کا یہ عقیدہ بھی بہت برا ہے۔ صحیح یہی ہے جو اہلسنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کے جلیل القدر صحابی تھے۔ حضور کے سسر تھے۔ ضیغم اسلام تھے، اسلام کی شمشیر بے نیام تھے۔ عمر وہ تھے جن کو حضور نے خدا سے مانگ کر لیا تھا۔ وہ زندگی بھر حضور کی خدمت و مصاحبت میں رہے اور موت کے بعد بھی اپنے محبوب کے قدموں میں ہیں۔

مسئلہ نمبر ۳

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ وہ اکابر مہاجرین و انصار، خلفائے ثلاثہ، عشرہ مبشرہ اور حضرت عائشہ و حفصہ رضی اللہ عنہم پر نماز پنجگانہ کے بعد لعنت کرنا واجب مانتے ہیں۔

ان کا یہ فعل تمام سابقہ شریعتوں کے برخلاف ہے اس لیے کہ انبیاء میں ہر ایک کے دشمن موجود تھے۔ اللہ نے فرمایا۔

وکذلک جعلنا لکل نبی عدوا شیاطین الانس ۔

مثال کے طور پر فرعون کہ سالہا سال تک بنی اسرائیل کو ایذائیں دیتا رہا اور مثلاً نمرود کہ خلیل اللہ کو جلانے تک سے گریز نہ کیا، لیکن کسی شریعت میں کسی نبی نے اپنی امت پر فرض نہیں کیا کہ ہمارے مخالفوں پر نماز کے بعد لعنت بھیجا کرو، بلکہ مستحب بھی نہیں فرمایا اور نہ ہی اس پر کسی ثواب کا وعدہ فرمایا تو کیا رحمت للعالمین جو کہ اپنے قاتلوں کو معاف کر دیتے تھے، وہ پسند کر سکتے ہیں کہ عبادت الٰہی جیسے مقدس فریضہ کے بعد گالی گلوچ یا بکواس کیا جائے۔

اس لیے شیعوں کا یہ عقیدہ بھی غلط ہے۔ صحیح وہی ہے جو اہل سنت کا عقیدہ ہے، اہل سنت کا نماز کے بعد وہی عمل ہے جس کی تعلیم قرآن پاک نے دی ہے کہ

ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلاً للذین اٰمنوا ربنا انک غفور رحیم ۔

مسئلہ نمبر ۴

مسائل شیعہ میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ ۱۸ ذی الحج کو انہوں نے ایک عید بنا رکھی ہے، جس کا نام عید غدیر ہے۔ شاہ عبد العزیز تحفہ اثنا عشریہ میں فرماتے ہیں کہ شیعہ اس عید کو عیدین پر ترجیح دیتے ہیں اور اس کو عید اکبر

کہتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ حدیث غدیر خم، جس میں حضرت علی کی خلافت کا ذکر ہوا، ہرگز ہرگز صحیح نہیں۔ جو اس کو صحیح سمجھتا ہے وہ اس کی سند بیان کرے۔ پھر ہر ایک راوی کی ثقاہت ثابت کرے اور حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ بھی صحیح نہیں۔ پھر مولی بمعنی حاکم بھی یہاں درست نہیں۔ مولی بمعنی محب صحیح ہے۔ اسی حدیث میں جملہ اللھم وال من والاہ قرینہ ہے کہ یہاں مولی بمعنی محب ہے پھر اس روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کرنے کا ذکر تک نہیں تو عید کیسی؟

سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر نص ہوتی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے موقع پر کوئی نہ کوئی صحابی اسے پیش کرتے۔ اگر یہ کہا جائے کہ وہ تو حضرت علی کے دشمن تھے تو کم از کم حضرت علی ہی اس حدیث کو پیش کر دیتے، حالانکہ نہ تو کسی صحابی نے اس حدیث کو پیش کیا اور نہ ہی حضرت علی نے۔

معلوم ہوا کہ شیعوں کا یہ مسئلہ بھی غلط ہے اور ان کی یہ عید ایک بناوٹی عید ہے۔

مسئلہ نمبر ۵

مسائل شیعہ میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ شیعوں نے بابا شجاع الدین کی ایک عید بنا رکھی ہے۔ ان کے نزدیک بابا شجاع، ابولؤلؤ کا لقب تھا۔ ابولؤلؤ حضرت عمر کا قاتل تھا۔ جو کہ مجوسی تھا۔ دراصل یہ مجوسیوں کی عید ہے کہ وہ حضرت عمر کے قتل کی خبر سن کر بہت خوش ہوئے اور اس روز کو روز مفاخرت و تسلیہ کا نام دیا۔ کیونکہ مجوسیوں کے دین پر جو گذری تھی، ان کی نسلیں یاد رکھیں گی مجوسیوں کا مغلوب ہونا اور اسلام کا غالب آنا حضرت عمر کے ہاتھوں ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے۔

کہ مجوسی حضرت عمر کی شہادت کے دن کو اپنے لیے عید کا دن تصور کرتے ہیں۔
معلوم ہوا کہ شیعوں اور مجوسیوں کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے اور شیعوں
نے مجوسیوں کا اتباع کیا ہے۔

مسئلہ نمبر ۶

ایک مسئلہ شیعوں کا ہے کہ وہ نوروز کی تعظیم کرتے ہیں اور تہوار کے
طور پر مناتے ہیں۔ حالانکہ یہ بھی مجوسیوں کی عید ہے۔ اس دن کی تعظیم بھی رسوم
جاہلیت میں شامل ہے۔ (تحفہ اثنا عشریہ صـ۲۴۷)

مسئلہ نمبر ۷

شیعوں کی اعلیٰ ترین تعلیم گالی دینا، جھوٹ بولنا اور جھوٹی تہمتیں لگانا ہے،
پھر اس پر ترقی حسنات کا وعدہ ہے۔
ملاحظہ فرمائیے اصول کافی مطبوعہ لکھنؤ صـ۵۵۴
حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اذا رأیتم اهل الریب والبدع من بعدی فاظهروا
البرأة منهم واکثروا من سبتهم والقول فیهم والوقیعة
وباهتوا هم کیلا یطمعوا فی الفساد فی الاسلام ویحذرهم
الناس ولا یتعلمون من بدعهم یکتب الله لکم بذالك
الحسنات ویرفع لکم به الدرجات فی الاٰخرة۔

میرے بعد جب تم شک اور بدعت والوں کو دیکھو تو ان سے بیزاری ظاہر
کرو۔ ان کو خوب گالیاں دو، برا کہو، بے آبروئی کرو اور ان پر بہتان باندھو
تاکہ وہ اسلام میں فساد کا طمع نہ کریں، لوگ ان سے بچیں اور ان کی بدعت

کو نہ سیکھیں۔ اللہ تعالےٰ تمہارے ان افعال (گالی گلوچ وغیرہ) کے عوض نیکیاں لکھے گا اور آخرت میں تمہارے درجات بلند کرے گا۔

مسلمانو! دیکھا آپ نے! یہ ہے شیعوں کی تعلیم۔ قرآن پاک تو جھوٹ بولنے گالی دینے اور تہمت لگانے سے منع فرمایا۔ مگر یہ لوگ ہیں جو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ذمہ لگاتے ہیں کہ وہ اپنے معتقدین کو تعلیم دیتے تھے کہ تم اپنے مخالفین کو گالیاں دیا کرو، افترا پردازیاں کیا کرو اور بہتان لگایا کرو۔ پھر یہ ناپاک تعلیم حضرت امام جعفر صادق کے حوالے سے حضور علیہ السلام سے منسوب کی گئی ہے۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

شیعوں کے نزدیک گالی بکنا اور بہتان طرازی عبادت شمار ہوتی ہے کہ اس سے ترقیٔ درجات کا وعدہ ہے۔ تو صحابۂ کرام سے زیادہ کون ہے جو ان کے بہتان کا نشانہ بن سکے۔ یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں نے صحابہ کرام سے بدظنی پیدا کرنے کے لیے طرح طرح کی بہتان طرازیاں تیار کر رکھی ہیں۔

مسئلہ نمبر ۸

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے جو اصول کافی میں لکھا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔

یا سلیمان انکم علی دین من کتمہ اعزہ اللہ ومن اذاعہ اذلہ اللہ۔

اے سلیمان تم ایسے دین پر ہو جو اس کو چھپائے گا، اللہ تعالےٰ اسے عزت دے گا اور جو اس کو شائع کرے گا، اللہ اس کو ذلیل کرے گا۔

معلوم ہوا کہ شیعہ مذہب کی اشاعت جائز نہیں۔ جو کرے گا خدا اسے ذلیل کرے گا۔ اب شیعوں کو لازم ہے کہ اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے اپنے مذہب کی اشاعت بند کر دیں، اخبارات و رسائل نکالنا بند کر دیں۔ مجالس عزا بند کر دیں کہ

اس میں شیعہ مذہب کی اشاعت ہے اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جو اس کی اشاعت کرے گا، اللہ اس کو ذلیل کرے گا۔

مسئلہ نمبر ۹

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے جو اصول کافی میں ابوالحسن علیہ السلام سے منقول ہے۔

قال ان اللہ غضب علی الشیعۃ فخیرنی نفسی اوھم فوقیتھم واللہ بنفسی۔

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالے شیعوں پر غضب ناک ہوا تو اس نے مجھے اختیار دیا میرے نفس کا یا ان کا (یعنی شیعوں کو بچالو یا اپنے آپ کو) تو خدا کی قسم میں نے اپنی جان کے عوض شیعوں کو بچالیا۔

دیکھئے یہ وہی مسئلہ ہے جو عیسائیوں میں کفارہ کا ہے۔ یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ اللہ شیعوں پر اتنا غضب ناک ہوا، حالانکہ ان کے نزدیک دین صرف محبت کا نام ہے نماز روزہ کی بھی ضرورت نہیں۔ چنانچہ فروع کافی کتاب الروضہ میں لکھا ہے۔

کہ ایک شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں نمازیوں کو دوست رکھتا ہوں اور خود نماز نہیں پڑھتا۔ روزہ داروں کو بھی دوست رکھتا ہوں اور خود روزہ نہیں رکھتا تو آپ نے فرمایا۔

انت مع من احببت ولک ما اکتسبت۔

تو اسی کے ساتھ ہوگا جس کی تو محبت رکھتا ہے اور تیرے لیے ہے جو تو نے بُرا کام کیا۔

یعنی تیرا نماز نہ پڑھنا اور روزہ نہ رکھنا تیرے لیے مفید ہے، یہی وجہ ہے کہ

شیعوں کی اکثریت تارکِ نماز ہوتی ہے۔

مسئلہ نمبر ۱۰

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ شیعان علی کیسے ہی بے عمل کیوں نہ ہوں۔ ان پر کوئی عتاب نہیں چنانچہ اصول کافی میں عبداللہ بن یعفور سے روایت ہے:۔

قال قلت لابی عبداللہ علیہ السلام انی اخالط الناس فیکثر عجبی من اقوام لا یتولونکم ویتولون فلانا وفلانا لهم امانة وصدق ووفاء واقوام یتولونکم لیس لهم تلك الامانة ولا الوفاء ولا الصدق الخ۔

میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ میں لوگوں سے ملتا جلتا ہوں تو میرے تعجب کی کوئی حد نہیں رہتی۔ جب میں ایسے لوگوں کو دیکھتا ہوں جو فلاں فلاں سے محبت رکھتے ہیں لیکن آپ سے محبت نہیں رکھتے۔ ان میں امانت، صدق اور وفا ہے اور وہ لوگ جو آپ سے محبت رکھتے ہیں ان میں نہ تو وہ امانت ہے، نہ صدق اور نہ ہی وفا۔

تو امام جعفر صادق علیہ السلام بیٹھ گئے، میری طرف غصہ کی حالت میں متوجہ ہوئے اور فرمایا۔

اس شخص کا کوئی دین نہیں جو ظالم امام کی ولایت میں اللہ کا تابعدار ہوا اور اس پر کوئی عتاب نہیں جو عادل امام کی اطاعت سے اللہ کا مطیع ہوا۔

میں نے عرض کیا کہ اُن لوگوں کا کوئی دین نہیں اور ان لوگوں پر کوئی عتاب نہیں؟

آپ نے فرمایا ہاں! ان کا کوئی دین نہیں اور ان پر کوئی عتاب نہیں۔ یعنی جن لوگوں میں امانت، صدق اور وفا ہے وہ بے دین ہیں اور جن میں

امانت، صدق اور وفا نہیں ان پر کوئی عتاب نہیں۔

مسئلہ نمبر ۱۱

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ کسی کو شیعہ مذہب کی طرف بلانا جائز نہیں چنانچہ اصول کافی ص۴۸۰ میں امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔

کفوا عن الناس ولا تدعوا احدا الی امرکم۔

لوگوں سے ہٹ جاؤ اور کسی کو اپنے مذہب کی طرف نہ بلاؤ۔

معلوم ہوا کہ شیعوں کا اخبارات نکالنا، رسائل طبع کرنا، مجالس کرنا اور مذہب کی تبلیغ کرنا امام جعفر صادق کے اس قول کے خلاف ہے اور امام جعفر صادق علیہ السلام کا قول شیعوں کی نزدیک خدا کا قول ہے، چنانچہ اصول کافی ص۳۲ میں امام جعفر صادق فرماتے ہیں۔

میری حدیث میرے باپ کی حدیث ہے، میرے باپ کی حدیث میرے دادا کی ہے، میرے دادا کی حدیث حضرت امام حسین کی حدیث ہے، امام حسین کی حدیث امام حسن کی حدیث ہے، امام حسن کی حدیث حضرت علی کی حدیث ہے، حضرت علی کی حدیث رسول کریم کی حدیث ہے اور رسول کریم کی حدیث خدا کا فرمان ہے۔

اس سلسلہ سے معلوم ہوا کہ آج کل کے شیعہ مجالس منعقد کر کے حضرت امام جعفر صادق کے ارشاد کے خلاف چل رہے ہیں اور امام جعفر صادقؓ کا خلاف تمام ائمہ بلکہ رسول کریمؐ اور پھر خدا کا بھی خلاف ہے۔

مسئلہ نمبر ۱۲

ایک مسئلہ شیعوں کا یوں ہے کہ دین حق کا چھپانا ثواب ہے۔ چنانچہ اصول کافی میں حضرت امام جعفر رضی اللہ عنہ، سلیمان بن خالد کو فرماتے ہیں۔

انکم علی دین من کتمہ اللہ اعزہ اللہ ومن اذاعہ اذلہ اللہ
تم ایسے دین پر ہو کہ جو اس کو چھپائے گا، اللہ اسے عزت دے گا اور جو اُسے شائع کرے گا، اللہ اس کو ذلیل کرے گا۔

اس زمانہ میں شیعہ اس حکم کا بھی خلاف کرتے ہیں، وہ مذہب جس کے چھپانے کا حکم تھا شیعے اسے اعلانیہ اخباروں اور وعظوں کے ذریعے شائع کر رہے ہیں۔ ان کے لیے بہتر یہی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے قول پر عمل کریں اور اس مذہب کا کسی دوسرے کے سامنے نام نہ لیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا ہے۔
جس شخص تک ہماری بات پہنچے اور وہ شائع کر دے وہ دنیا میں ذلیل ہو گا اور آخرت کا نور اس سے کھو دیا جائے گا۔ (اصول کافی ص۴۵۸)

قرآن میں تو اللہ کا ارشاد ہے لیظہرہ علی الدین کلہ لیکن شیعوں کا دین کیسا ہے جس کی اشاعت پر اس قدر وعید ہے! اے شیعو! حضرت امام کا ارشاد سنو! اور اس پر عمل کرو! اگر تم شیعہ ہو تو بنے رہو لیکن کسی اہل سنت کے سامنے ہرگز اپنے مذہب کو پیش نہ کرو ورنہ بقول حضرت امام جعفر صادق دنیا میں بھی ذلیل ہو گے اور آخرت میں بھی نور نہ ملے گا۔

مسئلہ نمبر ۱۳

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ ان کے امام ایک ہی مسئلہ کے جواب میں کسی کو کچھ اور کسی کو کچھ اور بتاتے تھے، چنانچہ اصول کافی ص۳۷ میں زرارہ سے روایت ہے وہ ابو جعفر سے روایت کرتا ہے۔

قال سألته عن مسألۃ فاجابنی ثم جاءہ رجل فسألہ عنها فاجابہ بخلاف ما اجابنی ثم جاء آخر فاجابہ بخلاف ما اجابنی واجاب صاحبی فلما خرج الرجلان قلت یا بن

رسول اللہ رجلان من اھل العراق من شیعتکم قدما یسئلان فاجبت کل واحد منھا غیر ما اجبت بہ صاحبہ فقال یا زرارۃ ان ھذا خیر لنا وابقی لنا ولکم۔

میں نے آپ سے ایک مسئلہ پوچھا تو آپ نے مجھے جواب دیا۔ پھر ایک آدمی آیا اُس نے بھی وہی مسئلہ پوچھا تو آپ نے اس کو میرے جواب کے برخلاف جواب دیا۔ پھر ایک اور آدمی آیا اس نے بھی وہی مسئلہ پوچھا اس کو کچھ اور ہی جواب دیا، جو ہم دونوں کے خلاف تھا۔ جب وہ دونوں سائل چلے گئے تو میں نے عرض کی۔ اے فرزند رسول! اہل عراق کے دو شیعے آپ کی خدمت میں مسئلہ پوچھنے آئے۔ آپ نے ہر ایک کو الگ الگ جواب دیا۔ یہ کیا بات ہوئی۔ تو آپ نے فرمایا اے زرارہ! یہی ہمارے لیے بہتر ہے اور یہی ہماری اور تمہاری بقاء کا موجب ہے۔

شیعو! صحابہ پر بہتان طرازیاں کرتے کرتے اب اپنے اماموں پر بھی الزام تراشیاں کرنے لگے ہو! ہم ہرگز نہیں مان سکتے کہ ائمہ اہل بیت ایسا کرتے تھے۔ ہمارا ایمان ہے کہ اہل بیت کا بچہ بچہ صادق الوعد اور راسخ القول تھا۔

مسئلہ نمبر ۱۴

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ ان کے امام لوگوں کو حرام گوشت کھلاتے تھے اور حرام کو بسبب تقیہ حلال کہہ دیتے تھے۔ چنانچہ فروع کافی جلد ۲ صفحہ ۸ مطبوعہ نولکشور میں ہے، ابان بن تغلب سے روایت ہے۔

قال سمعت اباعبد اللہ علیہ السلام یقول کان ابی علیہ السّلام یفتی فی زمن بنی امیۃ ان ما قتل البازی والصقر فھو حلال و کان یتقیھم وانا لا اتقیھم وھو حرام ما قتل۔

ابان نے کہا کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو یہ فرماتے سُنا کہ میرے

والد ماجد علیہ السلام بنو امیہ کے دور میں فتویٰ دیا کرتے تھے کہ جو باز اور شکرا قتل کرے وہ حلال ہے وہ ان سے تقیہ کرتے تھے حالانکہ میں تقیہ نہیں کرتا۔
جو باز اور شکرا قتل کرے وہ حرام ہے۔

فالوجه فی تاویل هذا الاخبار ان نحملها علی التقیه

(جن روایات میں ہمارے ائمہ نے باز کا مارا حلال کیا ہے) وہ تقیہ پر محمول ہیں۔ حالانکہ تقیہ ائمہ کو جائز نہ تھا۔ اصول کافی صـ۱۶۷ میں ایک وصیت کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام پر وفات شریف سے پہلے نازل فرمائی۔ اس میں حکم ہے۔

حدث الناس وافتهم ولا تخافن الا الله عز وجل فانه لا سبیل لاحد علیک۔

لوگوں سے بات کر اور فتویٰ دے اور خدا کے سوا کسی سے نہ ڈر تجھ پر کسی شخص کو غلبہ نہیں۔

اس کے باوجود حضرت امام جعفر صادق کے والد ماجد ڈرتے ہیں اور حرام گوشت کو حلال کہہ دیتے ہیں، لوگوں کو حرام کھلاتے ہیں اور اس وصیت کا جو کہ اللہ کی طرف سے نازل ہوئی، دیدہ دانستہ خلاف کرتے ہیں۔
شیعو! کیا آپ کے ائمہ ایسے ہی ڈرپوک تھے۔ ہم تو اس امر کے ماننے پر ہرگز تیار نہیں وہ تو بڑے بڑے جابروں کے سامنے کلمۂ حق کہنے سے نہیں رکتے تھے۔ اور تم کہتے ہو کہ وہ ڈرتے ہوئے حق مسئلہ بیان نہ کرتے تھے۔

نعوذ باللہ من هذه الخرافات۔

مسئلہ نمبر ۱۵

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ لوگوں سے ڈرتے ہوئے احکام شریعت جاری نہ کر سکے، یعنی اپنی خلافت کے زمانہ میں بھی ڈرتے رہے اور احکام

شریعت علی الاعلان جاری نہ کر سکے۔

ملاحظہ ہو فروع کافی، کتاب الروضہ ص۲۹ ۔

امیر المومنین ایک خطبہ میں فرماتے ہیں۔

قد عملت الولاة قبلی اعمالا خالفوا فیها رسول الله صلی الله علیه وسلم متعمدین لخلافه ناقضین لعهده مغیرین لسنته ولو حملت الناس علی ترکها وحولتها الی مواضعها والی ما کانت فی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم لتفرق عنی جندی حتی ابقی وحدی او قلیل من شیعتی ۔

میں جانتا ہوں کہ مجھ سے پہلے حکام نے دیدہ دانستہ رسول اللہ کا خلاف کیا عہد توڑا اور سنت کو بدلہ۔ اگر لوگوں کو ان احکام کے ترک پر آمادہ کروں اور سرور عالم کے زمانہ میں جس طرح احکام تھے اسی طرح کر دوں تو میرا لشکر مجھ سے الگ ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ میں اکیلا رہ جاؤں گا یا تھوڑے سے شیعے میرے ساتھ رہ جائیں گے۔

پھر اس کے آگے امیر المومنین نے وہ احکام شمار کیے ہیں جو خلفائے ثلاثہ کے زمانہ میں (بزعم شیعہ) مخالف سنت تھے۔

مگر امیر المومنین نے باوجود صاحب اقتدار خلیفہ ہونے کے ان احکام کو خلاف شریعت ہی رہنے دیا حضرت علی لوگوں کے ڈر سے ان احکام کو شریعت کے موافق نہ کر سکے۔ انہی احکام میں سے فدک ہے فرماتے ہیں:

"اگر میں فدک فاطمہ رضی اللہ عنہا کے وارثوں کو دے دیتا تو لوگ مجھ سے متفرق ہو جاتے۔"

سبحان اللہ! خلیفۂ وقت ہونے کے باوجود لوگوں کے متفرق ہونے کا ڈر۔

شیعو! آپ ہمیشہ یہی شکایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر نے خاتون جنت سے

فدک چھین لیا۔ دیکھو امیرالمومنین حضرت علی بھی اپنی خلافت کے زمانہ میں وہی حکم برقرار رکھتے ہیں جو صدیق اکبر نے صادر فرمایا۔ پھر تمہاری شکایت کیا معنی رکھتی ہے، تم خود ہی سوچو اور انصاف کرو کہ خطبہ میں جو عذر حضرت علی نے فرمایا ہے کیا یہ عذر قابل قبول ہے، خلیفہ وقت ہو، صاحب اقتدار ہو اور اپنی نگاہوں سے ایسے امر دیکھے جو اللہ اور رسول کے خلاف ہوں۔ پھر وہ لوگوں کے ڈر سے خاموش رہے وہ خلیفہ ہی کیا ہے؟

شیعو! سنو! ہمارا ایمان ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت شیر خدا کو حق بات سے روک نہیں سکتی اور نہ ہی شیر خدا زمانہ کی مخالفت کی پرواہ کر سکتے ہیں۔ یہ تمہارا حضرت علی پر صریح الزام ہے۔ حق بات یہ ہے کہ حضرت علی نے فیصلہ کو اس لیے برقرار رکھا کہ وہ شرع کے عین مطابق تھا ورنہ حضرت علی شیر خدا صاحب اقتدار ہوتے ہوئے اس فیصلہ کو یقیناً تبدیل فرما دیتے۔

مسئلہ نمبر ۱۶

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ جو قرآن اللہ تعالےٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بذریعہ جبریل نازل فرمایا تھا۔ وہ سترہ ہزار آیات کا مجموعہ تھا جب کہ موجودہ قرآن میں چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ آیات ہیں۔ معلوم ہوا کہ تقریباً دس ہزار آیات اس قرآن میں نہیں ہیں۔

چنانچہ اصول کافی کتاب فضل القرآن ص۶۷۱ مطبوعہ نولکشور میں ہے:

عن ابی عبد اللہ قال ان القرآن الذی جاء بہ جبریل علیہ السلام الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سبعۃ عشر الف آیۃ۔

امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ وہ قرآن جو بذریعہ جبریل حضور پر نازل ہوا، وہ سترہ ہزار آیت تھا۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ موجودہ قرآن وہ قرآن نہیں جو جبریل لے کر آیا۔

اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ وہ ستر ہزار آیات والا قرآن شیعوں کا قرآن ہے۔ جو معلوم نہیں کہ کہاں ہے؟ آج شیعوں کے پاس خدا کی کوئی کتاب نہیں یہ قرآن جو ہمارے پاس ہے، شیعوں کے نزدیک محرّف اور مبدل ہے۔ اصلی قرآن آج کسی شیعہ کے پاس نہیں۔ تو جب ان کے پاس اللہ کی کتاب ہی موجود نہیں تو ان کا مذہب بھی ظاہر ہے۔

مسئلہ نمبر ۷۱

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ موجودہ قرآن میں تحریف کی گئی ہے چنانچہ فروغ کافی، کتاب الروضہ صلا میں ہے:

ولا تلتمس دین من لیس شیعتک ولا تحبن دینھم نانھم خائنون الذین خانوا اللہ ورسولہ وخانوا امانتھم وتدری ما خانوا امانتھم ائتمنوا علی کتاب اللہ فحرفوہ و بدلوہ الخ

موسیٰ رضا علیہ السلام فرماتے ہیں جو شخص تمہارے شیعہ میں سے نہیں ہے۔ اس کے دین کی تلاش نہ کرو اور ان کے ساتھ محبت نہ کرو۔ کیونکہ وہ لوگ خیانتی ہیں جنہوں نے اللہ و رسول سے خیانت کی اور ان کی امانتوں میں خیانت کی، وہ اللہ کی کتاب پر امین بنائے گئے تو انہوں نے تحریف کی اور (کتاب اللہ کو) بدل ڈالا۔

معلوم ہوا کہ موجودہ قرآن شیعوں کے نزدیک تحریف کیا گیا ہے۔

حیات القلوب جلد سوم صلا میں حضرت باقر علیہ السلام سے روایت ہے۔

خدارا در زمین سہ حرمت است، قرآن و عترت من و کعبہ کہ خانہ محترم خدا است قرآن را پس تحریف کردند و تغیر دادند و اما کعبہ را پس خراب کردند اما عترت مرا پس کشتند۔

زمین میں اللہ کی تین چیزیں محترم تھیں، قرآن، عترت اور کعبہ۔ قرآن کو ان

لوگوں نے تحریف و تغییر کیا، کعبہ کو خراب کیا اور عترت کو قتل کیا۔

اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ موجودہ قرآن شیعوں کے نزدیک محرف ہے۔ سوال یہ ہے کہ پھر اصل قرآن کہاں ہے؟ اگر زمین پر اصل کتاب الہٰی موجود نہیں تو پھر کیا نئی کتاب کی ضرورت نہیں؟ اگر نئی کتاب کی ضرورت ہے تو پھر مرزا قادیانی کو تسلیم کر لیا ہوتا۔

ظاہر ہے کہ شیعوں کا یہ عقیدہ بالکل غلط ہے۔ کہ قرآن کو بدل ڈالا گیا ہے۔ کیونکہ خدا نے خود فرمایا ہے۔

انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون۔

قرآن ہم نے نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

جس کی حفاظت کا ذمہ خدا نے لیا ہو تو کیا ممکن ہے کہ خدا اس کی حفاظت نہ کر سکا ہو، دنیا میں لاکھوں کی تعداد میں قرآن حکیم کے حافظ موجود ہیں اور رہیں گے جن کے سینوں میں قرآن کی دولت محفوظ ہے۔ قرآن کی حفاظت کے لیے خدا تعالٰی نے اہل سنت کے سینے منتخب کیے ہیں، شیعہ آج تک قرآن کا حافظ نہ ہو سکا۔

مسئلہ نمبر ۱۸

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آئمہ کے سوا، اگر کوئی دعویٰ کرے کہ میں نے قرآن شریف جمع کیا ہے، جس طرح اترا ہے۔ تو وہ کذاب ہے۔

اصول کافی، کتاب الحجۃ ص ۱۳۹ میں ہے۔

عن جابر سمعت ابا جعفر یقول ما ادعی احد من الناس انہ جمع القرآن کلہ کما انزل الا کذاب وما جمعہ وحفظہ کما نزلہ اللہ الا علی بن ابی طالب والائمہ من بعدہ۔

جابر کہتے ہیں کہ میں نے امام ابو جعفر حضرت باقر علیہ السلام کو یہ فرماتے سنا کہ

کسی نے دعویٰ نہیں کیا کہ اس نے سارا قرآن جمع کیا ہے جیسے کہ اترا ہے۔ مگر کذاب نے۔ قرآن جیسے کہ اللہ نے اتارا ہے اس کو حضرت علی اور ان کے بعد کے ائمہ کے سوا کسی نے جمع نہیں کیا اور نہ ہی حفظ کیا۔

یہ حدیث ملا باقر مجلسی نے بھی حیات القلوب جلد سوم کے صہ ۴۵ میں نقل کی ہے۔

معلوم ہوا کہ جو قرآن حضرت علی نے جمع فرمایا تھا، وہی تھا جو اللہ نے حضور پر نازل فرمایا تھا۔ شیعہ حضرت بتائیں کہ وہ قرآن کہاں ہے؟ تاکہ ہم بھی اس کی زیارت کر سکیں۔ اس قرآن کو صرف حضرت علی نے یا اماموں نے حفظ کیا۔ معلوم ہوا کہ چودہ صدیوں نے ایک بھی شیعہ ایسا پیدا نہ کیا جو حضرت علی کے جمع کردہ قرآن کا حافظ ہوتا۔

موجودہ قرآن جسے حضرت ابوبکر و عثمان رضی اللہ عنہم نے جمع کیا، کروڑوں کی تعداد میں موجود ہے۔ لاکھوں کی تعداد میں اس کے حافظ ہیں اور قیامت تک رہیں گے۔ شیعوں پر افسوس ہے کہ حضرت علی کے جمع کردہ قرآن کو نہ تو حفظ کر سکے اور نہ ہی اس کو باقی رکھ سکے۔ اگر کہا جائے کہ وہ قرآن صرف اماموں تک تھا تو سوال یہ ہے کہ جو امت کو دکھانا ہی مقصود نہ تھا تو اس کو نازل ہی کیوں کیا گیا؟

مسئلہ نمبر ۱۹

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ اوصیاء کے سوا کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میرے پاس سارا قرآن ہے۔ چنانچہ اصول کافی صہ ۱۳۹ میں امام باقر فرماتے ہیں۔

مایستطیع احد ان یدعی ان عندہ جمیع القرآن کلہ ظاہرہ وباطنہ غیر الاوصیاء۔

کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس کے پاس سارا قرآن ظاہر و باطن سمیت ہے، مگر اوصیاء (یہ دعویٰ کر سکتے ہیں)۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ سارا قرآن اوصیاء کے پاس موجود ہے۔ شیعہ حضرات سے گذارش ہے کہ وہ اوصیاء کا قرآن ہمیں دکھائیں تاکہ ہم اصل کلام الٰہی کی زیارت کر سکیں اگر آپ کے پاس وہ قرآن موجود نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ آپ بے کتاب امت ہیں۔ ائمہ اوصیاء نے آپ کو اصل قرآن کی ہوا نہ لگنے دی۔ وہ جانتے تھے کہ آپ اس امانت کے امین نہیں ہو سکتے۔

شیعوں کا عقیدہ یقیناً غلط ہے۔ آج دنیا میں ہر دین کے پیروکار اپنی کتاب رکھتے ہیں حالانکہ ان کی کتابیں محرّف ہیں، پھر بھی وہ ان پر ایمان رکھتے ہیں۔ عیسائی بائبل کو اور یہودی تورات کو تسلیم کرتے ہیں۔ شیعوں پر افسوس ہے کہ وہ قرآن پاک کو تسلیم نہیں کرتے۔ یہ اسلام کی کوئی خدمت نہیں بلکہ غیر مسلموں کو اسلام پر اعتراض کرنے کا موقع فراہم کیا جا رہا ہے۔

مسئلہ نمبر ۲۰

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ ان کے پاس ایک جامعہ ہے جو کہ ستّر گز لمبا ہے۔

اصول کافی ص۱۴۶ کتاب الحجہ میں ہے۔

عندنا الجامعة وما يدريهم ما الجامعة قال قلت جعلت فداك وما الجامعة قال صحيفه طولها سبعون ذراعاً بذراع رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

ہمارے پاس ایک جامعہ ہے اور وہ نہیں جانتے کہ جامعہ کیا ہے۔ میں نے کہا کہ آپ پر قربان، بتائیے کہ جامعہ کیا ہے۔ فرمایا کہ وہ صحیفہ ہے جس کا طول ستّر گز ہے۔

پھر اسی صفحہ میں آگے لکھا ہے۔

وان عندنا لمصحف فاطمة عليها السلام ما يدريهم ما مصحف فاطمة قال مصحف فيه مثل قرانكم هذا

ثلاث مرات واللہ ما فیہ من قرانکم حرف واحد۔
بے شک ہمارے پاس حضرت فاطمہ علیہا السلام کا مصحف ہے۔ وہ نہیں جانتے کہ مصحف فاطمہ کیا ہے۔ فرمایا تمہارے اس قرآن سے تین گنا بڑا ہے۔ خدا کی قسم اس میں تمہارے قرآن کا ایک حرف بھی نہیں ہے۔
شیعو! تمہارے عجیب وغریب مسئلے اسی قرآن میں ہوں گے۔

مسئلہ نمبر ۲۱

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے۔
جو فروع کافی کتاب الروضہ کے ص ۱۲۵ میں ہے۔
امام ابوجعفر فرماتے ہیں۔
ان الناس کلھم اولاد بغایا ما خلا شیعتنا۔
ہمارے شیعوں کے سوا سب لوگ کنجریوں کی اولاد ہیں۔
یہ ہے شیعہ مذہب کی تہذیب! اور یہ ہے ان کا کچھ نہ کہنا۔ اس پر طرہ یہ کہ اپنے مقالات میں اس قول کی تائید کرتے ہیں اور اس کو صحیح مانتے ہیں۔ نعوذ باللہ! میں کہتا ہوں کہ ائمہ کرام تو تہذیب اور شائستگی کے پیکر تھے، رسول کا گھرانا، کردار اور گفتار میں ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یہ شیعوں کا اماموں پر بدترین الزام ہے کہ اپنے خبث باطن کو اماموں کے ذمہ لگا دیتے ہیں۔

مسئلہ نمبر ۲۲

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے جو کتاب الروضہ ص ۱۱۵ فروع کافی جلد سوم میں ہے۔ امام ابوجعفر فرماتے ہیں۔
کان الناس اھل ردۃ بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا ثلثۃ
فقلت ومن الثلاثۃ فقال المقداد بن الاسود و ابوذر

الغفاری وسلمان الفارسی ۔
رسولِ پاک کی وفات سے تین دن بعد تین صحابہ کے سوا سب لوگ مرتد ہو گئے ہیں نے عرض کی وہ تین کون ہیں تو فرمایا مقداد، ابوذر اور سلمان ۔
کس قدر جرأت ہے کہ تین صحابہ کے سوا سب کو معاذ اللہ مرتد کہہ دیا۔ اِس قول سے تو ائمہ اہل بیت بھی نہیں بچ سکتے کہ ان کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا۔

مسئلہ نمبر ۲۳

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے اپنی غلامی کا اقرار کر کے یزید سے جان بچالی ۔ چنانچہ کتاب الروضہ صن۱۱ میں ہے ۔

فقال لہ علی بن الحسین علیہما السلام قد اقررت لك بما سالت انا عبد مکرہ لك فان شئت فامسك وان شئت فبع ۔

حضرت علی (زین العابدین) بن حسین علیہما السلام نے یزید سے کہا کہ میں تیرا غلام مکرہ ہوں ۔ چاہے تو مجھے قید رکھ اور چاہے تو بیچ دے ۔
ہم ہرگز یہ تسلیم کرنے کے تیار نہیں کہ ایک بہادر اور شجاع باپ کا فرزند اتنی بزدلی کا مظاہرہ کرے۔ شیعوں کا حضرت زین العابدین پر یہ الزام ۔ ہے رسوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے اگر تقیہ کیا تھا تو آپ ۔ کے باپ حضرت امام حسین نے کربلا میں تقیہ کیوں نہ کیا؟ ادھر تو صرف امام زین العابدین کی ایک جان بچ رہی ہے ۔ لیکن کربلا میں بہتر جانیں کیوں نہ بچائی گئیں ؟ حقیقت یہ ہے کہ شیعوں کا مسئلہ تقیہ ایسا من گھڑت عقیدہ ہے جس کی وجہ سے اہل بیت کی آبرو مجروح ہو رہی ہے شیعے کبھی تو حضرت علی کا تقیہ ثابت کرتے ہیں کبھی اماموں کا ۔ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ کربلا میں خون حسین نے یہ ثابت کر دیا کہ اہل بیت کا بچہ بچہ بہادر، دلیر، حق گو اور حق پرست ہے، لہٰذا تقیہ کو اگر درست مان لیا جائے تو ثابت کرنا پڑے گا۔

کہ کربلا میں امام حسین نے تقیہ کیوں نہ کیا؟

مسئلہ نمبر ۲۴

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ پانی پلانے کے عوض کسی عورت سے جماع کرے تو وہ نکاح ہوگا زنا نہیں۔

فروع کافی جلد ۲ صہ ۱۹۸ میں ہے۔

امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ ایک عورت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی کہ میں نے زنا کیا ہے۔ مجھے پاک کیجئے۔ آپ نے رجم کا حکم فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے اس عورت سے دریافت کیا کہ تو نے کسطرح زنا کیا ہے؟ اس نے کہا کہ میں جنگل میں تھی۔ مجھے پیاس نے غلبہ کیا۔ میں نے ایک اعرابی سے پانی مانگا۔ اس نے انکار کیا اور کہا کہ میں اس کو اپنے نفس پر اختیار دوں جب مجھے پیاس نے لاچار کیا تو میں نے منظور کیا۔ اس نے پانی پلایا اور میرے ساتھ برا کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

تزویج ورب الکعبہ۔ رب کعبہ کی قسم! یہ تو نکاح ہے۔

یہ ہے شیعوں کا پاک مذہب کہ پانی کے عوض اپنی آبرو پر غیر کو مسلط کرنا، زنا نہیں نکاح ہے۔ نہ معلوم کہ حضرت علی پر یہ اتہام لگانے کا مقصد کیا ہے؟ پیاس پانی اور جماع العیاذ باللہ۔ ہمارا ایمان ہے کہ حضرت علی کی بصیرت ایسا فیصلہ ہرگز نہیں کر سکتی۔

مسئلہ نمبر ۲۵

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے جو کتاب من لا یحضرہ الفقیہ کے صہ میں ہے:-

امام باقر علیہ السلام پاخانہ میں گئے۔ وہاں نجاست میں ایک روٹی کا ٹکڑا پڑا

ہوا دیکھا۔ آپ نے لے کر دھویا، اپنے غلام کو دیا اور فرمایا یہ تیرے پاس رہے۔ میں پاخانہ سے فارغ ہو کر اسے کھاؤں گا۔ جب آپ نکلے تو غلام سے پوچھا کہ لقمہ کہاں ہے؟ اس نے کہا کہ میں نے تو کھا لیا ہے۔ فرمایا یہ لقمہ نہیں قرار پکڑتا کسی کے پیٹ میں، مگر اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ جاؤ! میں نے تمہیں آزاد کیا کیونکہ میں مکروہ سمجھتا ہوں کہ جنتی سے خدمت لوں۔

حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

"دخل ابو جعفر الباقر علیہ السّلام الخلاء فوجد لقمة خبز فی القذر فاخذها وغسلها ودفعها الی مملوك كان معه فقال تكون معك لاكلها اذا خرجت فلما خرج علیہ السلام قال للمملوك این اللقمة قال اكلتها یا ابن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فقال انها ما استقرت فی جوف احد الا وجبت له الجنة فاذهب فأنت حرّ فانی اكره ان استخدم رجلاً من اهل الجنّة۔

ہم ہرگز مان نہیں سکتے کہ حضرت باقر علیہ السّلام نے ایسا لقمہ کھانے کا ارادہ بھی کیا ہو اور اس کے کھانے والے کو اتنا درجہ کہ وہ جنتی ہو گیا۔ حالانکہ اس نے امام باقر کے حکم کا خلاف کیا۔ امام صاحب کی امانت کو کھا گیا پھر جنتی ہو گیا۔ اس پر طرہ یہ کہ امام صاحب جنتی کو خادم بنانا پسند نہیں کرتے جس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کے خادم جنتی نہیں ہوتے تھے۔ کیا امام صاحب کی خدمت میں رہنا بجائے خود جنتی ہونے کی ضمانت نہ تھی؟

مسئلہ نمبر ۲۶

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے جو من لایحضرہ الفقیہ کے صـ۱۳ـ میں ہے:۔

سال، حنان بن سدیر ابا عبد اللّٰه علیه السلام فقال انی

ربما بلت فلا أقدر على الماء ويشتد ذالك فقال عليه السلام اذا بلت وتمسحت فامسح ذكرك بريقك فان وجدت شيئاً فقل هذا من ذالك۔

حنان بن سدیر نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ میں بسا اوقات بول کرتا ہوں اور پانی پر قادر نہیں ہوتا اور مجھ پر یہ بات ناگوار معلوم ہوتی ہے آپ نے فرمایا کہ جب تو بول کرے اور مسح کرے تو تھوک سے ذکر کو پونچھ لیا کر پھر اگر کچھ (تری) پائے تو سمجھ لو کہ یہ اسی تھوک سے ہے۔

یہ مسئلہ عجیب ہے۔ اور یہ من لایحضرہ الفقیہ کے زمرہ میں ہی آسکتا ہے۔

مسئلہ نمبر ۲۷

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ بے وضو نماز جنازہ جائز ہے۔

من لایحضرہ الفقیہ کے صـ۳۳ میں ہے:

امام جعفر صادق سے یونس بن یعقوب پوچھتے ہیں کہ بلا وضو جنازہ پڑھا جائے؟ تو آپ نے فرمایا: "ہاں"

الفاظ یہ ہیں:۔

سئل یونس بن یعقوب اباعبد الله علیه السلام عن الجنازة یصلی علی غیر وضوء فقال نعم!

مسئلہ نمبر ۲۸

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ حیض والی عورت بھی جنازہ پڑھ سکتی ہے۔

من لایحضرہ الفقیہ کے صـ۳۳ میں ہے:

عن ابی جعفر علیه السلام ان الحائض تصلی علی الجنازة

ولا تصف معهم۔

ابوجعفر علیہ السّلام فرماتے ہیں کہ حیض والی عورت جنازہ پڑھ لے اور جماعت کے ساتھ صف میں کھڑی نہ ہو۔

مسئلہ نمبر ۲۹

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ مخالف کے جنازہ کی نماز میں اس کے حق میں لعنت اور بددعا کرو۔

تہذیب جلد اوّل صفحہ ۹۶ میں ہے:۔

لا یجوز لاحد من اھل الایمان ان یغسل مخالفا للحق فی الولایة ولا یصلی علیه الا ان تدعواه ضرورة الی ذالک من جهة التقیه فیغسله تغسیل اهل الخلاف ولا یترک معه جریدة واذا صلی علیه لعنه فی صلوته ولم یدع له فیها۔

کسی اہل ایمان کو جائز نہیں کہ ولایت کے بارے میں جو مخالف حق ہو اسے غسل دے نہ اس پر جنازہ پڑھے۔ اگر تقیہ کے سبب کہیں جانا پڑ جائے۔ یعنی ضرورت پیش آجائے تو اُسے اہل خلاف کی طرح غسل دے اور اس کے ساتھ جریدہ نہ رکھے جب نماز جنازہ پڑھے تو نماز میں اس پر لعنت کرے، دعا نہ مانگے۔

تہذیب میں اس قول کی شرح میں لکھا ہے کہ ولایت کی مخالفت حق کی مخالفت ہے اور اہل حق کا مخالف کافر ہے۔ اس پر کافروں کا حکم واجب ہے۔ مرنے والا اگر کافر ہے تو اس پر جنازہ کیسا؟ تقیہ کر کے کافر کا جنازہ پڑھ لینا شیعوں کا مذہب ہو سکتا ہے۔ اسلام تو کافر کے جنازہ کی اجازت نہیں دیتا۔ پھر جنازہ میں شامل ہو کر دعا کرنے کی بجائے میت پر لعنت کرنا بھی شیعوں کا ہی مذہب ہے۔

مسئلہ نمبر ۳۰

مسئلہ نمبر ۲۹ کی تائید میں اسی تہذیب کے صفحہ ۱۷۸ میں حضرت امام حسین کا واقعہ درج کیا گیا ہے۔

عن ابن عبد اللہ ان رجلا من المنافقین مات فخرج الحسین بن علی یمشی معہ فلقیہ، مولیٰ لہ، فقال لہ الحسین این تذاھب یافلان؟ فقال لہ مولاہ افر من جنازۃ ھذا المنافق ان اصلی علیھا فقال لہ الحسین انظر ان تقوم علی یمینی فما تسمعنی ان اقول فقل مثلہ فلما ان کبر علیہ ولیہ قال الحسین اللھم العن فلانا عبد ک الف لعنۃ موتلفۃ غیر مختلفۃ اللھم اخز عبد ک فی عبادك وبلادك واصلہ حر نادك واذقہ اشد عذابك فانہ کان یولی اعدائك ویعاری اولیائك ویبغض اھل بیت نبیك۔

ابن عبداللہ سے روایت ہے کہ ایک منافق مرگیا۔ امام حسین اس کے جنازہ کے ساتھ ہوئے۔ آپ کا ایک غلام ملا تو آپ نے فرمایا کہ تو کہاں بھاگا جارہا ہے۔ اس نے عرض کی کہ میں منافق کے جنازہ سے بھاگتا ہوں کہ اس پر نماز نہ پڑھنی چاہیے۔ امام حسین نے فرمایا کہ دیکھ میری دائیں جانب کھڑا ہو جا۔ جو کچھ میں کہوں، تم بھی سن کر وہی کہتے جانا۔ جب اس میت کے ولی نے تکبیر کہی تو امام حسین نے فرمایا:

اے اللہ! اپنے اس بندہ پر لعنت کر ہزار لعنتیں جو ساتھ ساتھ ہوں مختلف نہ ہوں۔ اے اللہ! اپنے اس بندہ کو اپنے بندوں اور شہروں میں ذلیل کر۔ اس کو اپنی آگ کی سوزش میں داخل کر اور اپنے عذاب کی سختی اسے چکھا۔ بے شک

وہ تیرے دشمنوں سے دوستی رکھتا تھا تیرے ولیوں کا مخالف تھا اور تیرے نبی کے اہل بیت سے بغض رکھتا تھا۔

ہم شیعہ صاحبان سے پوچھتے ہیں کہ ایک شخص جس کے لیے مغفرت ضروری نہ تھی تو حضرت امام حسین نے اس کا جنازہ ہی کیوں پڑھا عام لوگوں اور اپنی محبت والوں کو مغالطہ میں کیوں ڈالا؟

ہم یہ کیسے تسلیم کر لیں کہ کعبہ رُخ ہو کر، حضرت امام حسین جنازہ کی نماز میں بجائے کلام الٰہی پڑھنے کے، گالی گلوچ کرنے لگے؟

سنی مسلمانوں کے لیے بھی مقام غور ہے کہ شیعہ اگر جنازہ میں آجائے تو اپنے مذہب کے مطابق دعائے مغفرت نہیں کرے گا بلکہ میت پر لعن طعن کرے گا۔

مسئلہ نمبر ۳۱

تہذیب جلد ۱ ص۱۷۸ کی ایک اور روایت ملاحظہ فرمائیے:

لما مات عبد اللہ بن ابی بن سلول حضر النبی صلی اللہ علیہ وسلم جنازتہ، فقال عمر لرسول اللہ الم ینھک اللہ ان تقوم علی قبرہ فقال ویلک ما یدریک ما قلت انی قلت اللھم احش جوفہ نارا واملأ قبرہ نارا واصلہ نارا قال ابو عبد اللہ فابدیٰ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما کان یکرہ۔

عبداللہ بن ابی بن سلول کا انتقال ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے جنازہ پر حاضر ہوئے تو عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کی قبر پر کھڑا ہونے سے منع نہیں کیا؟ حضور نے فرمایا تجھ پر افسوس ہے تو کیا جانے کہ میں نے کس طرح دعا کی؟ میں نے تو یہ کہا اے اللہ اس کے پیٹ کو آگ سے بھر دے۔ اس کی قبر کو آگ سے بھر دے، اس کو دوزخ میں پہنچا دے امام جعفر صادق

نے فرمایا کہ عمر نے رسول اللہ کا وہ راز ظاہر کر دیا جس کے ظاہر ہونے کو وہ بُرا سمجھتے تھے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ منافقین پر جنازہ پڑھنے کی ممانعت آچکی تھی، پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو منع نہ کیا۔ حالاں کہ پیغمبر پر تبلیغ احکام فرض ہے۔ اس سے لازم آتا ہے کہ حضور نے تبلیغ کو چھپایا اور جنازہ میں شرکت فرمائی۔ حضور کی وجہ سے مسلمانوں نے بھی جنازہ پڑھا۔ تو اس گناہ میں معاذ اللہ حضور نے سب کو مبتلا کیا۔ نعوذ باللہ من ہذہ الاعتقاد۔

اس روایت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ معاذ اللہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تقیہ کرتے تھے اور آپ کا ظاہر کچھ اور تھا اور باطن کچھ اور۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس بُرے عقیدے سے محفوظ رکھے۔

اس روایت سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ حضرت عمر کا ظاہر باطن ایک تھا اور آپ کو منافقوں سے سخت عداوت تھی۔ ان کے جنازہ کی نماز پڑھنا آپ پسند نہیں فرماتے تھے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرت عمر اس حکم خداوندی سے واقف تھے۔ کہ منافقوں کی نمازِ جنازہ نہیں۔

شیعو! تمہاری اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ معاذ اللہ پیغمبر خدا نے لوگوں کو دھوکا دیا۔ بظاہر جنازہ پڑھا لیکن درحقیقت میت کو گالیاں دے کر آگئے۔ معاذ اللہ سنی بھائیو! کیا آپ جائز رکھتے ہو کہ شیعہ تمہاری کسی میت کے جنازہ میں شامل ہو کر میت کے لیے ایسی بری دعائیں مانگیں جن کی ان کے مذہب کی رو سے ہدایت کی جا رہی ہے۔

مسئلہ نمبر ۳۲

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ اگر کوئی نمازیں اپنے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کے ساتھ کھیلے تو کوئی حرج نہیں۔

تہذیب جلد ۱ ص۹۹ میں ہے۔
امام جعفر صادق سے معاویہ بن عمار پوچھتے ہیں کہ فرض نماز میں...... کے ساتھ کھیلنا کیا حکم رکھتا ہے؟ فرمایا کوئی ڈر نہیں۔
اصل عبارت یہ ہے:
عن معاویة ابن عمار قال سألت یا عبد اللہ علیہ السلام عن الرجل یعبث بذکرہ فی الصلوٰۃ المکتوبة فقال لا بأس به۔
سبحان اللہ! کیسے خشوع کی نماز ہے؟

مسئلہ نمبر ۳۳

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ جنبی اور حائض کو قرآن پڑھنا جائز ہے۔
تہذیب جلد ۱ ص۳۶ میں ہے۔
عن ابی جعفر لا بأس ان یتلو الحائض والجنب القرآن۔
امام ابو جعفر فرماتے ہیں کہ حائضہ اور جنبی کے قرآن پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ نمبر ۳۴

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ جنبی کو مضمضہ اور استنشاق ضروری نہیں۔
تہذیب جلد ۱ ص۳۶ میں ہے۔ امام جعفر صادق سے کسی نے سوال کیا کہ جنبی کلی کرے تو فرمایا: لا انما یجنب الظاھر، نہ کرے کیونکہ ظاہر جنبی ہوتا ہے۔ (منہ ظاہر نہیں بلکہ جوف ہے)

مسئلہ نمبر ۳۵

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ پاخانہ میں آیۃ الکرسی کی مقدار قرآن یا

الحمد للہ رب العالمین پڑھ لے تو کوئی حرج نہیں۔

من لا یحضرہ الفقیہ میں ہے۔

سأل عمر بن یزید ابا عبد اللہ علیہ السلام عن التسبیح فی المخرج وقرأة القرآن فقال لم یرخص فی الکنیف اکثر من اٰیۃ الکرسی ویحمد اللہ او اٰیۃ الحمد للہ رب العالمین

عمر بن یزید نے امام جعفر صادق سے دریافت کیا کہ پاخانہ میں قرآن پڑھنے یا تسبیح کرنے کا کیا حکم ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ پاخانہ میں اس سے زیادہ کی اجازت نہیں کہ آیۃ الکرسی کی مقدار قرآن پڑھ لے اور خدا کی حمد کرے یا الحمد للہ رب العالمین پڑھے۔

مسئلہ نمبر ۳۶

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ نفاس والی عورت اور پاخانہ پھرتے ہوئے قرآن پڑھ لیں۔

استبصار جلد اوّل میں ہے۔

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال سالتہ اتقرأ النفساء والحائض والجنب والرجل یتغوط القرآن فقال یقرؤن ما شاؤا۔

عبید اللہ بن علی حلبی کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق سے پوچھا کہ کیا نفاس والی عورت، حیض والی عورت، جنبی اور پاخانہ پھرتے ہوئے آدمی قرآن پڑھ لیں۔ آپ نے فرمایا، پڑھ لیں جو چاہیں۔

سبحان اللہ! قرآن کی یہ عزت ہے؟ شیعہ دوستو! یہ روایات تم نے اماموں کے ذمہ لگا دی ہیں، تمہارا اصل مقصد تو صرف یہ ہے کہ وہ قرآن جس کو ابوبکر اور عثمان رضی اللہ عنہما نے جمع فرمایا۔ اس کی توہین کرائی جائے۔

مسئلہ نمبر ۳۷

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے جو استبصار کے صہ ۲۶ میں ہے۔

عن ابی عبد اللہ قال سألتہ کم یجزی من الماء فی الاستنجاء
من البول فقال مثلا ما علی الحشفة من البلل ۔

امام جعفر صادق سے پوچھا کہ بول کے استنجاء کے لیے کتنا پانی کافی ہے ؟
آپ نے فرمایا کہ جس قدر حشفہ تری باقی ہے اس سے دگنا پانی ہو تو کافی ہے ۔
معلوم ہوا کہ ایک قطرہ سے بھی کم پانی بول کے استنجاء کے لیے کافی ہے ۔
انصاف فرمائیے کہ یہ استنجاء ہوا یا کہ زیادہ پلید کرنا ہوا ؟

مسئلہ نمبر ۳۸

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ بول کر کے تین دفعہ ذکر کو نچوڑے پھر اگر ساق تک بہتا چلا جائے تو کچھ پروا نہیں ۔

استبصار صہ ۲۶ میں اصل عبارت یوں ہے :

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام فی الرجل یبول قال ینترہ
ثلاثا ثم ان سال حتی یبلغ الساق فلا یبالی ۔

عجیب بات یہ ہے کہ اس کے آگے ایک اور روایت ہے جس میں ذکر ہے کہ بعد استبراء اگر ذکر سے کچھ نکلے تو وضو کرنا واجب ہوتا ہے ۔
صاحب استبصار ان دونوں روایتوں میں اس طرح تطبیق کرتے ہیں کہ دوسری روایت استحباب پر محمول ہے یا تقیہ پر ۔
میں کہتا ہوں کہ استحباب پر محمول کرنے سے تو حدیث کے الفاظ انکاری ہیں اور تقیہ پر حمل کرنے سے ائمہ پر ایک بدنما دھبہ لگتا ہے کہ معمولی خوف کے سبب ان کے ائمہ حق کو چھپاتے ہیں ۔

مسئلہ نمبر ۳۹

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے کہ خنزیر کے چمڑے کا ڈول بنا کر کنواں سے پانی نکالنا جائز ہے۔

کتاب من لایحضرہ الفقیہ کے صہ۴ میں ہے۔

سئل الصادق علیہ السلام عن جلد الخنزیر یجعل دلوا یستقی بہ الماء فقال لا بأس بہ۔

صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ خنزیر کے چمڑے کا ڈول بنا کر پانی نکالا جائے یا نہ؟ فرمایا کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ نمبر ۴۰

ایک مسئلہ شیعوں کا یہ ہے جو من لایحضرہ الفقیہ کے صہ۴ میں ہے۔

سئل الصادق علیہ السلام عن جلود المیتۃ یجعل فیہ اللبن والماء والسمن ما ترٰی فیہ؟ فقال لا بأس تجعل فیھا ما شئت من ماء او لبن او سمن وتتوضا منہ وتشرب ولکن لا تصل فیھا۔

امام صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ مردار کے چمڑہ میں دودھ یا پانی یا گھی ڈالا جائے تو کیا حکم ہے؟ فرمایا کوئی ڈر نہیں چاہے اس میں پانی ڈالو یا دودھ گھی چاہے اس (پانی) سے وضو کرو اور پیو مگر اس میں نماز نہ پڑھو۔

سبحان اللہ! کیا پاک مذہب ہے! اگر اس میں پانی پینا اور وضو کرنا جائز ہو تو نماز پڑھنے میں کیا فرق لازم آتا ہے؟

ماتم کا شرعی حکم

ہم مسلمانوں کو دیکھتے ہیں کہ جب کوئی مرجاتا ہے تو اس کے ماتم میں شرعی حکم کی پروا نہیں کرتے۔ شریعت کے برخلاف مدتوں ماتم رکھتے ہیں حالاں کہ حدیث شریف میں تین دن سے زیادہ سوگ رکھنے کی ممانعت آئی ہے البتہ عورت کو شوہر کے مرجانے پر چار مہینہ دس دن کی اجازت ہے۔ کسی اور کو نہیں۔

روایت اہل سنّت

زینب بنت ابی سلمہ کہتی ہیں کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی جب کہ ان کا باپ ابوسفیان بن حرب فوت ہوا تو انھوں نے خوشبو منگوا کر استعمال کی اور فرمایا کہ خدا کی قسم مجھے خوشبو کی کوئی ضرورت نہ تھی صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے منبر پر فرمایا:

لایحل لامرأۃ تومن باللہ والیوم الاٰخر ان تحد علی میّت فوق ثلٰث الا علیٰ زوج اربعۃ اشھر وعشرا۔

کسی عورت پر جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتی ہے، حلال نہیں کہ تین دن سے زیادہ میّت پر سوگ کرے۔ مگر خاوند پر چار مہینہ اور دس دن جائز ہے۔

زینب کہتی ہے پھر میں زینب بن جحش کے پاس گئی جب کہ ان کا بھائی فوت ہوا تو انھوں نے بھی خوشبوئی استعمال کی اور یہی فرمایا کہ مجھے کچھ حاجت نہ تھی صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ منبر پر فرماتے ہیں "لایحل لامرأۃ (الحدیث بخاری ومسلم)

اسی طرح ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تحد امرأۃ علی میت فوق ثلٰث الا علی زوج اربعۃ اشھر وعشرا (متفق علیہ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماتم کا شرعی حکم یہ ہے کہ تین دن سے زیادہ کسی میت پر سوگ نہ کیا جائے۔ البتہ عورت کو شوہر کے مرجانے پر چار ماہ اور دس دن تک سوگ کی اجازت ہے۔ اس سے زیادہ اس کو بھی اجازت نہیں۔ مرد پر ترکِ لذائذ و ترکِ زینت اور عورتوں کی طرح سوگ کرنا، شریعتِ محمدیہ میں ہرگز ثابت نہیں، معلوم ہوا کہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ تین دن کے بعد ماتم ختم کر دیں اور کسی مرد یا عورت کو سوگ کے لیے نہ بیٹھنے دیں۔ الا التی مات زوجها۔

روایت شیعہ

شیعہ کی نہایت معتبر کتاب من لایحضرہ الفقیہ کے صفحہ ۳۶ میں حضرت صادق علیہ السلام سے آیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

لیس لاحد کم ان یحد اکثر من ثلثة ایام الا للمراة علی زوجها حتی تقضی عدتها۔

تہذیب ص۲۳۸ اور وسائل الشیعہ جلد ۳ ص۱۷۳ میں محمد بن مسلم سے روایت ہے:

قال لیس لاحد ان یحد اکثر من ثلاث الا المرأة علی زوجها حتی تنقضی عدتها۔

کسی کو جائز نہیں کہ تین دن سے زیادہ سوگ کرے مگر عورت کو اپنے خاوند کی موت پر عدت گذرنے تک سوگ کی اجازت ہے۔

یہ محمد بن مسلم نہایت ثقہ ہیں۔ حضرت امام باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام سے راوی ہیں۔ رجال کشی میں ان کی بہت تعریف ہے۔

اہل سنت و شیعہ صاحبان کو ان متفقہ روایات پر عمل کرنا چاہیے اور ماتم کا وہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے جو ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔

(واللہ الموفق)

خاتون جنّت کو صبر کا حکم

مشکوٰۃ شریف کے ص۵۶۸ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کوئی پوشیدہ بات کی تو آپ بہت روئیں۔ پھر آپ نے ان کا حزن معلوم کر کے دوبارہ پوشیدہ بات کی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہنس پڑیں۔ میں نے دریافت کیا تو انہوں نے نہ بتایا۔ پھر جب حضور کا وصال ہوا تو میں نے پھر دریافت کیا۔ فرمایا اب بتاتی ہوں پہلی بار آپ نے یہ خبر دی تھی کہ جبریل ہر سال میرے ساتھ قرآن شریف کا ایک بار ورد کیا کرتے تھے۔ اب اس نے میرے ساتھ دو دفعہ ورد کیا ہے۔ میں گمان کرتا ہوں کہ اب موت قریب ہے۔

فاتقی اللہ واصبری

پس اللہ سے ڈرنا اور صبر کرنا

تو میں رو پڑی تھی۔ جب آپ نے میرا رونا دیکھا تو فرمایا تھا۔" اے فاطمہ! کیا تو راضی نہیں کہ تو اہل جنّت کی تمام بیبیوں کی سردار ہو۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تو سب اہل بیت سے پہلے میرے پیچھے آئے گی تو میں ہنس پڑی تھی۔ (متفق علیہ)

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو صبر کی وصیت فرمائی۔

روایات شیعہ

حیات القلوب جلد دوم ص۲۵۲ میں ہے:

"حضرت رسول فرمود اے فاطمہ توکل کن بر خدا و صبر کن چنانچہ صبر کردند پدران تو کہ پیغمبران بودند و مادران تو کہ زنہائے پیغمبران

بودند"۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے فاطمہ خدا پر توکل کرو اور صبر کرو۔ تیرے آباء، جوکہ پیغمبر تھے، صبر کرتے رہے اور تیری مائیں جو کہ پیغمبروں کی بیویاں تھیں، صبر کرتی رہیں۔

پھر اسی کتاب کے صفحہ ۶۵۳ میں فرمایا:

"بداں اے فاطمہ کہ برائے پیغمبر گریبان نمی باید درید و رو نمی باید خراشید و واویلا نمی باید گفت"۔

اے فاطمہ جان لو کہ پیغمبر کے لیے گریبان نہیں پھاڑنا چاہیے اور چہرہ نہیں پیٹنا چاہیے اور واویلا نہیں کرنا چاہیے۔

اور صفحہ ۶۵۴ میں ہے:

"ابن بابویہ بسند معتبر از محمد باقر روایت کردہ است کہ حضرت رسول در ہنگام وفات خود بحضرت فاطمہ گفت کہ اے فاطمہ چوں بمیرم روئے خود را برائے من مخراش وگیسوئے خود را پریشان مکن و واویلا مگو و بر من نوحہ مکن و نوحہ گراں را مطلب"۔

ابن بابویہ معتبر سند سے امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا کہ اے فاطمہ جب میں وصال پاؤں تو میرے لیے اپنے چہرہ پر خراش نہ ڈالنا اور اپنے بال نہ بکھیرنا اور واویلا نہ کرنا اور مجھ پر نوحہ نہ کرنا اور نوحہ گروں کو نہ بلانا۔

پھر ایک دو سطر کے بعد لکھا ہے:

"پس حضرت فرمود کہ اے فاطمہ گریہ مکن و صبر را پیشہ کن"۔

پس حضرت نے فرمایا کہ اے فاطمہ رونا نہیں اور صبر کو اختیار کرنا۔

فروع کافی جلد ۲ ص۲۲۸ میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا:

اذا انا مت فلا تخمشی علیّ وجھا ولا ترخی علی شعرا ولا تنادی بالویل ولا تقیمی علیّ نائحۃ

جب میں فوت ہو جاؤں تو منہ نہ چھیلنا، بال نہ نوچنا، واویلا نہ کرنا اور نوحہ کرنے والیاں نہ بلانا۔

پھر فرمایا یہی وہ معروف ہے جس کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے:

المعروف ان لا یشققن جیبا ولا یلطمن خدا ولا یدعون ویلا ولا یتخلفن عند قبر ولا یسودن ثوبا ولا ینشرن شعرا

معروف یہ ہے کہ نہ گریبان پھاڑیں نہ رخسار پیٹیں نہ واویلا کریں نہ قبر کے پاس جمع ہوں نہ کپڑے سیاہ کریں اور نہ بال بکھیریں۔

مندرجہ بالا روایات سے معلوم ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو وصیت فرمائی کہ خدا پر بھروسہ رکھیں اور صبر کریں، نہ گریبان پھاڑیں نہ منہ چھیلیں نہ واویلا کریں نہ اپنے بال بکھیریں نہ بین کریں نہ بین کرنے والوں کو بلائیں۔

ہمارا ایمان ہے اور سب مسلمانوں کا یہی ایمان ہونا چاہیے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت پر یقیناً عمل کیا اور آپ کے بعد نہ گریباں پھاڑا، نہ پیٹا نہ واویلا کیا نہ نوحہ کیا اور نہ ہی نوحہ گروں کو بلایا۔

لہٰذا ہمیں بھی اسی وصیت پر عمل کرنا چاہیے۔

حضرت علی کو صبر کا حکم

حیات القلوب جلد ۲ ص۶۶۳ میں ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں کہ حضرت امیر المومنین جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل سے فارغ ہوئے تو:

جامہ را از روے مبارک دور کرد و گفت پدر و مادرم فدائے تو باد

طیب ونیک دپاکیزہ بودی درحیات وبعد ازموت، ومنقطع شد بوفات تو احدے از خلق از پیغمبری ونازل شدن وحی ہا آسمانی مصیبت اند در تعزیت تو واگر نہ آں بود کہ امر کردی بصبر کردن ونہی نمودی از جزع نمودن ہر آئینہ آبہائے سر خود را در مصیبت تو فرو می ریختیم وہر آئینہ درد او مصیبت تر ہرگز دوامی کردم الخ،

حضرت علی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے مبارک سے کپڑا ہٹایا اور عرض کیا میرے ماں باپ قربان آپ زندگی بھر میں اور موت کے بعد بھی پاکیزہ اور طیب ہیں۔

آپ کی وفات سے وہ چیز بند ہوگئی جو کسی پیغمبر کی وفات سے بند نہ ہوتی تھی یعنی نبوت اور وحی کا نازل ہونا۔ آپ کی مصیبت اس قدر عظیم ہے کہ دوسروں کی مصیبت سے ہمیں مطمئن کر دیا۔ آپ کی مصیبت ایک عام مصیبت ہے کہ سب لوگ یکساں دلگیر ہیں۔

اگر آپ صبر کا حکم نہ دیتے اور جزع فزع سے منع نہ کرتے تو ہم اس مصیبت پر تمام سر کا پانی بہا دیتے اور تیری مصیبت کے درد کی کوئی دوا نہ کرتے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ حضرت علی کو بھی یہی وصیت تھی کہ میری وفات پر جزع فزع نہ کرنا۔ تو اب سوچنا چاہیے کہ رسول کریم کی وفات پر جزع فزع کی ممانعت ہے تو کسی اور کی یاد میں رونا پیٹنا کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟

کتاب التراویح

بیس تراویح کے دلائل اور مانعین کے اعتراضات کے مسکت جوابات

فقیر ابو یوسف محمد شریف برادران اسلام کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ اس زمانہ میں جو کہ زمانہ نبوت سے بہت دور ہے۔ اکثر لوگ عبادت کی کمی کی طرف راغب ہیں اور خواہشات نفس کے طالب ہمیشہ اسی خیال میں رہتے ہیں کہ کسی بہانہ سے عبادت الٰہی سے سبکدوش ہو جائیں جب کسی گوشہ سے سنتے ہیں کہ فلاں عبادت کا کوئی ثبوت نہیں تو بغیر دیکھے سمجھے جھٹ اسی طرف ہو جاتے ہیں اور عبادت الٰہی سے منہ پھیر لیتے ہیں، نہیں سمجھتے کہ پہلے اپنے علماء سے اس کی تحقیق تو کر لیں چونکہ اُدھر نفس کی خواہش پوری ہوتی تھی۔ اسلیے نہ تحقیق کی ضرورت ہوئی نہ کسی سے دریافت کرنے کی حاجت۔ اپنے علماء کی طرف آنے سے یہ مشکل کہ وہ وہی کہیں گے جو اُن کے نفس کے خلاف ہوگا۔ پہلے لوگ انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں ایسا ہی کیا کرتے تھے، جس کا بیان آیت اَفَکُلَّمَا جَآءَکُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَھْوٰی اَنْفُسُکُمُ اسْتَکْبَرْتُمْ میں ہے۔

مسلمانوں کی بدقسمتی سے اس زمانہ میں ایک فرقہ پیدا ہو گیا ہے جو اپنے آپ کو اہل حدیث کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ وَشَتَّانَ بَیْنَھُمْ وَبَیْنَ اَھْلِ الْحَدِیْث ان کی رات دن یہی کوشش ہے کہ عوام کو مذہب حنفی سے بدظن کیا جائے، کبھی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ پر طعن ہے تو کبھی فقہ پر حملہ، کبھی سنن و نوافل سے روکا جاتا ہے، کبھی جمعہ کو نماز ظہر سے منع کیا جاتا ہے کبھی بیس تراویح کو بدعت کبھی نذر و نیاز سے روکتے ہیں، کبھی ایصال ثواب سے منع کرتے ہیں عوام ان کے مغالطہ میں آجاتے ہیں اور اس فرقہ کو متبع سنت مان کر ان کے گرویدہ ہو جاتے ہیں مگر حقیقت میں یہ لوگ حدیثِ نفس کے پیرو ہیں۔ ان کی زبان و قلم سے صحابہ و تابعین و ائمہ مجتہدین تک نہیں بچ سکتے۔ دوسرے کی کیا ہستی ہے؟

حضور علیہ السلام کے زمانہ سے اس فرقہ کے وجود تک ایک بھی ایسا شخص نہیں پیدا ہوا جس کے عقائد و عملیات اس فرقہ کے عقائد و عملیات کے موافق ہوں۔ مَنِ ادَّعٰی فَعَلَیْهِ الْبَیَان۔

نواب صدیق حسن نے حطہ صفحہ ۶۷ میں اس فرقہ کا حال لکھا ہے۔

فقد نبتت فی ھذا الزمان فرقۃ ذات سمعۃ و ریاء تدعی لا نفسھا

علم الحدیث والقرآن والعمل بھما علی العلات فی کل شان مع

انہا لیست فی شیئ من اھل العلم والعمل والعرفان الخ

"یعنی اس زمانہ میں ایک فرقہ پیدا ہوا ہے جو ریاکار ہے، حدیث اور قرآن کے علم اور عمل کا مدّعی ہے، لیکن نہ وہ اہل علم سے ہے نہ ان میں عمل ہے نہ عرفان"۔

نماز تراویح کے بیس رکعت کے مسنون ہونے میں صحابہ وتابعین وائمہ مجتہدین کا اتفاق چلا آتا ہے۔ مشرق ومغرب میں بیس رکعت پڑھی جاتی ہیں، حتیٰ کہ داؤد ظاہری بھی بیس کا ہی قائل ہے۔ مگر یہ فرقہ سرے سے تراویح مانتا ہی نہیں کہ تراویح بھی کوئی نماز ہے بلکہ بعض نے بیس رکعت کو بدعت لکھ دیا۔ دیکھو اخبار اہلحدیث ۳۱ جنوری ۳۰ئہ، ۳۱ دسمبر ۱۹۱۸ئہ اس لیے ہمیں ضرورت ہوئی کہ مسئلہ تراویح کو مفصل بیان کیا جائے اور بیس رکعت تراویح کے دلائل پر جو مخالفین کی طرف سے اعتراضات وارد ہوتے ہیں، سب کا بالاستیعاب جواب دیا جائے۔ پھر آٹھ رکعت والوں کے دلائل کی قلعی کھولی جائے۔ تاکہ ناظرین اسے پڑھ کر محظوظ ہوں، اور اس فقیر کے لیے دعا کریں کہ حق سبحانہٗ وتعالےٰ اس اسلامی خدمت کو قبول فرمائے اور اس کو گناہوں کی بخشش اور دخول جنت کے لیے وسیلہ بنائے۔ آمین!

وجہ تسمیہ تراویح

نماز تراویح وہ نماز ہے جو کہ نماز عشاء کے بعد نیند سے پہلے پڑھی جاتی ہے اس کو تراویح اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی ہر چار رکعت کے بعد صحابہ وتابعین جنہوں نے پہلے اس نماز پر اجتماع کیا آرام کیا کرتے تھے۔ چنانچہ علامہ ابن حجر فتح الباری میں اور زرقانی شرح موطا میں۔ علامہ طاہر مجمع البحار میں اور شیخ عبدالحی تعلیق ممجد میں فرماتے ہیں۔

سُمِّیَتِ الصلوٰۃ جماعۃ فی لَیَالِی رَمَضَانَ تَرَاوِیحَ لِاَنَّھُمْ اَوَّلَ ما اجْتَمَعُوا علیھا کانوا یَسْتَرِیْحُوْنَ بَیْنَ کُلِّ تَسْلِیْمَتَیْنِ۔

مجالس الابرار صفحہ ۱۹۸ میں ہے۔

وَ اِنَّمَا سمی بہا لان الصحابۃ کانوا یستریحون بین کل اربع رکعات

من اجل طول قیامھم فی الصلوٰۃ ۔

یعنی تراویح کا نام تراویح اس لیے رکھا گیا کہ صحابہ ہر چار رکعت کے بعد بسبب طول قیام کے آرام کیا کرتے تھے۔ اس واسطے ہر چار رکعت کو ترویحہ کہتے ہیں۔ ترویحہ کے معنی ایک دفعہ آرام کرنا۔ تراویح اس کی جمع ہے۔ اس نماز کے نام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نماز آٹھ رکعت نہیں۔ کیونکہ آٹھ رکعت دو ترویحے ہیں۔ تراویح جمع ہے کم از کم تین ترویحہ پر اس کا اطلاق صحیح ہوسکتا ہے، آٹھ پر حقیقتاً اس کا اطلاق صحیح نہیں۔ بیس رکعت چونکہ پانچ ترویحے ہوتے ہیں اس لیے بیس رکعت پر تراویح کا اطلاق حقیقتاً صحیح ہے ۔

تراویح کا یہ نام کب سے شروع ہوا

احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ زمانہ تابعین میں یہ نام عام مشہور تھا، چنانچہ ابوالخصیب تابعی سوید بن غفلہ سے جو کہ کبار تابعین میں سے تھے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن کے دن مدینہ شریف تشریف لائے تھے، روایت کرتے ہیں کہ ہمیں سوید بن غفلہ رمضان شریف میں پانچ ترویحے (بیس رکعات) نماز پڑھایا کرتے تھے۔ (آثار السنن بحوالہ بیہقی) اسی طرح علی بن ربیعہ تابعی سے سعید بن عبید روایت کرتے ہیں کہ وہ پانچ ترویحے رمضان میں پڑھایا کرتے تھے۔

نواب صدیق حسن مسک الختام ص۵۴۲ جلد اوّل میں اس نام کا اصل ایک حدیث مرفوع سے لکھتے ہیں۔ اُن کے الفاظ یہ ہیں۔

"و تسمیہ بہ تراویح گویا ماخوذ است از حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کہ گفت بود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم می گذارد چہار رکعت در شب پس تروح میکرد الحدیث اخرجہ البیہقی وقال تفرد بہ المغیرۃ بن زیاد ولیس بالقوی فان ثبت فھو اصل فی تروح الامام فی الصلوٰۃ التراویح"۔

کہ اس نماز کا نام تراویح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ماخوذ ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو چار رکعت نماز پڑھ کر آرام فرمایا کرتے تھے۔ بیہقی کہتے ہیں کہ اس حدیث میں مغیرّہ بن زیادہ منفرد ہیں اور قوی نہیں اگر ثابت ہو جائے تو یہ حدیث نماز تراویح میں امام کے تروح یعنی آرام کرنے کے ثبوت میں اصل ہے۔

میں کہتا ہوں کہ مغیرہ بن زیاد کو ابن معین نے لاباس بہ فرمایا۔ وکیع نے ثقہ کہا ابن عدی نے عندی لاباس بہ فرمایا نسائی نے بھی لیس بہ باس کہا ابو داؤد نے صالح فرمایا (دیکھو میزان) پھر حدیث کے قابلِ حجت ہونے میں کیا کلام؟

معلوم ہوا کہ چار رکعت کے بعد حضور علیہ السلام کے آرام کرنے سے اس نماز کا نام تراویح ہُوا۔ یہ نام آج کسی کا ایجاد کردہ نہیں، قیام اللیل میں ورقا، بن ایاس حبیب بن ابی عمرو عمران بن حدیر ذکوان جرشی وغیرہم سے یہ نام منقول ہے۔ پس جو لوگ اس نام کو اصطلاح فقہا حنفیہ کہتے ہیں اور چار رکعت پر تروح کو خلاف سنّت کہتے ہیں۔

ان کا قول سراسر غلط ہے۔

تراویح کا ثواب

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّ احْتِسَابًا غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ (متفق علیہ)

"جو شخص ایمان اور طلب ثواب کے ساتھ رمضان کا قیام کرے۔ اس کے پہلے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں"۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں بحوالہ نسائی و احمد وغیرہما اس حدیث میں لفظ مَا تَاَخَّرَ بھی نقل کیا ہے۔ یعنی تراویح پڑھنے سے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ اس حدیث میں نماز تراویح کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں اس حدیث کی شرح میں قیام رمضان سے مراد نماز تراویح لکھا ہے۔ کرمانی نے بھی ایسا ہی فرمایا ہے لیکن کبھی

قیام رمضان سے رمضان شریف کی تہجد یا دیگر اذکار و ادعیہ بھی مراد ہوتا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔

ظَاھِرُہٗ یَتَنَاوَلُ الصَّغَائِرَ وَالْکَبَائِرَ۔

اس حدیث کا ظاہر چھوٹے بڑے دونوں قسم کے گناہوں کو شامل ہے؛
یعنی سب صغائر و کبائر معاف ہو جاتے ہیں۔ ابن منذر نے اسی پر جزم کیا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ صغائر تو بخشے جاتے ہیں اور کبائر کی بخشش کی امید ہے
(مرقاۃ ص۱۶۹ جلد ۱)

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ذَکَرَ رَمَضَانَ فَفَضَّلَہٗ عَلَی الشُّھُوْرِ وَقَالَ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا خَرَجَ مِنْ ذُنُوْبِہٖ کَیَوْمٍ وَلَدَتْہُ اُمُّہٗ رواہ النسائی۔

عبدالرحمن بن عوف کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان شریف کا ذکر کیا اور دوسرے مہینوں پر اُسے فضیلت دی اور فرمایا کہ جو شخص رمضان کی راتوں کا قیام کرے ایمان اور طلب ثواب کے لیے وہ اپنے گناہوں سے ایسے نکل جاتا ہے یعنی پاک ہو جاتا ہے۔ جیسے اس دن کہ اس کی والدہ نے اس کو جنا یعنی جس طرح اپنی ولادت کے دن گناہوں سے پاک پیدا ہوتا ہے اسی طرح گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔
معلوم ہوا کہ تراویح پڑھنے کا بڑا ثواب ہے۔

نماز تراویح سنّت ہے

جاننا چاہیے کہ سنت اس کام کو کہتے ہیں۔ جس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے صحابہ نے مع الترک احیاناً مواظبت فرمائی ہو اور مواظبت دو قسم کی ہے فعلی و تشریعی۔
فعلی وہ فعل ہے۔ جس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مواظبت فرمائی ہو مثلاً سنن رواتب۔
تشریعی وہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے اس فعل کی تشریع پر مواظبت فرمائی ہو۔ اس کا امر

کیا ہو اس کی ترغیب دی ہو مثلاً اذان نماز کہ بالاتفاق سنت موکدہ ہے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بہ نفس نفیس ایک بار بھی اذان نہیں دی۔

اسی طرح خلفاء راشدین کی مواظبت بھی دو قسم ہے فعلی و تشریعی یہ چاروں موجب سُنیت ہیں جس کا تارک گنہگار ہے۔ تراویح اسی قسم سے ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نماز کی ترغیب دی۔ خود بھی پڑھی۔ خلفاء راشدین کی مواظبت اگر فعلی ثابت نہ ہو تو تشریعی میں کوئی کلام نہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ تراویح سنت ہے۔ حدیث میں اس کی تصریح بھی آئی ہے ابن ماجہ و نسائی میں عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت ہے کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان شریف کا ذکر کیا اور فرمایا۔

شَهْرٌ كَتَبَ اللهُ عليكم صِيَامَهُ وَسَنَنْتُ لَكُمْ قِيَامَهُ۔

یہ ایسا مہینہ ہے کہ اس کے روزے اللہ نے تم پر فرض کیے اور اس کا قیام (تراویح) میں نے تمہارے لیے سنت کیا"

اور وہ حدیث جس میں تین دن آپ کا تراویح باجماعت پڑھنا آیا ہے۔ پھر چوتھے روز آپ نہ نکلے اور صبح کو فرمایا کہ میں ڈر گیا کہ یہ نماز تم پر فرض (نہ) ہو جائے (بخاری)

اس سے بھی معلوم ہوا کہ نماز تراویح فرض نہیں سنت ہے۔

تراویح کا وقت

نماز عشاء کے بعد ہے

منتقی الاخبار ص۳ میں ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كَانَ النَّاسُ يُصَلُّونَ فِي الْمَسْجِدِ فِي رَمَضَانَ بِاللَّيْلِ اَوْزَاعًا يَكُونُ مَعَ الرَّجُلِ شَيْئٌ مِنَ الْقُرْاٰنِ فَيَكُوْنُ مَعَهُ النَّفَرُ الْخَمْسَةُ اَوِ السَّبْعَةُ اَوْ اَقَلَّ مِنْ ذٰلِكَ اَوْ اَكْثَرُ يُصَلُّوْنَ بِصَلٰوتِهٖ قَالَتْ فَاَمَرَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اَنْصُبَ لَهٗ حَصِيْرًا عَلٰى بَابِ حُجْرَتِيْ فَفَعَلْتُ فَخَرَجَ اِلَيْهِ بَعْدَ اَنْ صَلّٰى عِشَاءَ الْاٰخِرَةِ فَاجْتَمَعَ اِلَيْهِ مَنْ فِي الْمَسْجِدِ فَصَلّٰى بِهِمْ

وَذَكَرَتِ الْقِصَّةَ بِمَعْنٰی مَاتَقَدَّمَ غَيْرَ اَنَّ فِيْهَا اَنَّهٗ لَمْ يَخْرُجْ اِلَيْهِمْ فِي اللَّيْلَةِ الثَّانِيَةِ" (رواہ احمد)

کہ لوگ رمضان شریف میں رات کے وقت مسجد میں الگ الگ نماز پڑھتے تھے کسی کے ساتھ پانچ کسی کے ساتھ کم یا زیادہ آدمی ہوتے تھے جو ایک ایک امام کے پیچھے تراویح پڑھتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں اُن کے لیے اپنے حجرہ کے دروازہ پر ایک چٹائی کھڑی کروں، میں نے ایسا کیا تو آپ عشا کی نماز پڑھ کر اس کی طرف نکلے، جتنے لوگ مسجد میں تھے سب جمع ہو گئے، تو آپ نے اُن کو نماز (تراویح) پڑھائی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام نے نماز عشاء کے بعد تراویح پڑھائی یہی اس کا وقت ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی صحابہ کرام یہ نماز باجماعت پڑھتے تھے۔

تراویح باجماعت مسجد میں

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح کو باجماعت مسجد میں ادا فرمایا چنانچہ حدیث میں آیا ہے۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ لَيْلَةً مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ فَصَلّٰى فِي الْمَسْجِدِ وَصَلّٰى رِجَالٌ بِصَلٰوتِهٖ فَاَصْبَحَ النَّاسُ فَتَحَدَّثُوْا فَاجْتَمَعَ اَكْثَرُ مِنْهُمْ فَصَلّٰى فَصَلَّوْا مَعَهٗ (رواہ البخاری عن عائشہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات کو میانہ شب میں نکلے اور آپ نے مسجد میں نماز پڑھی، چند آدمیوں نے آپ کی نماز کے ساتھ مل کر نماز ادا کی، صبح ان لوگوں نے (رات کا واقعہ) بیان کیا، تو دوسری شب کو بہت لوگ جمع ہو گئے اور حضور علیہ السلام کے ساتھ انہوں نے نماز پڑھی (آخری حدیث تک)

اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا اور یہ واقعہ رمضان شریف میں تھا، جیسے کہ دوسری

روایت میں اُس کی تصریح ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز تراویح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں باجماعت ادا فرمائی۔

وَعَنْ عبد الرحمٰن بن عبد القاری اَنَّہٗ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّاب رضی اللہ عنہ لَیْلَۃً فِی رَمَضَانَ اِلَی الْمَسْجِدِ فَاِذَا النَّاسُ اَوْزَاعٌ مُتَفَرِّقُوْنَ یُصَلِّی الرَّجُلُ لِنَفْسِہٖ وَیُصَلِّی الرَّجُلُ فَیُصَلِّیْ بِصَلٰوتِہِ الرَّھْطُ فَقَالَ عُمَرُ اِنِّیْ اَرٰی لَوْجَمَعْتُ ھٰؤُلَآءِ عَلٰی قَارِیٍٔ وَّاحِدٍ لَکَانَ اَمْثَلُ ثُمَّ عَزَمَ فَجَمَعَھُمْ عَلٰی اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ الْحَدِیْث۔ (رواہ البخاری)

عبد الرحمٰن بن عبد قاری فرماتے ہیں کہ میں رمضان شریف کی رات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مسجد کی طرف نکلا (وہاں دیکھا) کہ لوگ جُدا جُدا کوئی اکیلا نماز پڑھتا ہے کسی کے ساتھ جماعت تھی یعنی بعض اکیلے پڑھتے تھے۔ بعض الگ الگ جماعتوں سے پڑھتے۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں۔ اگر ان لوگوں کو ایک قاری پر جمع کردوں۔ تو بہتر ہو پھر آپ نے قصد کیا اور ابی بن کعب پر جمع کیا۔ آخر حدیث تک اس کو بخاری نے روایت کیا۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ لوگ نماز تراویح مسجد میں پڑھتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی مسجد میں ہی ان کو ابی بن کعب کے پیچھے جمع کیا۔ جس سے تراویح کا مسجد میں باجماعت پڑھنا ثابت ہوا۔ فللہ الحمد۔

کیا تراویح و تہجد دو الگ الگ نمازیں ہیں؟

جاننا چاہیئے کہ نماز عشاء کے بعد سونے سے پہلے رمضان شریف میں جو نماز پڑھی جائے اُسے تراویح کہتے ہیں اور جو سونے کے بعد نفل پڑھے جائیں اُسے تہجد کہتے ہیں رمضان ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح صلوٰۃ اللیل یا قیام اللیل بھی تہجد کا نام ہے۔ مگر کبھی تراویح پر بھی بولا جاتا ہے اور قیام رمضان تراویح کا نام ہے۔ کبھی رمضان کی تہجد پر بھی بولا جاتا ہے۔ قیام رمضان و تراویح میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے۔ ہر تراویح پر قیام رمضان صادق آتا ہے۔ لیکن ہر قیام رمضان پر تراویح صادق نہیں۔

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ فتح الباری صـــ۳۱۵ جز ۸ میں فرماتے ہیں۔

ذکر النووی ان المراد بقیام رمضان صلوٰۃ التراویح یعنی انہ یحصل بہا المطلوب من القیام لا ان قیام رمضان لایکون الا بہا۔

نووی نے جو ذکر کیا ہے کہ قیام رمضان سے مراد تراویح ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تراویح پڑھنے سے قیام رمضان جو کہ مطلوب ہے حاصل ہو جاتا ہے، یہ مطلب نہیں کہ قیام رمضان بجز تراویح ہو نہیں سکتا۔"

اب ہم چند ایسے امور بیان کرتے ہیں جن سے ثابت ہو جائے گا کہ تراویح اور تہجد دونوں جُدا جُدا نمازیں ہیں۔ اگرچہ منکر اتحاد کے ذمہ دلیل نہیں ہے۔

(۱) نماز تہجد قبل از فرضیت صلوٰۃ خمسہ قبل از ہجرت مکہ معظمہ میں شروع ہوئی اور نماز تراویح بعد از ہجرت بعد فرضیت نماز پنجگانہ مدینہ طیبہ میں شروع ہوئی تاریخ مشروعیت سے معلوم ہوا کہ یہ نمازیں دونو جُدا جُدا ہیں۔

(۲) تہجد کا حکم سورۂ مزمّل میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ تراویح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسنون فرمایا۔

ابوداؤد کی ایک طویل حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے سوال کیا کہ مجھے قیام لیل (تہجد) بیان کرو تو آپ نے فرمایا۔

اَلَسْتَ تَقْرَءُ یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ قَالَ قُلْتُ بَلٰی قَالَتْ فَاِنَّ اَوَّلَ ھٰذِہِ السُّوْرَۃِ نَزَلَتْ فَقَامَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَتّٰی اِنْتَفَخَتْ اَقْدَامُھُمْ وَحُبِسَ خَاتِمَتُھَا فِی السَّمَاءِ اثْنٰی عَشَرَ شَھْرًا ثُمَّ نَزَلَ اٰخِرُھَا فَصَارَ قِیَامُ اللَّیْلِ تَطَوُّعًا بَعْدَ فَرِیْضَۃٍ۔ اس حدیث کو محمد بن نصر مروزی نے قیام اللیل ص۳ میں روایت کیا۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ سورۂ مزمّل کا اوّل جب نازل ہوا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہاں تک قیام کیا کہ اُن کے قدم پھول گئے۔ ایک سال کے بعد اس کا آخری حصّہ نازل ہوا تو فرض ہونے کے بعد تہجد بطورِ نفل مشروع ہوئی"۔

تراویح کے متعلق حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

سَنَنْتُ لَكُمْ قِيَامَهُ ۔

میں نے اس کا قیام تم پر سنت کیا۔ (ابن ماجہ)

معلوم ہوا کہ تہجد اور ہے اور تراویح اور، ورنہ اس کی سنیت کو اپنی طرف منسوب کرنا کیا معنے رکھتا ہے۔ تہجد تو پہلے ہی شروع تھی۔

(۳) تراویح ماہ رمضان میں خاص ہے۔ اور تہجد کسی مہینہ کے ساتھ مخصوص نہیں اس سے بھی معلوم ہوا کہ یہ دونوں الگ الگ نمازیں ہیں۔

(۴) تراویح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اوّل شب میں پڑھی، چنانچہ آپ کی تراویح کی نماز پہلی شب تہائی رات تک دوسری شب آدھی رات تک تیسری شب سحری تک ابوداؤد میں آیا ہے اور تہجد میں حضور علیہ السلام کی عادت شریفہ اخیر شب میں پڑھنے کی تھی، بخاری شریف میں حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔

كَانَ يَنَامُ اَوَّلَهُ وَيَقُوْمُ اٰخِرَهُ ۔

کہ حضور علیہ السلام (کی رات کی نماز اسی طرح تھی) کہ اوّل شب میں سو جاتے تھے اور آخر شب میں قیام فرماتے تھے۔

صحیح مسلم کی روایت میں اِذَا سَمِعَ الصَّارِخَ قَامَ فَصَلّٰی آیا ہے کہ آپ مُرغ کی آواز سُن کر اُٹھتے اور تہجد پڑھتے۔

مولوی ثناء اللہ امرتسری نے اخبار اہل حدیث ۷ ارشوال ۱۳۲۹ھ میں فتویٰ دیا ہے کہ اوّل شب میں تہجد نہیں ہوتی۔

ابوطالب مکی رحمہ اللہ قوت القلوب ج اوّل کے ص۲۱ میں لکھتے ہیں۔

ولا يكون التهجد الا بعد النوم ۔

کہ تہجد نیند کے بعد ہوتی ہے پہلے نہیں ہوتی۔

وحید الزمان نزل الابرار ص۱۲۶ جلد اوّل میں لکھتا ہے۔

والتهجد ما كان بعد النوم ۔

کہ تہجد وہ ہے جو نیند کے بعد ہو۔

علامہ شامی رد المحتار ص۵۰۵ میں لکھتے ہیں۔

انہ فی الاصطلاح التطوع بعد النوم۔

کہ تہجد اصطلاح میں نیند کے بعد نفل پڑھنے کو کہتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام نے جو رمضان شریف میں اوّل شب میں نماز پڑھی تھی، وہ تہجد نہ تھی فثبت ما قلنا۔

(۵) آپ تہجد ہمیشہ اکیلے پڑھتے تھے۔ کبھی بتداعی یعنی بلا کر جماعت نہیں کرائی۔ کوئی خود بخود آ کھڑا ہو تو ہو۔ لیکن تراویح میں بتداعی جماعت کرائی۔

چنانچہ ابوداؤد وغیرہ میں آیا ہے۔

جَمَعَ اَهْلَهٗ وَنِسَاءَهٗ وَالنَّاسَ۔

کہ آپ نے اپنے اہل کو اور عورتوں کو اور لوگوں کو جمع کیا اور ترک جماعت کا عذر بھی بیان کر دیا۔

جس سے معلوم ہوا کہ تہجد جدا ہے اور تراویح جدا۔

(۶) تہجد کے لیے آپ نے تمام رات قیام نہیں کیا خود حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔

لَا اَعْلَمُهٗ قَرَءَ الْقُرْاٰنَ كُلَّهٗ فِیْ لَیْلَةٍ اِلَی الصُّبْحِ (مسلم)

کہ مجھے معلوم نہیں کہ آپ نے ایک رات میں سارا قرآن پڑھا ہو، یا ایک رات صبح تک نماز تہجد پڑھی ہو لیکن تراویح میں تیسری رات اخیر سحری تک نماز پڑھنا ثابت ہے۔ (دیکھو ابوداؤد) اس سے بھی معلوم ہوا کہ یہ نمازیں الگ الگ ہیں۔

(۷) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کی جماعت کو دیکھ کر پسند فرمایا اور کہا۔

وَالَّتِیْ تَنَامُوْنَ عَنْهَا اَفْضَلُ مِنَ الَّتِیْ تَقُوْمُوْنَ (بخاری)

یعنی وہ نماز جس سے تم سو جاتے ہو یعنی تہجد افضل ہے۔ اس نماز سے جس کو تم پڑھ لیتے ہو (یعنی تراویح)

معلوم ہوا کہ تراویح اور تہجد جدا جدا نمازیں ہیں۔

(۸) دار قطنی جلد اوّل کے ص۲۲۸ میں عکرمہ سے روایت ہے کہ لوگوں نے رمضان شریف

کے چاند کے بارہ میں شک کیا۔ توانہوں نے ارادہ کر لیا نہ روزہ رکھیں نہ تراویح پڑھیں۔ ایک اعرابی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ اس نے شہادت دی کہ میں نے چاند دیکھا ہے۔ حضور علیہ السلام نے اُسے فرمایا کیا تو گواہی دیتا ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس نے کہا ہاں اور اس نے چاند دیکھنے کی گواہی دی حضور علیہ السلام نے بلال کو حکم فرمایا کہ منادی کر دو۔ کہ تراویح پڑھیں اور روزہ رکھیں اس حدیث کو بیہقی عکرمہ سے اس نے ابن عباس سے مسند روایت کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ تراویح اور تہجد الگ الگ ہیں۔ تراویح تو رمضان سے خاص ہے۔ جب چاند کے طلوع میں شک ہوا تو صحابہ نے ارادہ کر لیا کہ نہ تراویح پڑھیں نہ روزہ رکھیں۔ اگر تراویح اور تہجد ایک ہوتی تو طلوع میں شک ہونے سے عدم قیام کا ارادہ نہ کرتے کیونکہ تہجد رمضان شریف کے ساتھ مخصوص نہ تھی۔

(۹) اگر تراویح اور تہجد ایک ہی چیز ہے۔ پھر آٹھ رکعت کو کیوں سُنت کہا جاتا ہے؟ چار رکعت۔ چھ رکعت۔ دس رکعت بھی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔ پھر کیوں دس رکعت چار چھ رکعت کو سنت نہیں کہا جاتا معلوم ہوا کہ تراویح اور ہے اور تہجد اور وھوالمقصود۔

(۱۰) اگر تراویح و تہجد ایک ہی چیز ہے تو جن محدثین نے تصریح کی ہے کہ تراویح کی تعداد صحیح حدیث سے ثابت نہیں اس کے کیا معنی؟ مصابیح میں سیوطی نے ایسا ہی لکھا ہے۔ زرکشی اور سبکی نے بھی ایسا ہی فرمایا۔ بلکہ ابن تیمیہ نے بھی یہی لکھا ہے۔ دیکھو مرقاۃ شرح مشکوٰۃ۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تہجد الگ ہے اور تراویح الگ۔ تہجد کی تعداد تو احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ لیکن تراویح کی تعداد اُن کے نزدیک ثابت نہ ہوئی۔ اس لیے انہوں نے انکار لکھ دیا۔

ہم ناظرین کے مزید اطمینان کے لیے موجودہ مدعیان عمل بالحدیث کے پیشوا مولوی نذیر حسین دہلوی کی عملی شہادت پیش کرتے ہیں جس سے ہمارے دعویٰ کی تائید ہوتی ہے۔ آبحیات بعد الممات کے صفحہ ۱۳۸ میں لکھا ہے۔

لیالی رمضان المبارک میں دو ختم قرآن مجید کا بحالت قیام ہر سال سنتے ایک تو نماز

عشاء کے بعد تراویح میں جس کے امام تھے۔ حافظ احمد عالم دوسرا ختم سنتے نماز تہجد میں جس کے امام ہوتے حافظ عبد السلام انتہی اہل حدیث ۴ ار فروری ۳۰ سنہ میں بھی ایسا ہی ہے۔

مولوی ثناء اللہ کا فتویٰ جو کوٹلی لوہاراں کے ایک غیر مقلد کے سوال کے جواب میں لکھا گیا۔ نماز تہجد کی تعریف میں یہ داخل ہے کہ بعد نیند اُٹھ کر پڑھے اور تراویح میں یہ نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اوّل وقت جماعت تراویح سے بہتر ہے اس سے امکانی طور پر دو نمازوں کا ثبوت ہوتا ہے یعنی اوّل شب کی تراویح ہوگی۔ آخری وقت کی تہجد ا اہل حدیث ۲۰ ر اپریل ۲۸ سنہ صـ ۱۲۔

اس تحقیق سے کماحقہ ثابت ہوگیا کہ نماز تراویح اور ہے اور نماز تہجد اور ہے۔

سوال: کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح پڑھ کر تہجد بھی پڑھی ہے۔

جواب: جن راتوں میں آپ نے تراویح پڑھیں وہ عشرہ اخیرہ رمضان تھا جیسے کہ ابوذر کی حدیث میں آیا ہے۔ جس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور قیام اللیل کے صـ ۸۹ میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ عشرہ اخیرہ میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی جیسا کہ مسلم شریف صـ ۳۷۲ ج ۱ میں حدیث ہے۔

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی عَلَیْہِ وسلم اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ اَحْیَی اللَّیْلَ۔

کہ جب عشرہ آتا تو آپ ساری رات جاگتے اور اپنے اہل کو بھی جگاتے اور یہ پیچھے مفصل ذکر ہو چکا ہے کہ تہجد وہ نماز ہے جو بعد نیند اُٹھ کر پڑھے۔

قیام اللیل صـ ۷ میں علقمہ اور اسود سے منقول ہے کہ ان دونوں نے فرمایا۔

اِنَّمَا التَّھَجُّدُ بَعْدَ نَوْمَۃٍ تہجد بعد نیند کے ہے۔

اسی طرح عمر بن غزیہ انصاری نے فرمایا۔

یَحْسِبُ اَحَدُکُمْ اَنَّہٗ اِذَا قَامَ مِنَ اللَّیْلِ فَصَلّٰی حَتّٰی یُصْبِحَ اَنَّہٗ تَھَجَّدَ اِنَّمَا التَّھَجُّدُ الصَّلٰوۃُ بَعْدَ رَقْدَۃٍ ثُمَّ الصَّلٰوۃُ بَعْدَ رَقْدَۃٍ ثُمَّ الصَّلٰوۃُ بَعْدَ رَقْدَۃٍ فَتِلْکَ کَانَتْ صَلٰوۃُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

کیا گمان کرتا ہے۔ ایک تمہارا یہ کہ جب رات کو اُٹھ کر نماز پڑھے۔ یہاں تک کہ صبح کر دے کہ اُس نے تہجّد ادا کی نہیں تہجّد نیند کے بعد نماز ہے پھر نیند کے بعد نماز ہے۔ یہی نماز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی (عینی بخاری ص۶۲۶ جلد ۳، وقیام اللیل ص۴۰،

علامہ شامی نے رد المحتار ص۵۰۵ میں بحوالہ معجم طبرانی یہی حدیث بروایت حجاج بن عمر رضی اللہ عنہ نقل کی ہے۔

ابن حجر نے تلخیص میں بحوالہ ابن خثیمہ یہی حدیث لکھی اور کہا۔

اسنادہ حسن" کہ اس کی سند اچھی ہے۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ عشرہ آخیر میں آپ ساری ساری رات جاگتے تھے اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ تہجّد وہ نماز ہے جو بعد نیند کے پڑھے تو پھر آپ تہجّد کیسے پڑھتے۔ تہجّد تو سونے کے بعد ہوتی ہے۔

سوال: سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز تراویح کتنی رکعت ثابت ہے؟

جواب: اس سوال کا جواب سمجھنے سے پہلے یاد رکھنا چاہیے کہ احادیث رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذخیرہ جو امام اعظم رحمۃ اللہ و دیگر ائمہ کے وقت تھا وہ آج مفقود ہے۔ ایک امام بخاری علیہ الرحمۃ کو ہی دیکھو کہ چھ لاکھ حدیث ان کو یاد تھی۔ دیکھو مقدمہ فتح الباری ص۵ و ص۴۷۷ جن سے انہوں نے صحیح بخاری کو انتخاب کیا وہ خود فرماتے ہیں کہ میں نے کئی صحیح حدیثیں چھوڑ دیں تاکہ کتاب طویل نہ ہو جائے۔ (مقدمہ ص۶) لیکن آج ہمارے سامنے بیس ہزار حدیث سے زیادہ موجود نہیں کتب حدیث کئی ایسی ہیں جن کے نام کتابوں میں ملتے ہیں مگر وہ کتابیں نہیں ملتیں اور جو ملتی ہیں وہ بھی کئی ایسی ہیں۔ جو ابھی تک طبع نہیں ہوئیں کسی کسی کتب خانہ میں قلمی موجود ہیں اور جو موجود ہیں وہ بھی ہر ایک عالم کے زیر نظر نہیں۔ بسا اوقات حدیث کتابوں میں موجود ہوتی ہے اور وہ کتاب بھی ایک عالم کے پاس ہوتی ہے۔ مگر اس حدیث کا اسے علم نہیں ہوتا تو اس حالت میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے کسی مسئلہ کو بے دلیل سمجھنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ جو ذخیرہ احادیث کا امام اعظم رحمۃ اللہ کے زمانہ میں موجود تھا۔ یا کم از کم جو امام بخاری کے وقت میں تھا۔ اگر آج ہمارے سامنے ہو۔ پھر اس میں امام صاحب کے مسئلہ کی دلیل نہ ملے۔

تو ہوسکتا ہے کہ ہم اُسے بے دلیل کہیں، لیکن آج جب کہ تمام ذخیرہ احادیث ہمارے سامنے نہیں تو ہم کیسے بے دلیل کہہ سکتے ہیں، پھر بھی امام صاحب کے دلائل موجودہ کتب حدیث میں ملتے ہیں سنیئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی امر کے ثابت ہونے کے یہ معنے ہیں کہ وہ امر حدیث مرفوع سے ثابت ہو۔

حدیث مرفوع دو قسم ہے۔ مرفوع حقیقتاً اور مرفوع حکماً۔

مرفوع حقیقتاً تو ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول فعل تقریر کو کہتے ہیں۔

مرفوع حکماً وہ صحابی کا قول فعل ہے جس میں رائے و اجتہاد کا دخل نہ ہو۔

شرح نخبہ ص۶۷ میں ہے۔

مثال المرفوع من القول حکما لا تصریحا ما یقول الصحابی الذی لم یاخذ عن الاسرائیلیات مالا مجال للاجتہاد فیہ الخ۔

یعنی جو صحابی اسرائیلی روایات نہ لیتا ہو اس کا ایسا قول جس میں اجتہاد کا دخل نہیں حکما مرفوع ہوتا ہے۔

ومثال المرفوع من الفعل حکما ان یفعل الصحابی مالا مجال للاجتہاد فیہ فینزل علی ان ذالک عندہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

یعنی صحابی کوئی ایسا کام کرے، جس میں اجتہاد کا دخل نہ ہو تو وہ فعل حکماً مرفوع ہوگا۔ یہ ایسا سمجھا جائے گا کہ اس صحابی کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کام کا علم ہو چکا ہے۔

اب سوال کا جواب سُنیے۔ حدیث مرفوع کی دونوں قسموں سے بیس۲۰ رکعت تراویح کا پڑھنا ثابت ہے اور اس کا خلاف یعنی آٹھ رکعت تراویح ثابت نہیں۔

مرفوع حقیقتاً وہ حدیث ہے جس کو ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں روایت کیا ہے۔

؎ اہلحدیث ۳۰ رجون ۳۳ء میں لکھا ہے، سنت شریعت کا وہ کام ہے جس کا ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پایا جائے خواہ وہ حقیقتاً ہو یا حکماً۔ ۱۲ منہ۔

حدثنا یزید بن ھارون قال اخبرنا ابراھیم بن عثمان عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس انّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یُصَلِّی فی رمضان عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً وَالوتر۔

ابن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف میں بیس رکعت تراویح اور وتر پڑھا کرتے تھے۔

اس حدیث کو عبد بن حمید نے اپنے مسند میں اور طبرانی نے معجم میں اور بیہقی نے سنن میں روایت کیا ہے۔ یہ حدیث بیس[۲] رکعت تراویح کے مسنون ہونے پر ظاہر ہے۔

اعتراض البتہ اس پر اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس میں ابراہیم بن عثمان ہیں۔ جن کو محدثین نے ضعیف کہا ہے اور یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے معارض بھی ہے۔ اس کا جواب کئی وجہ سے ہے۔

پہلا جواب: محدثین کا اصول ہے کہ جرح مبہم معتبر نہیں۔

واحتج مسلم بسوید بن سعید وجماعۃ اشتھر الطعن فیھم وھکذا فعل ابو داؤد السجستانی وذالک دال علی انھم ذھبوا الی ان الجرح لا یثبت اذا فسر سببہ۔

یعنی مسلم نے سوید بن سعید اور ایک ایسی جماعت کے ساتھ حجت پکڑی ہے جن میں طعن مشہور ہے۔ اسی طرح ابوداؤد سجستانی نے کیا۔ ثابت ہوا کہ جرح مبہم ثابت نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ محدثین اس طرف گئے ہیں کہ جرح جب تک مفسّر نہ ہو ثابت نہیں ہوتی۔ نووی نے تقریب میں اسی کو صحیح کہا شرح صحیح مسلم میں فرمایا۔

لا یقبل الجرح الا مفسرا مبین السبب۔ انتہی۔

یعنی جرح وہی قبول کی جائے گی جو مفسر ہو۔ جس کا سبب بیان کیا گیا ہو۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ ابراہیم بن عثمان کے حق میں محدثین نے کوئی جرح مفسر بھی کی ہے یا نہیں۔ جہاں تک محدثین کے اقوال میری نظر سے گزرے ہیں۔ کسی میں جرح مفسّر نہیں البتہ میزان میں شعبہ نے مبین السبب جرح کی ہے کہ ابوشیبہ نے حکم سے اس نے ابن ابی

لیلیٰ سے روایت کی ہے کہ جنگ صفین میں ستر بدری حاضر ہوئے تھے۔ شعبہ فرماتے ہیں، کہ ابوشیبہ نے جھوٹ کہا۔ یعنی حکم کے ساتھ اس بات کا تذکرہ کیا صفین میں تو اہل بدر میں سے بجز خزیمہ کوئی حاضر نہ تھا۔ معلوم ہوا کہ شعبہ نے اس لیے ابوشیبہ پر جرح کی کہ اس نے ستر بدریوں کی صفین میں حاضر ہونے کی روایت کی لیکن یہ جرح کوئی جرح نہیں۔ خود شعبہ صرف ایک خزیمہ کے سوا کسی بدری کا حاضر ہونا نہیں مانتے۔ حالانکہ یہ بھی غلط ہے جس کا جواب علامہ ذہبی نے میزان میں دیا ہے۔

قلت سبحان اللہ اما شهدها علی اما شهدها عمار۔

ذہبی فرماتے ہیں۔ سبحان اللہ! کیا علی حاضر نہ تھے کیا عمار حاضر نہ تھے۔

یعنی خزیمہ کے سوا علی بھی تھے، عمار بھی تھے، پھر شعبہ کا کہنا کہ بجز خزیمہ کوئی نہ تھا اسی طرح غلط ہے۔ جس طرح ابوشیبہ کا ستر کہنا پھر کیا وجہ ہے کہ شعبہ تو باوجود اس غلطی کے امیر المومنین فی الحدیث رہے اور شیبہ مجروح ہو۔

اسی واسطے شیخ عبدالعزیز دہلوی نے اپنے فتاویٰ میں فرمایا ہے۔

"کہ ابوشیبہ آں قدر ضعف ندارد کہ روایت او را مطروح مطلق ساختہ شود انتہیٰ"

یعنی ابوشیبہ اتنا ضعیف نہیں کہ اس کی روایت بالکل ترک کی جائے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری پارہ ۱۷ کے صفحہ ۶۸ میں ابوشیبہ کو حافظ کہتے ہیں چنانچہ فرمایا۔

ابراهیم بن عثمان العبسی بالموحده الحافظ۔

جس سے معلوم ہوا کہ اس کا حفظ مسلم ہے۔

تہذیب التہذیب میں فرماتے ہیں۔

قال ابن عدی له احادیث صالحة۔

ابن عدی فرماتے ہیں کہ اس کی حدیثیں اچھی ہیں یعنی احتجاج کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ یہ ابن عدی وہی ہیں جنہوں نے اس کو لین کہا۔ پھر بھی فرماتے ہیں کہ اس کی حدیثیں اچھی ہیں اور یہ بھی فرماتے ہیں۔

هو خیر من ابراهیم بن ابی حیة

کہ ابراہیم بن ابی حیہ سے ابوشیبہ بہتر ہے۔

یزید بن ہارون کہتے ہیں۔

ما قضیٰ علی الناس رجل یعنی فی زمانہ اعدل من قضاء منہ۔ کہ

ابوشیبہ اپنے زمانے کے سب قاضیوں سے زیادہ عادل تھے۔

خلاصہ کے حاشیہ میں یزید بن ہارون کا قول مذکور ہے کہ۔

ابراهیم بن عثمان کان عادلا فی القضاء

ابراہیم بن عثمان قضاء میں عادل تھے۔

یہ یزید بن ہارون وہی ہیں، جنہوں نے بیس رکعت تراویح کی حدیث ابراہیم بن عثمان سے روایت کی۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ نے جو اس کی نسبت فرمایا ہے وہ بہت صحیح ہے۔ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان کو حافظ مانا، یزید بن ہارون نے عادل فی القضا ابن عدی نے ابراہیم بن ابی حیہ سے اس کو اچھا جانا۔ اس کی حدیثوں کو صالح فرمایا۔ جارحین کا جرح مفسر نہ کرنا مبہم رکھنا یہ سب ایسی باتیں ہیں۔ جن سے یہ حدیث قابل حجت ہو جاتی ہے۔ فافہم ولا تکن من المتعصبین۔

دوسرا جواب: شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ شرح سفر السعادت میں فرماتے ہیں۔

حکم بہ صحت وضعف احادیث در زمان متاخر بر خلاف زمان سابق است چہ میتواند کہ حدیثے در زمان ایشاں صحیح باشد بسبب اجتماع شرائط صحت وقبول در رواۃ کہ واسطہ بودند میان ایشاں وحضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پس ازاں ازجہت رواۃ دیگر کہ بعد ازاں آمدند ضعفے پیدا شد پس از حکم متاخرین محدثین بضعف حدیثے لازم نیاید ضعف وے در زمان امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ مثلا و ایں نکتہ ظاہر است انتہی۔

احادیث کے صحت ضعف کا حکم زمانہ متاخریں پہلے زمانہ کے خلاف ہے، کیوں کہ

ہو سکتا ہے کہ ایک حدیث پہلے زمانہ میں بسبب پائے جائے شرائط صحت کے صحیح ہو، پھر بعض رواۃ کے سبب جو کہ اس زمانہ کے بعد میں ہوں، کوئی ضعف پیدا ہو جائے تو محدثین متاخرین کے کسی حدیث کو ضعیف کہنے سے لازم نہیں آتا کہ وہ حدیث مثلاً امام ابوحنیفہ کے زمانہ میں بھی ضعیف ہو اور یہ نکتہ ظاہر ہے۔

امام شعرانی رحمہ اللہ میزان صنے میں امام اعظم کے دلائل کو ضعیف کہنے کے جواب میں فرماتے ہیں۔

یجب علینا حمل ذالک جزمًا علی الرواۃ النازلین عن الامام فی السند بعد موتہ رضی اللہ عنہ انتہٰی۔

پھر چند سطور کے بعد فرماتے ہیں۔

وان قیل بضعف شیئٍ من ادلۃ مذھبہ فذالک الضعف انما ھو بالنظر للرواۃ النازلین عن سندہ بعد موتہ وذالک لا یقدح فیما اخذ بہ الامام عند کل عن استحب النظر فی الرواۃ وھو صاعدالی النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

یعنی امام صاحب کے دلائل کا ضعف امام صاحب سے نچلے راویوں کے سبب سے ہے اور وہ کوئی قادح نہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس حدیث میں جو راوی ضعیف ہے، وہ کس زمانہ کا ہے۔ تقریب میں اس کو طبقہ سابعہ سے لکھا ہے۔ جو اکابر تبع تابعین کا زمانہ ہے۔ اس کی وفات ۱۶۹ھ میں ہوئی۔ امام اعظم رحمۃ اللہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ ابوشیبہ ۱۹ سال امام صاحب کی وفات کے بعد ہوا۔ معلوم ہوا کہ نہ تو صحابہ کے زمانہ میں تھا نہ وہ تابعی تھا ان دونوں زمانوں کے بعد اس راوی کے سبب یہ حدیث ضعیف قرار دی گئی تو اب اس متاخر راوی کے سبب متاخرین کے اس حدیث کو ضعیف کہنے سے لازم نہیں آتا کہ زمانہ صحابہ و تابعین میں بھی یہ حدیث ضعیف ہو تو صحابہ و تابعین بلکہ تبع تابعین کا عمل ظاہر کرتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ حدیث صحیح تھی اور ان کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیس رکعت

تراویح پڑھنے کا علم حاصل ہو چکا تھا اسی واسطے انہوں نے بیس رکعت پر اتفاق کیا ورنہ صحابہ و تابعین کی شان سے بعید ہے کہ وہ اپنی طرف سے اک نماز کی تعداد مقرر کر لیتے۔

تیسرا جواب: محدثین نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے لیکن موضوع کسی نے نہیں کہا۔ یہ حدیث جھوٹی نہیں، بناوٹی نہیں ضعیف ہے اور ممکن ہے کہ راوی ضعیف نے سچ کہا ہو۔ دیکھو شرح سفر سعادت صـ۵۰۲ و مرقاۃ جلد ا صـ۵۴۶) فان الکذوب قد یصدق کہ بڑا جھوٹا بھی کبھی سچ بولتا ہے۔ اس لیے ہر ضعیف حدیث احتمال رکھتی ہے کہ صحیح ہو اور ہر صحیح جائز ہے کہ غلط ہو۔ کیونکہ ثقہ بھی کبھی غلطی کرتا ہے۔ کبھی سند کے رواۃ متکلم فیہم ہوتے ہیں لیکن متن درست ہوتا ہے۔ اس صورت میں متن قابل عمل رہتا ہے۔

مقدمہ ابن صلاح میں ہے۔

قد یقال هذا صحیح الاسناد ولا یصح الحدیث۔

یعنی سند صحیح ہوتی ہے اور متن حدیث صحیح نہیں ہوتا۔ وکذا عکسه۔ اسی طرح اس کا عکس یعنی سند ضعیف ہوتی ہے اور متن صحیح ہوتا ہے۔

شرح الفیہ عراقی میں ہے۔

قولهم هذا حدیث ضعیف نمرادهم انه لم تظهر فیه شروط الصحة لا انه کذب فی نفس الامر لجواز صدق الکاذب واصابة من هو کثیر الخطاء انتهی فتح المغیث۔

یعنی محدثین جب کسی حدیث کو ضعیف کہیں تو ان کی مراد یہ ہے کہ اس میں صحت کے شروط پائے نہیں جاتے نہ یہ کہ وہ نفس امر میں جھوٹی ہے کیونکہ جائز ہے کہ کاذب نے سچ بولا ہو۔ اور کثیر الخطاء نے خطا نہ کی ہو۔

یہی وجہ ہے کہ حدیث ضعیف بہ سبب کثرت طرق حسن ہو جاتی ہے اور امت کے قبول کر لینے سے قبول ہو جاتی ہے۔ پس یہ حدیث صحابہ و تابعین و ائمہ مجتہدین کے عمل کرنے مقبول ہو گئی۔

چوتھا جواب: یہ حدیث اگرچہ بلحاظ سند ضعیف ہے لیکن امت کا عمل اس کو

تقویت دیتا ہے۔

امام سیوطی شرح نظم الدرر میں فرماتے ہیں۔

المقبول ماتلقاہ العلماء بالمقبول وان لم یکن لہ اسناد صحیح۔

کہ حدیث مقبول وہ ہے جس کو علماء نے قبول کر لیا ہو اگرچہ اس کی سند صحیح نہ ہو۔

حافظ سخاوی شرح الفیہ میں فرماتے ہیں۔

اذا تلقت الامۃ الضعیف بالقبول یعمل بہ علی الصحیح۔

جس ضعیف حدیث کو اُمت نے قبول کر لیا ہو۔ (یعنی عملاً) تو صحیح مذہب میں اس پر عمل کیا جاوے گا چونکہ اس حدیث کو علماء اُمت نے قبول فرمایا۔ صحابہ نے اس پر عمل کیا، ائمہ اربعہ نے اسی کو اپنا معمول بہ ٹھہرایا، لہٰذا لامحالہ یہ حدیث مقبول ہو گی۔

علامہ بن مرعی البشر حیثمی مالکی شرح اربعین نوویہ میں لکھتے ہیں۔

محل کونہ لا یعمل بالضعیف فی الاحکام ما لم یکن تلقتہ الناس بالقبول فان کان کذالک تعین وصار حجۃ یعمل بہ فی الاحکام وغیرھا

(التحفۃ المرضیہ ص ۲۲۴)

یعنی ضعیف حدیث پر احکام میں عمل نہ کیا جانا اس صورت میں ہے کہ اسے لوگوں نے قبول نہ کیا ہو، اگر قبول کر لیا ہو تو وہ احکام وغیرہا میں حجت ہوتی ہے اور اس پر عمل کیا جاتا ہے۔

امام سیوطی تعقبات میں نماز تسبیح کے ذکر میں بیہقی سے نقل کرتے ہیں۔

تداولھا الصلحون بعضھم عن بعض وفی ذالک تقویۃ للحدیث المرفوع۔

اس حدیث (تسبیح) کو صالحین نے دست بدست لیا اور اس میں حدیث مرفوع کی تقویت ہے یعنی صلحا کے عمل حدیث کو تقویت ہو گئی۔

علی قاری رحمہ اللہ مرقاۃ باب ما علی المامومم میں بحوالہ نووی لکھتے ہیں۔

فکان الترمذی یرید تقویۃ الحدیث بعمل اھل العلم۔

کہ ترمذی اہل علم کے عمل کرنے سے حدیث کی تقویت کا ارادہ کرتے تھے۔

علامہ سیوطی تعقبات میں فرماتے ہیں:

وقد صرح ۔ غیر واحد بان من دلیل صحۃ الحدیث قول اهل العلم • به وان لم یکن لہ اسناد یعتمد علی مثلہ ۔

یعنی بہت محدثین نے تصریح کی ہے۔ کہ حدیث کی صحت کی دلیل اہل علم کا اس پر عمل ہے اگرچہ اس کی سند قابل اعتماد نہ ہو۔

مولوی ثناء اللہ اہل حدیث ۱۹ اپریل ۱۹۰۷ء کے ص۱ میں لکھتے ہیں۔

بعض ضعف ایسے ہیں جو امت کی تلقی بالقبول سے رفع ہو گئے ہیں۔ انتہیٰ

میں کہتا ہوں۔ نجاست کے ساتھ پانی کا رنگ و بو مزہ بدلنے سے پانی کا ناپاک ہونا حدیث ضعیف سے ثابت ہے مگر امت نے اس پر عمل کیا اور اُسے قبول کر لیا۔ تو حدیث اگرچہ ضعیف تھی۔ اہل علم کے عمل کرنے سے اس کو تقویت ہو گئی۔

اسی طرح سونے کے نصاب کی حدیث ضعیف ہے مگر علماء نے اسے قبول کیا اور اسی پر عمل کیا۔

اسی طرح بعض حدیثیں ایسی ہیں۔ جو سنداً صحیح ہیں۔ مگر ان پر عمل نہیں۔ مثلاً بلا عذر جمع بین الصلوتین کہ اس کی حدیث صحیح ہے۔ مگر عملاً متروک ہے۔ دیکھو ترمذی کتاب العلل قاضی ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری میں زیر آیت۔ قل یا اهل الکتاب تعالوا۔ لکھتے ہیں۔ فترکھم العمل بحدیث دلیل علیٰ کونہ منسوخا او مؤولا۔

یعنی ائمہ اربعہ اور اکابر علماء کا کسی حدیث پر عمل نہ کرنا اس بات پر دلیل ہے کہ وہ حدیث منسوخ ہو گی یا مؤول۔

پانچواں جواب:۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے رد المختار جلد ۴ ص۱۴۱ میں لکھا ہے۔

ان المجتهد اذا استدل بحدیث کان تصحیحا لہ کما فی التحریر وغیرہ۔

کہ مجتہدین حدیث سے استدلال کریں اس حدیث کی تصحیح ہے یعنی اگر وہ حدیث قابل حجت نہ ہوتی تو مجتہد اس سے استدلال نہ کرتا۔ جب اس نے اس حدیث سے کوئی مسئلہ اخذ کیا تو معلوم ہوا کہ وہ حدیث اس کے نزدیک صحیح قابل حجت ہے۔

امام شعرانی میزان صفحہ ۶ میں فرماتے ہیں۔

وکفانا بصحۃ الحدیث استدلال مجتہد بہ۔

کہ حدیث کی صحت کے لیے مجتہد کا استدلال کافی ہے۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بیس رکعت تراویح کو سنت مانا۔ کتب فقہ جو کہ نقل مذہب میں معتبر مانی گئی ہیں۔ ان میں تبصریح موجود ہے۔ چنانچہ ہم آگے ائمہ اربعہ کے مذاہب میں حوالجات نقل کریں گے۔ انشاء اللہ تو انھوں نے اس حدیث ابن عباس سے اس عدد کو سنت مانا لہٰ امام صاحب کا بیس رکعت تراویح سنت کہنا یا تو اسی حدیث ابن عباس سے ماخوذ ہے یا کسی اور صحیح حدیث سے جو کہ ہمیں نہیں ملی۔ پہلی صورت میں حدیث ابن عباس بہ سبب استدلال مجتہد صحیح ہوئی۔ دوسری صورت میں تراویح کا بیس رکعت مسنون ہونا ثابت ہو گیا۔ تو یہ حدیث موید ہو گئی۔ ۲ امنہ ظاہر ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ کا مذہب بیس رکعت کی سنیت کا ہے۔ اور حدیث مرفوع حقیقی ایک ہی حدیث ملتی ہے جو ابن عباس سے مروی ہے۔ تو لا محالہ ماننا پڑے گا کہ بیس رکعت کی سنیت اسی حدیث سے ماخوذ ہے۔ تو اب مطابق اس اصول کے جو شامی نے لکھا ہے کہ مجتہد کا استدلال اس حدیث کی تصحیح ہوتا ہے۔ یہ حدیث بھی امام اعظم رحمۃ اللہ کے نزدیک صحیح ہوئی۔ وہو المقصود۔

دفع تعارض

یہ کہنا کہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ کی حدیث کے معارض ہے صحیح نہیں۔ اس لیے کہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا در بارہ تہجد ہے جس کا مفصل ذکر آگے آئے گا اور حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ

دربارہ تراویح ہے۔ فلا تعارض بینہما۔

مرفوع حکماً بیہقی سنن کبریٰ جلد ۲ صفحہ ۴۹۶ میں فرماتے ہیں۔

اخبرنا ابو عبد اللہ الحسین بن محمد بن حسین بن فنجویہ الدینوری بالدامغان ثنا احمد بن محمد بن اسحٰق السنی انبا عبد اللہ بن محمد بن عبد العزیز البغوی ثنا علی بن الجعد انبا ابن ابی ذئب عن یزید بن خصیفۃ عن السائب بن یزید قال کانوا یقومون علی عہد عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی شہر رمضان بعشرین رکعۃ قال وکانوا یقرؤن بالمئین وکانوا یتوکؤن علی عصیہم فی عہد عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ من شدۃ القیام۔

سائب صحابی کہتے ہیں۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ رمضان شریف میں بیس رکعت (تراویح) پڑھتے تھے۔ اور وہ سورتیں جن میں سوؔ سے زیادہ آیتیں ہیں پڑھتے تھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں شدت قیام کے سبب لاٹھیوں پر ٹیک لگاتے تھے۔

ظاہر ہے۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں عام طور پر صحابہ موجود تھے اور تابعی بھی تھے تو اس حدیث میں حضرت سائب رضی اللہ عنہ صحابہ و تابعین کا عمل بیان کرتے ہیں کہ وہ بیس رکعت (تراویح) پڑھتے تھے اور یہ پیچھے بیان ہو چکا ہے۔ کہ صحابہ کا وہ فعل جس میں رائے واجتہاد کا دخل نہ ہو حکماً مرفوع ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ نماز کی تعداد میں رائے کا کوئی دخل نہیں تو صحابہ کا بیس رکعت پڑھنا حکماً مرفوع ہوگا۔ صحابہ کی یہ شان نہیں۔ کہ وہ اپنی طرف سے نماز کی رکعتیں مقرر کرلیں۔ ان کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ضرور علم ہوگا۔ اسی واسطے صحابہ کے ایسے فعل کو حکماً مرفوع کہتے ہیں۔

مراقی الفلاح میں ابو یوسف سے روایت ہے۔

قال سالت ابا حنیفۃ عن التراویح وما فعلہ عمر رضی اللہ عنہ

فقال التراويح سنة موكدة ولم يتخذه عمر من تلقاء نفسه ولم يكن فيه مبتدعا ولم يامر به الاعن اصل لديه وعهد من رسول الله صلی الله علیه وسلم فالظاهر انه قد ثبت عندهم صلوٰة النبی صلے الله علیه وسلّم عشرین رکعة کما جاء فی حدیث ابن عباس فاختاره عمر رضی الله عنه (فتح المنان)

ابو یوسف کہتے ہیں۔ میں نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کو تراویح کے متعلق پوچھا اور جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تو آپ نے فرمایا کہ تراویح سنت موکدہ ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُسے اپنے جی سے نہیں گھڑا اور نہ وہ اس میں مبتدع ہیں۔ بجز اس کے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے پاس اسکا ثبوت ہو۔ انھوں نے اس کا امر نہیں کیا۔ پس ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ سے بیس رکعت تراویح ان کے نزدیک ثابت ہوئی جیسے کہ حدیث ابن عباس میں آیا ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُسے اختیار فرمایا۔

اس حدیث کو نووی نے خلاصہ میں

ابن عراقی نے شرح تقریب میں۔

اور سیوطی نے مصابیح میں صحیح کہا اور سند کے سب راوی ثقہ ہیں۔

ابو عبد اللہ بن فنجویہ دینوری اپنے زمانہ کے اکابر محدثین سے تھے۔ ذہبی نے مشاہیر محدثین کے سلسلہ میں جن کا ذکر کیا (تذکرہ الحفاظ ص۲۴۴ ج ۳) علامہ سمعانی نے انساب میں برہان دینوری کے شاگردوں میں جن کا نام لیا ہے۔ غرض ابن فنجویہ ایک مشہور محدث ہیں۔

ابن صلاح مقدمہ میں فرماتے ہیں۔

ومن جری مجدهم فی نباهة الذکر واستقامة الامر فلا یسئل عن حالهم۔

یعنی جو شخص علماء میں مشہور اور معروف ہو اس کے حال سے پوچھا نہیں جاتا۔

یعنی یہ ضرورت نہیں کہ اس کی ثقاہت ثابت کریں۔
علامہ ذہبی میزان صـ۳۲۷ ج ۲ میں مالک بن حسیر کے ترجمہ میں لکھتے ہیں۔

فی رواۃ الصحیحین عدد کثیر ما علمنا ان احدا انص علی توثیقھم والجمھور علی ان من کان من المشائخ قد روی عنہ جماعۃ ولم یات بما ینکر علیہ ان حدیثہ صحیح۔

کہ صحیحین کے رواۃ میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جن کی توثیق پر کسی نے نص نہیں کی جمہور کا مذہب یہ ہے۔ کہ مشائخ میں سے جس سے ایک جماعت روایت کرے اور وہ سُن کر حدیث نہ لائے تو اس کی حدیث صحیح ہوتی ہے۔
شیخ عبدالحی لکھنوی الرفع والتکمیل صـ۱۲ میں بحوالہ تدریب الراوی للسیوطی لکھتے ہیں۔

اذا لم یکن فی الراوی جرح ولا تعدیل وکان کل من شیخہ والراوی عنہ ثقہ ولم یات بحدیث منکر فھو عندہ راوی عند ابن حبان ثقہ۔

یعنی جب راوی کی نسبت جرح تعدیل معلوم نہ ہو اور اس کا شیخ اور شاگرد ثقہ ہوں اور حدیث منکر نہ ہو۔ ایسا شخص ابن حبان کے نزدیک ثقہ ہوتا ہے۔"
اس حدیث میں ابن فنجویہ کے شیخ ابن السُنی مشہور محدث ہیں اور شاگرد بیہقی ہیں۔ تو لامحالہ جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ ہوئے۔ نووی ابن العراقی سیوطی کا اس حدیث کو صحیح کہنا نہایت صحیح ہے۔

دوسرے راوی احمد بن محمد بن اسحٰق ابن السنی مولف کتاب عمل الیوم واللیلۃ و راوی سنن نسائی ہیں۔
ذہبی نے طبقات الحفاظ جلد ۳ صـ۱۴۲ میں ان کے متعلق لکھا ہے۔

کان دینا خیرا صدوقا اختصر السنن وسماہ المجتبیٰ۔

کہ بڑے سچے متدین تھے۔ سنن کا انھوں نے اختصار کیا۔ اور مجتبیٰ نام رکھا۔

تیسرے راوی عبداللہ بن محمد البغوی ہیں۔
علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ صفحہ ۲۷۵ میں بحوالہ خطیب لکھا ہے۔
کان ثقۃ ثبتا فہما عارفا قال السلمی سالت الدارقطنی عن البغوی
فقال ثقۃ امام جبل امام اقل المشائخ خطاء۔ انتہی
کہ ثقہ ثبت تھے۔ دارقطنی نے بھی ان کو ثقہ کہا۔
چوتھے راوی علی بن جعد ہیں جو کہ امام بخاری کے شیوخ سے ہیں، تقریب میں
ان کو ثبت ثقہ رمی بالتشیع لکھا ہے۔
پانچویں ابن ابی ذئب ہیں۔ جن کو تقریب میں ثقہ فقیہ فاضل لکھا ہے۔
چھٹے یزید بن خصیفہ ہیں۔ جن کو تقریب میں ثقہ لکھا ہے۔
ساتویں سائب بن یزید ہیں جو صحابی ہیں۔

دوسری حدیث

بیہقی نے معرفۃ السنن میں روایت کیا۔
اخبرنا ابو طاھر الفقیہ قال اخبرنا ابو عثمان البصری قال ثنا
ابو احمد محمد بن عبد الوھاب قال اخبرنا خالد بن مخلد قال
ثنا محمد بن جعفر قال ثنا یزید بن خصیفہ عن السائب بن یزید
قَالَ کُنَّا نقومُ فِی زمان عمر بن الخطاب بِعِشْرِیْنَ رَکْعَۃً وَ الْوِتْرِ۔
سائب صحابی فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعت
تراویح اور وتر پڑھتے تھے۔
اس حدیث میں حضرت سائب بن یزید اپنا عمل بیس رکعت بیان کرتے ہیں
اس کی سند کو علامہ سبکی نے شرح منہاج میں اور علی قاری نے شرح مؤطا میں صحیح
فرمایا ہے۔ (آثار السنن صفحہ ۱۵۵)
اس حدیث کو مالک نے بھی یزید بن خصیفہ کی طریق سے روایت کیا ہے دیکھو:

فتح الباری جزء ۸ ص۳۱۶ اور فتح الباری کی حدیث صحیح یا حسن ہوتی ہے۔ کما صرح فی مقدمہ۔

اس حدیث کے پہلے راوی ابوطاہر فقیہ ہیں۔ جو کہ بیہقی کے شیخ ہیں۔ ان سے بیہقی۔ حاکم۔ ابوالقاسم قشیری۔ عبدالجبار بن برزہ محمد بن محمد سامانی۔ علی بن احمد واحدی اور ابوصالح مؤذن نے روایت کی ہے۔ (طبقات جلد ۳ ص۸۲)

امام سبکی نے اسی صفحہ میں ان کے حق میں "امام المحدثین والفقہا بنیشاپور فی زمانہ" لکھا ہے کہ نیشاپور میں اپنے زمانہ کے محدثین وفقہاء کے امام تھے۔

طبقات ص۸۳ جلد ۳ میں ان کی نسبت عبدالغافر نے فرمایا۔

اعلم اصحاب الحدیث بخراسان وفقیہم بالاتفاق بلامدافعۃ۔

کہ خراسان کے اہل حدیث کا بالاتفاق امام اور فقیہ تھا۔

دار قطنی ص۳۶۱ ج ۲ میں فرماتے ہیں۔

وارتفاع رسم الجہالۃ عنہ ان یروی عنہ رجلان فصاعدا۔

کہ جس سے دو آدمی یا زیادہ روایت کریں۔ اس سے جہالت اٹھ جاتی ہے اور وہ معروف ہوجاتا ہے۔

فتح المغیث میں امام سخاوی فرماتے ہیں۔

قال الدارقطنی من روی عنہ ثقتان فقد ارتفعت جہالتہ و ثبتت عدالتہ۔ الرفع والتکمیل ص۱۶۔

یعنی جس شخص سے دو ثقہ روایت کریں۔ اس کی جہالت رفع ہوجاتی ہے اور عدالت ثابت ہوجاتی ہے۔

معلوم ہوا کہ ابوطاہر فقیہ سے بڑے بڑے محدثین نے روایت کی ہے اگر آج کوئی اس کو مجہول کہہ دے۔ تو اس کا کیا اعتبار ہوسکتا ہے۔

دوسرے راوی ابوعثمان بصری ہیں۔ جن کا نام عمر بن عبداللہ ہے۔ ان سے ابوطاہر فقیہ اور ابومحمد حسن بن علی بن مؤمل نے روایت کی (آثار السنن ص۵۴)

ہم پیچھے لکھ آئے ہیں کہ جس سے دو راویوں نے روایت کی۔ وہ مجہول نہیں ہے۔ اس کی جہالت اُٹھ جاتی ہے اور عدالت ثابت ہو جاتی ہے فلا نعیدہ ثانیا۔

تیسرے راوی ابو احمد محمد بن عبدالوہاب ہیں۔ جن کو تقریب میں ثقہ عارف لکھا ہے۔

چوتھے راوی خالد بن مخلد ہیں۔ جو بخاری مسلم کے راوی ہیں۔ تقریب میں انکو صدوق لکھا ہے۔

پانچویں محمد بن جعفر ہیں۔ جو ثقہ ہیں۔

چھٹے یزید بن خصیفہ ثقہ ہیں۔

ساتویں سائب صحابی ہیں۔ علامہ سبکی و علی قاری کا اس حدیث کو صحیح کہنا نہایت صحیح ہے۔ فللّٰہ الحمد فی الاولیٰ والآخرۃ۔

تیسری حدیث

عن یزید بن رومان انّہٗ قَالَ کَانَ النَّاسُ یَقُوْمُوْنَ فِی زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِی رَمَضَانَ بِثَلٰثٍ وَّعِشْرِیْنَ رَکْعَۃً رواہ مالک۔

یزید بن رومان فرماتے ہیں کہ لوگ (صحابہ و تابعین) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں رمضان شریف میں تیئس ۲۳ رکعت (تراویح) پڑھتے تھے۔ اس کو امام مالک نے موطا میں اور بیہقی نے سنن کبریٰ میں روایت کیا۔

سوال:۔ یہ حدیث منقطع ہے۔ یزید بن رومان نے حضرت عمر کا زمانہ نہیں پایا۔

جواب:۔ میں کہتا ہوں۔ یہ حدیث امام مالک کے موطا کی ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حجۃ اللہ البالغہ ص۱۰۶ میں فرماتے ہیں۔

قال الشافعی اصح الکتب بعد کتاب اللہ موطا مالک واتفق اھل الحدیث علی ان جمیع ما فیہ صحیح علی رای مالک ومن وافقہٗ واما علی رای غیرہ فلیس فیہ مرسل ولا منقطع الا قد اتصل

السند به من طرق اخری فلا جرم انها صحیحۃ من هذا الوجه انتهی۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ صحیح کتاب قرآن شریف کے بعد امام مالک کا مؤطا ہے۔ اہل حدیث کا اتفاق ہے کہ مؤطا میں جتنی حدیثیں ہیں امام مالک اور اُن کے موافقین کے نزدیک سب صحیح ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے محدثین کے نزدیک مؤطا میں جو حدیث مرسل یا منقطع ہے۔ وہ دوسری طریق سے اس کی سند متصل بھی ہے۔ اس وجہ سے وہ بھی صحیح ہوئی۔

زرقانی جلد اوّل صـ۹ میں علامہ سیوطی سے منقول ہے۔

مافیہ من المراسیل مع کونها حجۃ عنده بلاشرط وعند من وافقه من الائمۃ هی حجۃ عندنا ایضا لان المرسل حجۃ عندنا اذا اعتضد وما من مرسل فی المؤطا الا وله عاضد او عواضد فالصواب اطلاق ان المؤطا صحیح لا یستثنی منه شیٔ۔

یعنی مؤطا میں جو حدیث مرسل ہے۔ امام مالک اور اُن کے موافقین ائمہ کے نزدیک تو بلاشرط حجت ہے اور ہمارے (یعنی شافعیہ) کے نزدیک بھی حجت ہے کیونکہ مرسل ہمارے نزدیک حجت ہے (جب کہ اس کے لیے کوئی عاضد ہو۔ یعنی دوسری سند سے اس کی تائید ہو اور مؤطا میں کوئی مرسل ایسی نہیں جس کا ایک یا زیادہ عاضد نہ ہوں۔ تو صواب یہ ہے کہ مؤطا سب صحیح ہے۔ اس سے کوئی حدیث مستثنیٰ نہیں۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ پہلی اور دوسری حدیث جو سند متصل سے ہے۔ اس کی تائید کرتی ہیں۔ اسی طرح چوتھی پانچویں چھٹی۔ ساتویں حدیثیں سب اسی کی مؤید ہیں تو اصول حدیث کے لحاظ سے حدیث قابل حجت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض غیر مقلدین کے سوا اور کسی محدث نے اس کو ساقط الاحتجاج نہیں لکھا۔

علاوہ اس کے حافظ ابن حجر فتح الباری میں اس حدیث کو لاتے ہیں دیکھو جزء ۸ صـ۳۱۶ اور مخالفین مانتے ہیں۔ کہ حافظ ابن حجر نے التزام کیا ہے۔ کہ فتح الباری میں جو حدیث لاؤں گا۔ صحیح یا حسن ہوگی۔ (دیکھو رسالہ غازی پوری) تو یہ حدیث چونکہ فتح الباری میں ہے۔ اس لیے بھی صحیح یا حسن ہوئی۔

جواب دیگر:۔ یزید بن رومان ثقہ ہے۔ اور وہ جانتے تھے کہ جھوٹ گناہ ہے۔ پھر بھی یقیناً حضرت عمر کے زمانہ کا حال بیان کرتے ہیں اگر ان کو کچھ شبہ ہوتا تو اپنے شیخ کا نام لیتے معلوم ہوا کہ ان کو اس میں کوئی شبہ نہ تھا پس آج کسی کو شبہ کرنے کا کیا حق ہے؟

چوتھی حدیث

عن یحییٰ بن سعید اِنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ اَمَرَ رَجُلاً فَیُصَلِّی بِھِمْ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً رواہ ابو بکر بن ابی شیبۃ فی مصنفہ عن وکیع عن مالک بن انس عن یحیی بن سعید۔

یحییٰ بن سعید فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس ۲۰ تراویح پڑھائے اس کو ابن ابی شیبہ نے مصنف میں روایت کیا۔

اس حدیث کے سب راوی ثقہ ہیں اور بیس رکعت تراویح پڑھانے کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا امر بھی موجود ہے۔ لیکن اس حدیث کے تسلیم کرنے میں عذر پیش کیا جاتا ہے۔ کہ یحییٰ بن سعید انصاری نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا اس لیے یہ حدیث منقطع ہے۔ میں کہتا ہوں۔ یحییٰ بن سعید انصاری اجماعی ثقہ ہیں۔ حدیث و فقہ کے امام ہیں۔ یہ جانتے ہیں کہ جھوٹ بنانا کسی کے ذمہ جھوٹ لگانا کبیرہ گناہ ہے۔ خود معاذ اللہ جھوٹے نہ تھے کہ جھوٹ کہہ گئے۔ یہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو بیس رکعت پڑھانے کا حکم دیا۔ اب تم خود انصاف کرو۔ کہ ایسا متقی زاہد عابد کیا جھوٹ کہتا ہے ضرور ہے کہ ان کو حضرت عمر کے زمانہ

کا حال اپنے شیوخ سے معلوم ہوا ہوگا۔ ورنہ وہ کبھی ایسا نہ کہتے۔ اگر ان کو کچھ شبہ ہوتا۔ توجس سے انہوں نے سُنا تھا۔ اس کا نام لیتے اور آپ بری الذمہ ہوجاتے، ہمارے ہاں بھی لوگوں کی عادت ہے۔ کہ جس بات پر ان کو یقین ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ فلاں شخص نے یہ کام کیا پس اگر یحیی بن سعید کو حضرت عمر کے امر کا کچھ بھی شبہ ہوتا تو شیخ کا نام لیتے۔ انہوں نے نہایت وثوق سے حضرت عمر کا امر بیان کیا، اور شیخ کا نام لینا ضروری نہ سمجھا اسی بنا پر امام مالک اور امام اعظم رحمہما اللہ کے نزدیک حدیث مرسل و منقطع حجت ہے۔ اور اسی بنا پر امام مالک نے اس حدیث کو اپنا معمول بنایا اور ۳۶ رکعت اپنا مذہب قرار دیا۔ جن میں سے بیس تراویح اور سولہ عوض طواف ہیں

حدیث مرسل و منقطع کا حکم

امام نووی مقدمہ شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں۔

ومذاهب مالك وابي حنيفة واحمد واكثر الفقهاء انه يحتج به ومذاهب الشافعي انه اذا انضم الى المرسل مايعضده احتج به وذالك بان يروى ايضا مسندا او مرسلا من جهة اخرى اويعمل به بعض الصحابة أو اكثر العلماء۔

یعنی امام مالک و ابوحنیفہ و احمد اکبر فقہا کے نزدیک حدیث مرسل منقطع حجت ہے امام شافعی کے نزدیک اس وقت حجت ہے، جبکہ اس کی تائید میں کوئی دوسری روایت مرسل یا مسند ہو یا بعض صحابہ یا اکثر علماء کا اس پر عمل ہو۔

امام ابن الہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں۔

ضعفت بالانقطاع وهو عندنا كالارسال بعد عدالة الرواة وثقتهم لايضر۔

کہ انقطاع ہمارے نزدیک مثل ارسال کے ہے۔ جبکہ راوی ثقہ اور عادل ہوں تو مضر نہیں۔

پس یہ حدیث امام مالک و امام اعظم و امام احمد کے نزدیک حجت ہے اور امام شافعی کے نزدیک بھی حجت ہے۔ اس لیے کہ پہلی اور دوسری تیسری حدیث اس کی تائید میں ہیں اور صحابہ کا بلکہ اکثر فقہاء و علماء کا اس پر عمل ہے۔

علاوہ اس کے پہلی اور دوسری اور آٹھویں حدیث میں سائب بن یزید صحابی حضرت عمر کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح کا پڑھنا بیان کرتے ہیں اور سائب بن یزید سے یحیی بن سعید کو سماع حاصل ہے۔

چنانچہ کمال فی اسماء الرجال میں یحییٰ بن سعید کے ترجمہ میں تصریح ہے۔

سمع انس بن مالک والسائب بن یزید وخلقا سواھما۔

کہ یحییٰ نے انس بن مالک اور سائب بن یزید وغیرہما سے سُنا۔

تہذیب التہذیب میں سائب بن یزید کے ترجمہ میں یحیی بن سعید کو سائب کے شاگردوں میں شمار کیا ہے۔

تنسیق النظام فی مسند الامام کے صنا۹ اور تعلیق الممجد کے صنا۶ میں تذکرۃ الحفاظ صنا۱۲۹ ج ا کے حوالہ سے لکھا ہے۔

حدث عن انس والسائب بن یزید۔

کہ یحییٰ بن سعید نے حضرت انس اور سائب سے حدیث بیان کی پھر آگے لکھا ہے۔

قال القاری سمع انس بن مالک وسائب بن یزید۔

کہا علی قاری نے کہ یحییٰ نے انس بن مالک اور سائب بن یزید سے سنا۔

تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ یحییٰ بن سعید نے حضرت عمر کا بیس رکعت تراویح کا حکم دینا سائب بن یزید سے سُنا ہوگا۔ کیونکہ حضرت عمر کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح کا حکم ہونا سائب بن یزید کی روایت سے ثابت ہے۔ چونکہ حضرت سائب صحابی ہیں اس لیے یحییٰ بن سعید نے ان کے ذکر کی ضرورت نہ سمجھی تو یہ انقطاع اس لیے بھی مضر نہیں ہے۔

پانچویں حدیث

قیام اللیل مروزی ص۹۱ میں محمد بن کعب قرظی سے روایت ہے۔

كَانَ النَّاسُ يُصَلُّوْنَ فِيْ زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِيْ رَمَضَانَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً يُطِيْلُوْنَ فِيْهَا الْقِرَاءَةَ وَيُوْتِرُوْنَ بِثَلٰثٍ۔

(صحابہ وتابعین) حضرت عمر کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے۔ اس میں قرأت لمبی کرتے تھے اور تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔

مخالفین کہتے ہیں کہ یہ حدیث منقطع ہے۔ میں کہتا ہوں کہ حدیث منقطع اکثر علماء کے نزدیک حجت ہے، خصوصاً جب کہ دوسری حدیثوں سے موید ہو۔

چھٹی حدیث

حافظ ابن حجر نے تلخیص میں بروایت ابن ابی شیبہ وبیہقی لکھا ہے اور سیوطی نے بھی مصابیح میں نقل کیا ہے۔

عَنْ عُمَرَ اَنَّهٗ جَمَعَ النَّاسَ عَلٰی اُبَیِّ بْنِ كَعْبٍ فَكَانَ يُصَلِّيْ بِهِمْ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً۔

حضرت عمر نے لوگوں کو ابی بن کعب کے پیچھے نماز پڑھنے پر جمع کیا تو وہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح رمضان شریف میں پڑھاتے تھے۔

ابن عبد البر کہتے ہیں۔ کہ ابی بن کعب سے بیس رکعت ہی صحیح ہیں۔

(عینی ص۳۵۷ جلد ۵)

ابن تیمیہ نے حضرت ابی بن کعب کا بیس رکعت پڑھنا لکھا ہے (دیکھیے مرقاۃ)

ساتویں حدیث

ابن ابی شیبہ مصنف میں عبد العزیز بن رفیع سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں

نے فرمایا۔

کان اُبَیُّ بْنُ کَعْبٍ یُصَلِّیْ بِالنَّاسِ فِیْ رَمَضَانَ بِالْمَدِیْنَةِ عِشْرِیْنَ رَکْعَةً وَیُوْتِرُ بِثَلٰثٍ۔ (آثار السنن ص۵۵)

کہ ابی بن کعب رمضان شریف میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح مدینہ شریف میں پڑھاتے تھے اور تین رکعت وتر۔

مخالفین اس حدیث کو بھی منقطع کہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ منقطع حجت ہے حدیث منقطع کے حجت ہونے کے دلائل پہلے بیان کیے جا چکے ہیں۔

آٹھویں حدیث

شیخ الاسلام عینی شرح صحیح بخاری ص۳۵۷ جلد ۵ میں ابن عبدالبر سے نقل کرتے ہیں۔

روی الحارث بن ابی ذباب عن السائب بن یزید قال کَانَ الْقِیَامُ عَلٰی عَھْدِ عُمَرَ بِثَلَاثٍ وَّعِشْرِیْنَ رَکْعَةً۔

سائب بن یزید صحابی کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں قیام (تراویح) بیس رکعت تھا۔

نانویں حدیث

شیخ الاسلام عینی شرح صحیح بخاری ص۳۵۷ ج ۵ میں فرماتے ہیں۔

روی عبد الرزاق فی المصنف عن داؤد بن قیس وغیرہ عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید اِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جَمَعَ النَّاسَ فِیْ رَمَضَانَ عَلٰی اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ وَعَلٰی تَمِیْمِ الدَّارمی عَلٰی اِحْدٰی وَعِشْرِیْنَ رَکْعَةً۔

عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں روایت کیا کہ سائب بن یزید فرماتے ہیں۔

کہ حضرت عمر نے لوگوں کو رمضان شریف میں ابی کعب وتمیم دارمی پر اکیس رکعت تراویح پر جمع کیا۔ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ ایک رکعت وتر پر محمول ہے۔ (تفصیل کے لیے ہماری کتاب نماز مدلل دیکھو۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس رکعت پر لوگوں کو جمع کیا۔ ابن عبدالبر نے اس روایت کو صحیح اور اس کے خلاف گیارہ رکعت والی کو امام مالک کا وہم قرار دیا۔

دسویں حدیث

آثار السنن صـ۵۷ ج ۲ میں کنز العمال کے حوالہ سے لکھا ہے۔

عن ابی بن کعب اِنَّ عُمَرَ بْنَ الخطاب اَمَرَہٗ اَنْ یُصَلِّیَ بِاللَّیْلِ فِیْ رَمَضَان فقَالَ اِنَّ النَّاسَ یَصُوْمُوْنَ النَّھَارَ وَلَا یُحْسِنُوْا اَنْ یَقْرَءُوْا فَلَوْ قَرَءْتَہٗ عَلَیْھِمْ بِاللَّیْلِ فَقَالَ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ ھٰذَا شَیْءٌ لَمْ یَکُنْ فَقَالَ قَدْ عَلِمْتُ وَلٰکِنَّہٗ حَسَنٌ فَصَلّٰی بِھِمْ عِشْرِیْنَ رَکْعَةً۔

کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب کو حکم دیا کہ رمضان شریف میں لوگوں کو رات کی نماز پڑھائے کہ لوگ دن کو روزہ رکھتے ہیں اور قراءت نہیں جانتے اگر تو ان پر رات کو پڑھے (تو اچھا ہے) ابی بن کعب نے عرض کی اے امیر المومنین یہ شئے پہلے نہ تھی۔ حضرت عمر نے فرمایا میں جانتا ہوں لیکن کام اچھا ہے تو ابی بن کعب نے ان کو بیس رکعت پڑھائیں۔ صاحب کنز العمال نے اس حدیث پر سکوت کیا ہے۔

ان دس حدیثوں سے ثابت ہوا کہ صحابہ تابعین حضرت عمر کے زمانہ میں بیس رکعت پڑھتے تھے۔ بلکہ چوتھی حدیث میں تو صریح ہے کہ حضرت عمر نے بیس رکعت پڑھنے کا حکم دیا۔ عقل سلیم کبھی اس بات کے ماننے کو تیار نہیں۔ کہ حضرت عمر کے زمانہ

ہیں جو صحابی و تابعی تھے۔ وہ حضرت عمر کے حکم بغیر ہی بیس رکعت پڑھتے ہوں اور حضرت عمر کو اس کا علم نہ ہو۔ مخالفین کہتے ہیں کہ بیشک علم تھا مگر چونکہ بطور نفل بیس۲۰ رکعت پڑھتے تھے اس واسطے کبھی کم بھی پڑھتے، بیس رکعت معین کیوں کرتے۔ بیس رکعت کا معین کرنا اس امر پر دلالت کرتا ہے۔ کہ ان کو سرور عالم صلی اللہ وسلم سے بیس۲۰ رکعت کا ثبوت حاصل تھا۔ علاوہ اس کے حضرت عمر کا بیس رکعت پڑھتے ہوئے معلوم کرنا اور جائز رکھنا ان کی تقریر سے ثابت ہوا تو بیس رکعت پر حضرت کی مواظبت تشریعی ثابت ہوئی اور مواظبت تشریعی خلفا کی موجب سنیت ہے۔ بلکہ ضرور حضرت عمر کے حکم سے پڑھتے تھے۔ جیسے کہ یحییٰ بن سعید کی روایت میں تصریح ہے کہ حضرت عمر نے بیس رکعت پڑھانے کا حکم فرمایا ورنہ لازم آتا ہے کہ حضرت عمر تو حکم دیں آٹھ رکعت کا اور صحابہ و تابعین خلیفہ وقت کے حکم کا خلاف کریں اور بیس پڑھیں حاشا جنابھم عن ذالک تو دو حال سے خالی یا تو حضرت عمر کا آٹھ رکعت کا حکم دینا ہی صحیح نہیں۔ امام مالک کا وہم ہے۔ کما قالہٗ ابن عبد البر۔ یا صحابہ و تابعین کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیس۲۰ رکعت پڑھنے کا ثبوت حاصل تھا۔ جس کی وجہ انہوں نے امیر المومنین کے حکم کی پرواہ نہ کی اور بیس۲۰ رکعت پڑھیں۔

گیارہویں حدیث

ابن تیمیہ منہاج السنۃ جلد ۴ صفحہ ۲۲۴ میں لکھتے ہیں۔

عن ابی عبد الرحمٰن السلمی اِنَّ عَلِیًّا دَعَا الْقُرَّاءَ فِیْ رَمَضَانَ فَاَمَرَ رَجُلًا مِنْهُمْ يُصَلِّیْ بِالنَّاسِ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً عَلِیٌّ يُوْتِرُ بِهِمْ۔

کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رمضان شریف میں قاریوں کو بلایا اور ان میں سے ایک کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت پڑھائے اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کو وتر پڑھاتے تھے۔ اس کو بیہقی نے روایت کیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی حضرت

علی کے حکم سے بیس رکعت پڑھتے تھے۔ مخالفین کہتے ہیں کہ اس حدیث میں حماد بن سعیب ہے جو ضعیف ہے۔ میں کہتا ہوں۔ اس حدیث کی دوسری سند بھی ہے وہ یہ ہے۔

بارھویں حدیث

عن ابی الحسناء اِنَّ عَلِیَّ بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اَمَرَ رَجُلاً اَنۡ یُصَلِّی بالنَّاس خَمۡسَ ترویحاتٍ عِشۡرِیۡنَ رَکۡعَۃً ۔ بیہقی

ابی الحسناء کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو حکم کیا کہ لوگوں کو پانچ ترویحے بیس رکعت پڑھائے۔

اس حدیث کی ایک اور سند بھی ہے۔ جو یہ ہے۔

تیرہویں حدیث

عن عمرو بن قیس عن ابی الحسناء اِنَّ عَلِیًّا اَمَرَ رَجُلاً یُصَلِّی بِہِمۡ فِی رَمَضَانَ عِشۡرِیۡنَ رَکۡعَۃً ۔ (اَخۡرَجَہ ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ جوھر النقی)۔

حضرت علی نے ایک آدمی کو حکم کیا۔ کہ رمضان شریف میں لوگوں کو بیس رکعت پڑھائے۔

یہ تینوں روائتیں ایک دوسری کو قوت دیتی ہیں۔ علامہ عینی نے بھی شرح صحیح بخاری جلد ۳ کے ص ۵۹۸ میں بحوالہ مغنی اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ کبیری ص ۳۸۸ شرح منیہ میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔

چودھویں حدیث

علامہ عینی شرح صحیح بخاری میں قیام اللیل مروزی کے حوالہ سے نقل کرتے

ہیں۔

اخبرنا یحیی بن یحیی اخبرنا حفص بن غیاث عن الاعمش عن یزیدا بن

بن وھب قَالَ کَانَ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ مسعود یُصَلِّی لَنَا فِی شَھْرِ رَمَضَانَ

فَیَنْصَرِفُ وَعَلَیْہِ لَیْلٌ قَالَ الْاَعْمَشُ کَانَ یُصَلِّی عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً وَ

یُوْتِرُ بِثَلَاثٍ۔ زید بن وہب کہتے ہیں۔

کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ماہ رمضان میں ہمیں نماز پڑھا کر نکلتے تو ابھی رات باقی ہوتی۔ اعمش کہتے ہیں کہ وہ بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔

اس حدیث سے حضرت عبداللہ بن مسعود کا بیس رکعت تراویح پڑھنا ثابت ہوتا ہے اور عبداللہ بن مسعود وہ شخص تھے جن کی نسبت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

تمسکوا بعھد ابن اُمّ عبد (ترمذی)

کہ عبداللہ بن مسعود کے احکام پر عمل کرو اور فرمایا۔

مَا حَدَّثَکُمْ ابْنُ مَسْعُوْدٍ فَصَدِّقُوْہُ (ترمذی)

جو حدیث عبداللہ بن مسعود بیان کریں۔ اُسے سچ مانو۔ حذیفہ صحابی کہتے ہیں۔

اِنَّ اَشْبَہَ النَّاسِ دَلًّا وَّسَمْتًا وَّھَدْیًا بِرَسُوْلِ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ

وسلم لَابْنُ اُمِّ عَبْدٍ مِنْ حِیْنَ یَخْرُجُ مِنْ بَیْتِہٖ اِلٰی اَنْ یَرْجِعَ

اِلَیْہِ لَا نَدْرِیْ مَا یَصْنَعُ فِیْ اَھْلِہٖ اِذَا خَلَا (بخاری)

کہ سب سے زیادہ مشابہ چال چلن و عادات و اطوار میں رسول کریم کے ساتھ عبداللہ بن مسعود ہیں۔ ابوموسیٰ اشعری کہتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ابن مسعود اور اس کی والدہ کی کثرت آمد و رفت سے ہم ان کو اہل بیت سے سمجھتے تھے۔

پس ایسا شخص جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق و سیرت و اخلاق میں سب سے زیادہ آپ کے ساتھ مشابہ تھا جس کو صحابہ حضور کے گھر آنے جانے کے

سبب آپ کے گھر کا ہی ایک شخص سمجھتے تھے جس کی بابت علامہ عینی نے شرح بخاری جلد ۳ ص۱۲۴ میں لکھا ہے۔

ولم یفارقه الی ان مات رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم۔

کہ عبداللہ بن مسعود حضور علیہ السلام کی وفات شریف تک حضور سے جدا نہیں ہوئے۔ اس سے بھی بیس رکعت تراویح ثابت ہیں۔ اگر حضور علیہ السلام سے ۲۰ بیس رکعت پڑھنا ثابت نہ ہوتا تو یہ کبھی بیس رکعت نہ پڑھتے۔ کیونکہ وہ اتباع سنت میں ہم سب سے زیادہ تھے۔

ہاں کہا جاتا ہے کہ اعمش نے عبداللہ بن مسعود کو نہیں پایا۔ اس لیے یہ روایت منقطع ہے۔ میں کہتا ہوں۔ اعمش تابعی ہیں اور تابعی کی منقطع ہمارے نزدیک بلکہ امام مالک کے نزدیک بھی حجت ہے۔ کما مرّ۔

پندرھویں حدیث

عطا تابعی کہتے ہیں۔

اَدْرَکْتُ النَّاسَ وَھُمْ یُصَلُّوْنَ ثَلَاثًا وَّعِشْرِیْنَ رَکْعَةً بِالْوِتْرِ رواه ابن ابی شیبه۔

کہ میں نے صحابہ کو تیئیس رکعت تراویح معہ وتر پڑھتے پایا۔ اس کو ابن ابی شیبہ نے روایت کیا۔

علامہ نیموی نے اس کی سند کو حسن فرمایا اور سند یہ ہے۔

حدثنا ابن نمیر عن عبد المالك عن عطا الخ۔

اس حدیث کو مروزی نے بھی قیام اللیل ص۹۱ میں ذکر کیا ہے۔

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کا بیس رکعت پر عمل تھا۔ ترمذی جلد اوّل ص۹۹ میں ہے

واکثر اهل العلم علی ماروی عن علی وعمر وغیرهما من اصحاب النبی صلی اللہ علیه وسلم عِشْرِیْنَ رَکْعَةً وهو قول سفیان

الثوری وابن المبارک والشافعی وقال الشافعی ھکذا ادرکت ببلدنا مکۃ یصلون عشرین رکعۃ۔

کہ اکثر اہل علم بیس رکعت کے قائل ہیں۔ جیسے کہ حضرت علی و عمر و دیگر صحابہ سے روایت کیا گیا ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں۔ میں نے مکہ میں لوگوں کو بیس رکعت پڑھتے پایا ہے۔

قال ابن عبد البر وھو قول جمھور العلماء وبہ قال الکوفیون والشافعی واکثر الفقھاء وھو الصحیح عن ابی بن کعب من غیر خلاف من الصحابۃ۔

ابن عبد البر کہتے ہیں کہ یہی قول ہے جمہور علماء کا اسی کے قائل ہیں کوفی اور شافعی اور اکثر فقہا اور یہی صحیح ہے۔ ابی بن کعب سے بغیر خلاف کے صحابہ سے (عینی شرح بخاری جلد ۵ صـ۳۵۷)۔

سولھویں حدیث

بیہقی اپنے سنن میں روایت کرتے ہیں۔

اخبرنا ابو ذکریا بن ابی اسحاق ثنا ابو عبد اللہ محمد بن عبد الوھاب ثنا جعفر بن عون ثنا ابو الخصیب قال کَانَ یُؤُمُّنَا سُوَیْدُ بْنُ غَفْلَۃَ فِیْ رَمَضَانَ فَیُصَلِّیْ خَمْسَ ترویحاتٍ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً۔

ابو الخصیب کہتے ہیں کہ سوید بن غفلہ تابعی رمضان شریف میں ہماری امامت کراتے تھے (ہمیں بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے۔

سوید بن غفلہ جلیل القدر تابعی ہیں بلکہ ابن قانع نے ان کو صحابہ میں ذکر کیا ہے۔ (تہذیب) مدینہ شریف میں۔ اس روز آئے جس روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کیا گیا تھا۔ (تقریب) ۸۰ھ یا ۸۱ھ ہجری میں آپ فوت

ہوئے۔ ایک سو تیس سال کی عمر پائی۔ خلفاء اربعہ کا زمانہ پایا اور ان سے روایت کی۔ (تہذیب)

ایسے جلیل القدر تابعی بیس رکعت پڑھاتے ہیں، کیا عقل سلیم باور کر سکتی ہے۔ کہ ان کے پاس بیس رکعت کا کوئی ثبوت نہ تھا، ہرگز نہیں۔ اس حدیث کی سند حسن ہے۔ (آثار السنن تہذیب التہذیب ص۲۷۸ جلد ۴ اور تذکرہ الحفاظ جلد اول ص۱۶ میں سوید کو ابی بن کعب کے شاگردوں سے لکھا ہے جس سے معلوم ہوا کہ ان کا بیس رکعت پڑھنا ابی بن کعب سے ماخوذ ہے۔

سترھویں حدیث

ابی بن ابی شیبہ مصنف میں فرماتے ہیں۔

وکیع عن نافع بن عمر قال کان ابن ابی ملیکۃ یصلی بنا فی رمضان عشرین رکعۃ۔ (آثار السنن)

نافع بن عمر کہتے ہیں کہ ابن ابی ملیکہ تابعی رمضان شریف میں بیس رکعت پڑھاتے تھے اس کی سند صحیح ہے۔

یہ ابن ابی ملیکہ وہ جلیل القدر تابعی ہیں جنہوں نے تیس صحابہ کو دیکھا، تہذیب میں تو ۸۰ صحابہ کا دیکھنا لکھا ہے۔ اگر صحابہ کرام میں بیس رکعت تراویح کا عام رواج نہ ہوتا۔ تو یہ تابعی کیوں بیس رکعت پڑھتے، معلوم ہوا۔ کہ صحابہ کے زمانہ میں عموماً بیس رکعت پڑھی جاتی تھیں۔ اسی طرح تابعیوں کے زمانہ میں بھی بیس رکعت پڑھی گئیں اور یہ بات مسلم ہے کہ یہ لوگ ہم سے زیادہ متبع سنت تھے۔ اگر سنت سے بیس رکعت کا ثبوت نہ ہوتا تو یہ لوگ ہرگز بیس نہ پڑھتے۔

اٹھارھویں حدیث

عن سعید بن عبید ان علی بن ربیعۃ کان یصلی بھم فی رمضان

خَمْسَ تَرْوِيْحَاتٍ وَيُوْتِرُ بِثَلَاثٍ اخرجه ابن ابی شیبة ۔

سعید بن عبید کہتے ہیں کہ علی بن ربیعہ تابعی رمضان شریف میں ہمیں پانچ ترویحے بیس رکعت اور تین وتر پڑھاتے تھے۔ اس کو ابن ابی شیبہ نے فضل بن دکین سے اس نے سعید بن عبید سے روایت کیا ہے۔ اس کی سند صحیح ہے ۔

انیسویں حدیث

عن عبد الله بن قیس عن شتیر بن شکل اِنَّهٗ كَانَ يُصَلِّيْ فِيْ رَمَضَانَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً والوتر اخرجه ابوبكر بن ابی شیبه ۔

عبداللہ بن قیس کہتے ہیں کہ شتیر بن شکل تابعی رمضان شریف میں بیس رکعت تراویح اور وتر پڑھاتے تھے۔ اس کو ابوبکر بن ابی شیبہ نے روایت کیا۔

بیسویں حدیث

عن ابی البختری اِنَّهٗ كَانَ يُصَلِّيْ خَمْسَ ترويحاتٍ فِيْ رَمَضَانَ وَيُوْتِرُ بِثَلَاثٍ اخرجه ابن ابی شیبه ۔

ابو البختری تابعی رمضان شریف میں پانچ ترویحے (بیس رکعت) پڑھاتے اور تین رکعت وتر اس کو ابن ابی شیبہ نے روایت کیا۔

اس کی سند میں کوئی تردد نہیں۔ علامہ نیموی کو ایک راوی خلف میں تردد ہے (میں کہتا ہوں یہ خلف بن حوشب کوفی ہیں جو ثقہ ہیں۔ خلاصہ میں شعبہ انکا شاگرد لکھا ہے۔

علامہ عینی شرح صحیح بخاری جلد پنجم صنہ ۳۵۵ میں فرماتے ہیں۔

واما القائلون به من التابعین شتیر بن شکل وابن ابی ملیکه والحارث الهمدانی وعطاء ابن ابی رباح وابو البختری و سعید بن ابی الحسن البصری وعبد الرحمٰن بن ابی بکر و

عمران العبدی۔

یعنی تابعیوں میں سے شتیر بن شکل و ابن ابی ملیکہ و حارث ہمدانی و عطا بن ابی رباح و ابو البختری و سعید بن ابی الحسن البصری و عبد الرحمٰن بن ابی بکرہ و عمران عبدی بیس رکعت تراویح کے قائل ہیں۔

مذکورہ بالا دلائل اور سلفِ صالحین کے معمولات سے صاف ظاہر ہے۔ کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام میں بیس رکعت تراویح کا عرف و تعامل تھا۔ عام طور پر سب لوگ بیس رکعت پڑھتے تھے۔ آٹھ رکعت کا کوئی تعامل نہ تھا۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ بیان مذاہب میں ید طولے رکھتے ہیں۔ انہوں نے بھی آٹھ رکعت تراویح کسی کا مذہب نقل نہیں کیا۔ چنانچہ ہم پندرھویں حدیث میں ترمذی کا قول نقل کر چکے ہیں۔ معلوم ہوا کہ محدثین کے زمانہ میں بھی آٹھ رکعت تراویح کسی کا مذہب نہ تھا۔ ورنہ امام ترمذی اسے ضرور نقل کرتے۔

ائمہ اربعہ کا مذہب

امام اعظم و امام شافعی مالک و امام احمد رحمہم اللہ ان چاروں اماموں میں سے کسی ایک کا مذہب آٹھ رکعت نہیں ہے۔ یہ لوگ زہد میں تقویٰ میں علم میں اتباع سنت میں آج کل کے نئے مجتہدوں سے یقیناً زیادہ تھے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ان میں سے کسی نے اپنا مذہب آٹھ رکعت تراویح تجویز نہیں کیا۔ کیا وہ حدیثیں جو آج ان نئے مجتہدوں کو ملتی ہیں۔ ان کو نہیں ملی تھیں۔ مسلمانو! کچھ تو انصاف کرو۔ کیوں سلف صالحین کے طریق کو چھوڑتے ہو اور اپنا ایک نیا مذہب ایجاد کرتے ہو؟ دیکھو امام شعرانی رحمۃ اللہ میزان ص ۱۵۳ میں فرماتے ہیں۔

من ذالك قول ابی حنیفۃ والشافعی واحمد ان صلوٰۃ التراویح فی شهر رمضان عشرون رکعۃ وانها فی الجماعۃ افضل مع قول مالك فی احدے روایات عنه انها ستۃ وثلاثون رکعۃ۔

کہ امام ابوحنیفہ و احمد و شافعی تراویح بیس رکعت فرماتے ہیں اور جماعت کے ساتھ افضل کہتے ہیں۔ امام مالک ایک روایت میں چھتیس رکعت کہتے ہیں۔

رحمۃ الامہ فی اختلاف الائمہ میں ہے۔

ومن السنن صلوٰۃ التراویح فی شہر رمضان عند ابی حنیفۃ والشافعی واحمد وھی عشرون رکعۃ۔

اس کے آگے فرماتے ہیں کہ امام مالک سے روایت کی گئی ہے کہ تراویح چھتیس رکعت ہے اور امام ابوحنیفہ و احمد و شافعی کے نزدیک بیس رکعت

قیام اللیل صـ۹۲ میں ہے۔

رایت الناس یقومون بالمدینۃ تسعا وثلاثین رکعۃ قال واحب الیّ عشرون قال وکذالک یقومون بمکہ۔

امام شافعی فرماتے ہیں میں نے لوگوں کو مدینہ شریف میں ۳۹ رکعت پڑھتے دیکھا ہے اور مجھے بیس رکعت محبوب ہیں۔ اسی طرح یعنی بیس رکعت مکہ میں پڑھتے ہیں۔

الروض المربع ۔ جو فقہ حنبلی کی ایک معتبر کتاب ہے۔ اس کے مصنف نے خطبہ میں لکھا ہے کہ میں امام احمد کے معتبر قول لکھوں گا۔ اس میں لکھا ہے۔

التراویح سنۃ موکدۃ عشرون رکعۃ لماروی ابوبکر عبدالعزیز فی الشافی عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یُصَلِّیْ فی شہر رمضان عشرین رکعۃ۔

کہ تراویح بیس رکعت سنت مؤکدہ ہے۔ اس واسطے کہ شافی میں ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف میں بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے۔

معلوم ہوا کہ امام احمد کے نزدیک بیس رکعت تراویح ہیں۔

عینی شرح بخاری صـ۵۹۸ ج ۳ میں فرماتے ہیں۔

الثانی ان عددها عشرون رکعۃ وبہ قال الشافعی واحمد ونقلہ القاضی عن جمھور العلماء۔

کہ امام شافعی واحمد کے نزدیک اور جمہور علماء کے نزدیک اس کی تعداد بیس رکعت ہے۔

امام مالک کے نزدیک چھتیس رکعت ہے۔ اس میں آپ نے اہل مدینہ کے عمل سے حجت پکڑی ہے۔ علامہ عینی اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ اہل مکہ بجز ترویحہ خامسہ کے ہر چار رکعت کے بعد طواف کعبہ کیا کرتے تھے۔ تو اہل مدینہ نے ان کی مساوات کے لیے ہر چار رکعت کے بعد بجائے طواف چار رکعت زیادہ کیں۔ یہ سولہ رکعتیں طواف کے عوض زیادہ کیں۔ اس لیے چھتیس پڑھتے تھے۔ اصل تراویح امام مالک کے نزدیک بیس رکعت ہیں۔ امام سیوطی نے بھی امام مالک سے چھتیس رکعت نقل کی ہیں اور فرمایا کہ اہل مدینہ نے بجائے طواف چار رکعت مقرر کیں (المصابیح) معلوم ہوا کہ جس طرح آٹھ رکعت تراویح صحابہ و تابعین کے معمول کے خلاف ہے۔ اسی طرح چاروں اماموں کے بھی خلاف ہے۔ کسی امام کا مذہب آٹھ رکعت نہیں۔

سوال:۔ علامہ عینی نے شرح صحیح بخاری اور سیوطی نے مصابیح میں بحوالہ ابن جوزی لکھا ہے۔ کہ امام مالک نے اپنے لیے گیارہ رکعت پسند کیں۔

جواب:۔ علامہ عینی و ابن جوزی نے امام مالک کا زمانہ نہیں پایا۔ اور انہوں نے اس قول کی کوئی سند نہیں لکھی۔ تو ایسا قول جس کی سند نہ ہو۔ معتبر نہیں ہوتا بالخصوص وہ قول جو ان کے مذہب کی کتابوں کے روایات کے خلاف ہو۔

ہدایۃ المجتہد ص ۱۷۹ ج ا میں ہے۔

واختلفوا فی المختار من عدد الرکعات التی یقوم بھا الناس فی رمضان فاختار مالک فی احد قولیہ وابو حنیفۃ والشافعی واحمد وداؤد القیام بعشرین رکعۃ سوی الوتر وذکر ابن القاسم عن مالک انہ کان

یستحسن ستا وثلاثین رکعۃ والوتر ثلاثا۔

یعنی تراویح میں مختار عدد میں اختلاف ہے۔ ایک قول میں امام مالک ابو حنیفہ، شافعی، احمد، داود ظاہری نے علاوہ وتر کے بیس رکعت پسند کیں۔ ابن قاسم نے امام مالک سے روایت کی کہ وہ چھتیس رکعت کو مستحسن جانتے تھے۔

معلوم ہوا کہ چاروں اماموں کا مذہب بیس رکعت تھا۔ اگر کچھ اختلاف تھا تو بیس سے زائد میں تھا۔ آٹھ رکعت کسی کا مذہب نہ تھا۔ نہ صحابہ کا نہ تابعین کا نہ ائمہ مجتہدین کا۔

حضرت پیر سیّد عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ کا مذہب

غنیہ ص۵۶۴ میں تراویح کے باب میں فرماتے ہیں۔

صلوٰۃ التراویح سنۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

کہ نماز تراویح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ پھر ص۵۶۷ میں فرماتے ہیں۔ وھی عشرون رکعۃ۔ وہ بیس رکعت ہیں۔ یہ وہ پیر صاحب ہیں جن کی کتاب سے سند لے کر آج کل کے بے ادب وہابی اپنی کم فہمی کے سبب بڑی جرأت کے ساتھ حنیفہ کو مرجیہ کہتے ہیں اور پیر صاحب کو امام اور مجتہد مانتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں کہ انہوں نے حنیفہ کو مرجیہ کہا۔ بلکہ بعض گستاخ تو پیر صاحب کے ذمہ بہتان لگاتے ہیں کہ انہوں نے معاذ اللہ امام اعظم رحمۃ اللہ کو مرجیہ کہا۔ آج دیکھئے اسی پیر پر کیا فتویٰ لگاتے ہیں جس نے فرمایا کہ تراویح سنت ہیں۔ اور وہ بیس رکعت ہیں۔ کیا پیر صاحب کو آٹھ رکعت والی حدیث نہیں ملی کیا وہ اتباع سنت میں تم سے کم تھے۔ یا حدیث کا مطلب سمجھنے میں تم سے کم علم تھے۔ یا وہ اہل حدیث نہ تھے بتاؤ ان پر کیا فتوے لگاؤ گے؟

امام نووی شارح مسلم اپنی کتاب الاذکار ص۸۳ میں فرماتے ہیں

ق ... سے ہی صلی اللہ تعالیٰ علیہ

اعلم ان صلوٰۃ التراویح سنۃ باتفاق العلماء وھی عشرون رکعۃ۔

کہ نماز تراویح باتفاق علماء سنت ہے اور وہ بیس رکعت ہے۔

دیکھو امام نووی کس پایہ کے محدث تھے۔ صحیح مسلم کے شارح تھے۔ حضرت عائشہ کی حدیثوں کو جانتے ہیں۔ پھر بھی بیس رکعت تراویح کی سنیت کے قائل ہوئے کیا ان کو اتباع سنت کا خیال نہ تھا۔ کیا وہ تم سے کم علم تھے؟

امام غزالی رحمہ اللہ

احیاء العلوم جلد اول ص ۱۳۹ میں فرماتے ہیں۔

الثانیۃ التراویح وھی عشرون رکعۃ وکیفیتھا مشھورۃ وھی سنۃ موکدۃ۔

کہ تراویح بیس رکعت سنت موکدہ ہیں۔

پس اگر آٹھ رکعت تراویح کا کوئی ثبوت ہوتا تو حضرت غزالی رحمہ اللہ اس کا ذکر کرتے۔ بلکہ اس پر عامل ہوتے۔

جمہور اہل اسلام کا اجماع

شیخ عبد الحق محدث دہلوی ماثبت بالسنۃ میں فرماتے ہیں۔

والذی اتفقوا الامر علیہ واشتھر من الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم اجمعین ھو العشرون من الصدر الاول الی الآن۔

کہ صدر اول صحابہ کرام سے لے کر آج تک جس پر اتفاق ہو گیا۔ وہ بیس رکعت ہی ہیں۔

قسطلانی شرح بخاری میں کہتے ہیں

وجمع البیہقی بینھما بانھم کانوا یقومون باحدی عشرۃ ثم

قاموا بعشرین وا وتروا بثلاث وتدعدوا ما وقع فی زمن عمر کالاجماع ۔
بیہقی کہتے ہیں۔ کہ پہلے گیارہ رکعت پڑھتے تھے۔ پھر بیس رکعت اور تین وتر پڑھنے لگے۔ اور جو حضرت عمر کے زمانہ میں واقع ہوا۔ انہوں نے اُسے اجماع شمار کیا۔
علامہ عینی نے بھی شرح بخاری میں۔ وھذا کالاجماع لکھا ہے۔
کشف الغمہ میں ہے۔ واستقر الامر علی ذالک فی الامصار۔ کہ بیس رکعت پر سب شہروں میں عمل مستقر ہوگیا۔
یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے حضرت عمر نے گیارہ کا حکم دیا ہو۔ پھر امر منکشف ہو جانے پر بیس رکعت کی تکمیل کر دی ہو۔ یعنی حدیث بست رکعت کے مل جانے پر بیس کا حکم دے دیا ہو۔ علامہ شامی لکھتے ہیں۔
ھو قول الجمھور وعلیہ عمل الناس شرقا وغربا۔
کہ بیس رکعت جمہور کا قول ہے اور اسی پر مشرق مغرب میں لوگوں کا عمل ہے۔

بیس رکعت کی حکمت

بحر الرائق میں بحوالہ امام حلبی لکھا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ فرائض کے لیے سنن مکملات ہیں۔ یعنی فرضوں میں اگر کچھ نقص ہو تو سنتوں سے پورا کیا جائے گا۔ چونکہ فرائض مع وتر بیس رکعت ہیں۔ دو رکعت۔ فجر۔ چار ظہر۔ چار عصر۔ تین مغرب۔ چار عشاء۔ تین وتر۔ اس لیے تراویح جو کہ سنت ہیں۔ وہ بھی بیس رکعت مقرر ہوئیں تاکہ مکمَّل اور مکمِّل میں مساوات ہو۔ اسی طرح در مختار میں لکھا ہے الحمد للہ کہ ہم بیس رکعت کے دلائل سے فارغ ہوئے۔ ان دلائل پر جو اعتراضات منجانب مخالفین کیے گئے ہیں۔ ان کے جوابات نہایت شرح و بسط سے دیے جا چکے ہیں اب ہم آٹھ رکعت والوں کے دلائل کا جواب لکھتے ہیں۔ بعون اللہ تعالیٰ وتوفیقہ۔

مخالفین کے دلائل اور ان کا جواب

پہلی دلیل آٹھ رکعت تراویح کے ثبوت میں سب سے بڑی دلیل جو پیش کی جاتی ہے، وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے۔ جس میں انہوں نے ابوسلمہ کے جواب میں فرمایا۔

مَاکَانَ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یَزِیْدُ فِی رَمَضَانَ وَلَا فِی غَیْرِہٖ عَلٰی اِحْدٰی عَشَرَ رَکْعَۃً یُصَلِّی اَرْبعًا فَلَا تَسْئَلْ عن حُسْنِھِنَّ وَطُولِھِنَّ ثُمَّ یُصَلِّی اَرْبعًا فَلَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِھِنَّ وطُولِھِنَّ ثُمَّ یُصَلِّی ثَلَاثًا قَالَتْ عَائِشَۃُ فَقُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہ اَتنَامُ قَبْلَ اَنْ تُوتِرَ فَقَالَ یَاعَائِشَۃُ اِنَّ عَیْنَیَّ تنَامَانِ وَلَا یَنَامُ قَلْبِیْ۔

ابوسلمہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ حضور علیہ السلام کی (رات کی نماز) رمضان شریف میں کیسی تھی؟ آپ نے جواب میں فرمایا۔ کہ آپ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں کرتے تھے۔ چار رکعت پڑھتے ان کی حسن وخوبی نہ پوچھو (یعنی بہت عمدگی اور طوالت سے پڑھتے، پھر چار رکعت پڑھتے ان کی عمدگی اور طول بھی قابل سوال نہیں، پھر تین رکعت پڑھتے۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ کیا آپ وتروں سے پہلے سوجاتے ہیں۔ فرمایا میری آنکھیں سوجاتی ہیں اور دل نہیں سوتا۔

اس حدیث سے ثابت کیا جاتا ہے کہ حضور علیہ السلام کی نماز تراویح آٹھ رکعت تھی، آپ آٹھ سے زیادہ نہیں کرتے تھے۔ رمضان ہو یا غیر رمضان۔

اگرچہ ہم پیچھے مفصل ذکر کر چکے ہیں کہ تہجد اور تراویح دو الگ الگ نمازیں ہیں۔ اور اس حدیث میں نماز تہجد کا بیان ہے۔ جو کہ غیر رمضان میں بھی پڑھی جاتی ہے۔ مگر آج ہم ذرا اس حدیث کو تفصیل کے ساتھ بیان کرنا چاہتے ہیں اور بفضلہ تعالےٰ ثابت کریں گے کہ اس حدیث سے نماز تراویح کے آٹھ رکعت ہونے پر

استدلال صحیح نہیں۔

پہلا جواب یہ حدیث ہی مضطرب ہے۔ اس میں ابو سلمہ کے جواب میں حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ کہ حضور علیہ السلام رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں کرتے تھے اور کیفیت میں بیان کیا کہ چار پھر چار اور تین رکعت پڑھتے اور وتروں سے پہلے سو جاتے۔ یہی حدیث صحیح مسلم ص ۲۵۱ میں بروایت یحییٰ عن ابی سلمہ آئی ہے۔

قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ كَانَ يُصَلِّيْ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً يُصَلِّيْ ثَمَانَ رَكَعَاتٍ ثُمَّ يُوْتِرُ ثُمَّ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ فَاِذَا اَرَادَ اَنْ يَّرْكَعَ قَامَ فَرَكَعَ ثُمَّ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ بَيْنَ النِّدَاءِ وَالْاِقَامَةِ مِنْ صَلٰوةِ الصُّبْحِ ۔

اس حدیث میں ابو سلمہ کے جواب میں حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور تیرہ رکعت پڑھتے تھے۔ پہلے آٹھ رکعت پھر وتر پھر دو رکعت بعد وتر بیٹھ کر پھر دو رکعت سنت فجر۔

اس جواب میں اور پہلے جواب میں فرق ہے۔ اس میں گیارہ رکعت اس میں تیرہ اس میں پہلے چار پھر چار۔ اس میں پہلے آٹھ رکعت پھر وتر۔ پھر دو رکعت۔ اگر وتر تین رکعت ہوں تو باقی نماز دس رکعت ہو گی۔ اگر ایک وتر ہو تو بارہ رکعت باقی نماز ہو گی اگر اس حدیث میں تراویح کا بیان ہے تو تراویح دس رکعت یا بارہ رکعت ماننی پڑے گی۔

پھر یہی حدیث صحیح مسلم ص ۲۵۵ میں بروایت یحییٰ آئی ہے کہ ابو سلمہ نے حضرت عائشہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا سوال کیا تو حضرت عائشہ نے جواب میں نو رکعت مع وتر فرمایا۔ اگر پہلی حدیث کے مطابق وتر تین رکعت تھے تو باقی نماز چھ رکعت ہو گی۔

پھر یہی حدیث صحیح مسلم ص ۲۵۵ میں بروایت عبداللہ بن ابی لبید عن ابی سلمہ

آئی ہے۔

أَتَيْتُ عَائِشَةَ فَقُلْتُ أَيْ أُمَّهْ أَخْبِرِيْنِي عَنْ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَتْ كَانَتْ صَلٰوتُهٗ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ وَغَيْرِهٖ ثَلٰثَ عَشَرَةَ رَكْعَةً بِاللَّيْلِ مِنْهَا رَكْعَتَا الْفَجْرِ۔

اس روایت میں ابو سلمہ کے جواب میں حضرت عائشہ نے تیرہ رکعت کی نماز مع سنت فجر فرمائی۔

ان چاروں حدیثوں کو مسلم اپنی صحیح میں ایک ہی باب میں لایا ہے ان چاروں میں ابو سلمہ سائل ہے اور حضرت عائشہ جواب دیتی ہیں۔ کسی میں گیارہ رکعت کسی میں تیرہ کسی میں نو۔ تو اس حدیث سے یہ بھی متعین نہیں ہو سکتا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہ رکعت پڑھیں یا تیرہ یا نو۔ اور تہجد کی آٹھ رکعت ہے، یا چھ رکعت یا دس یا بارہ اسی واسطے بعض محدثین نے اس حدیث کو مضطرب فرمایا اور حدیث مضطرب قابل حجت نہیں ہوتی۔

سیف بنارسی بحث حدیث عقیقہ میں اہل حدیث ۹ رجون ۱۹۲۲ء میں لکھتے ہیں۔

"بسا اوقات سند کے تمام راوی ثقہ ہوتے ہیں۔ لیکن متن حدیث میں اضطراب ہوتا ہے۔ اس صورت میں وہ بھی رتبہ مقبول سے گر جاتی ہے۔" انتہی۔

دوسرا جواب یہ حدیث خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیثوں کے خلاف ہے۔ بخاری ص ۱۵۶ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ بِاللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشَرَةَ رَكْعَةً ثُمَّ يُصَلِّيْ إِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ بِالصُّبْحِ رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ۔

کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کی نماز تیرہ رکعت پڑھتے تھے پھر صبح کی

اذان سنتے تو دو رکعت سنت ہلکی پڑھتے۔
اس حدیث میں علاوہ سنت فجر کے تیرہ رکعت ہے۔ جو گیارہ رکعت سے یقیناً زائد ہے۔ اور اس حدیث میں حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آپ گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں کرتے تھے۔ پھر آپ ہی تیرہ فرماتے ہیں۔ جو زائد ہیں۔ اسی طرح بخاری ص۱۵۳ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

كَانَ صَلٰوةُ النَّبِىِّ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّم ثَلٰثَ عَشْرَ ةَ رَكْعَةً يَعْنِىْ بِاللَّيْلِ۔

کہ حضور علیہ السلام کی رات کی نماز تیرہ رکعت تھی۔ بخاری ص۱۵۳ میں حضرت عائشہ سے حضور علیہ السلام کی رات کی نماز سات نو گیارہ رکعت آئی ہے۔
مسند احمد جلد ۶ ص۳۰ میں حضرت عائشہ سے آپ کی نماز و رکعات مع وتر آئی ہے۔ عروہ حضرت عائشہ سے رات کی نماز دس رکعت اور ایک وتر روایت کرتے ہیں۔ (مسند احمد ص۳۵ جلد ۶) آٹھ رکعت اور پانچ وتر کل تیرہ رکعت بھی حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ (مسند احمد ص ۵۰/۲۴ ج ۶) آٹھ رکعت ایک قعدہ سے اور نو پر سلام پھر دو رکعت بیٹھ کر بھی آیا ہے۔ (مسند ص ۵۴۔۹۷۔۲۳۶) گیارہ رکعت ہر دو رکعت پر سلام پھر ایک وتر (مسند جلد ۶ ص۸۳) آٹھ رکعت ہر دو رکعت پر سلام پھر پانچ وتر ایک سلام سے (مسند ص۱۶۳ ج ۶) اسی واسطے بعض محدثین نے حضرت عائشہ کی حدیث کو مضطرب فرمایا۔ تو ایسی مضطرب حدیث سے آٹھ رکعت تراویح کا ثبوت نہیں ہو سکتا علامہ ابن حجر عسقلانی و علامہ زرقانی نے اس حدیث کا مضطرب ہونا بعض محدثین سے نقل کیا ہے۔ اگرچہ ابن حجر نے اس کا جواب دیا ہے مگر ہمیں یہ دکھانا منظور ہے۔ کہ اس حدیث کو مضطرب کہنے میں ہم متفرد نہیں ہیں۔ بلکہ متقدمین میں سے بعض علماء مضطرب فرما چکے ہیں۔ رہی یہ بات کہ ابن حجر نے اضطراب کا جواب دیا ہے ہمیں تو اس جواب میں بھی کلام ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ راوی ایک ہو اور ایک ہی وقت سے سوال ہو تو اضطراب ہو سکتا ہے۔ یہاں اوقات متعددہ اور احوال مختلفہ پر

محمول ہے۔ میں کہتا ہوں حدیث عائشہ میں ایک ہی راوی ابو سلمہ ہے جو سوال کرتا ہے۔ اسی کے جواب میں اختلاف ہے تو اضطراب ثابت ہو گیا۔ اس حدیث کا یہ حال دیکھ کر ابن تیمیہ وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ تراویح کی تعداد کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ اگر حدیث عائشہ دربارہ تراویح ہوتی یا اس میں اضطراب نہ ہوتا تو ابن تیمیہ وغیرہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تراویح کی تعداد کے عدم ثبوت پر جزم نہ فرماتے۔

تیسرا جواب اس حدیث کے تمام طرق دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ ابو سلمہ نے حضور علیہ السلام کی رمضان شریف کی تہجد کا سوال کیا اور اسی کا حضرت عائشہ نے جواب دیا۔ البتہ راویوں میں سے کسی نے لفظ اللیل کو بہ سبب اختصار چھوڑ دیا اور کسی نے لفظ رمضان کو۔ چنانچہ بخاری رحمہ اللہ کی روایت میں سوال کے یہ لفظ ہیں۔

کیف کانت صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان

اس حدیث میں راوی نے اللیل ذکر نہیں کیا۔ لیکن امام بخاری نے باب میں اللیل کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللّیل فی رمضان وغیرہٖ۔

اہل علم سے مخفی نہیں کہ امام بخاری ترجمہ میں ایسے الفاظ نقل کرتے ہیں۔ جو احادیث میں دوسری سند سے آتے ہیں۔ دیکھو یہی حدیث مسند احمد صفحہ ۲۴۹ جلد ۲ میں بروایت یحییٰ عن ابی سلمہ آئی ہے۔

قال سالت عائشۃ عن صلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باللّیل فقالت کان یصلی ثَلٰثَ عَشَرَۃَ رَکْعَۃً الحدیث۔

اس حدیث میں سوال میں لیل کا لفظ موجود ہے۔ ابو سلمہ کہتے ہیں میں نے حضرت عائشہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کے متعلق پوچھا تو انہوں نے تیرہ رکعت فرمایا۔ معلوم ہوا کہ ابو سلمہ کا سوال نماز تہجّد سے تھا۔ اس

حدیث میں رمضان کا ذکر نہیں اور لیل کا ذکر ہے ۔ پہلی حدیث میں رمضان کا ذکر ہے لیل کا ذکر نہیں ۔ تو معلوم ہوا کہ یہ راویوں کا اختصار ہے ۔ اصل میں سوال صلوٰۃ اللیل فی رمضان ہے اور وہ تہجد ہے ۔ پس یہ حدیث تراویح کے ثبوت میں پیش نہیں ہو سکتی "۔

چوتھا جواب حدیث میں رمضان اور غیر رمضان کی تصریح ہے اور ظاہر ہے ۔ کہ غیر رمضان میں تراویح نہیں ۔ تہجد ہے ۔ تو معلوم ہوا ۔ کہ یہ حدیث تہجد کے بارہ میں ہے ۔

پانچواں جواب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ سوال اَتَنَامُ قَبْلَ اَنْ تُوْتِرَ کہ آپ وتروں سے پہلے سو جاتے ہیں ؟ اور آپ کا یہ جواب کہ میری آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا ۔ اس بات پر دلیل ہے کہ یہ سوال و جواب اس نماز کے بارہ میں ہیں ۔ جو سو کر اٹھنے کے بعد پڑھی جاتی ہے اور وہ تہجد ہے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے فتاویٰ عزیزی میں بھی یہی لکھا ہے ۔

" ظاہر است کہ نوم قبل از وتر در نماز تہجد متصور مے شود نہ در غیر آں "۔

چھٹا جواب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جس میں مَا کَانَ یَزِیْدُ فِیْ رمضان آیا ہے ۔ اس کے راوی امام مالک ہیں ۔ اگر یہ حدیث تراویح کے بارہ میں ہوتی تو امام مالک رضی اللہ عنہ اپنا مذہب آٹھ رکعت تراویح قرار دیتے اور ہم پیچھے لکھ آئے ہیں ۔ کہ امام مالک کا مذہب آٹھ رکعت نہیں قیام اللیل ص۱۹۲ اور مدونہ مالک میں ہے ۔

قال مالك بعث الی الامیر واراد ان ينقص من قيام رمضان الذی كان يقومه الناس بالمدينة وهو ست وثلاثون ركعة قال مالك فنهيته ان ينقص من ذالك شيئا وقلت له هذا ما ادركت الناس عليه وهذا الامر القديم الذی لم يزل الناس عليه ۔

امام مالک کہتے ہیں کہ حاکم شہر نے میری طرف آدمی بھیجا کہ مدینہ میں جو لوگ چھتیس رکعت تراویح پڑھتے ہیں یہ کم کر دی جائیں۔ امام مالک فرماتے ہیں۔ میں نے منع کیا کہ اس سے کم ہرگز نہ کی جائیں اور کہا کہ اسی پر ہم نے لوگوں کو پایا ہے۔ اور یہی امر قدیم ہے۔ جس پر ہمیشہ لوگ قائم ہیں۔

ہم پیچھے لکھ آئے ہیں کہ اصل تراویح امام مالک کے نزدیک بھی بیس رکعت ہے اور سولہ رکعت عوض طواف زائد ہے۔ لیکن امام مالک جو حدیث عائشہ کے راوی ہیں۔ باوجود اس کے کہ ان کو یہ حدیث ملی۔ پھر بھی تراویح کی تعداد چھتیس سے کم نہ ہونے دی۔ اگر یہ حدیث دربارہ تراویح ہوتی تو آپ آٹھ رکعت تراویح اپنا مذہب ٹھہراتے اور ضرور حاکم شہر کے حکم کی تعمیل کر کے چھتیس رکعت سے کم کر کے آٹھ رکعت مقرر کرتے تاکہ سنت نبوی کا احیاء ہو جاتا اور حاکم وقت بھی خوش ہو جاتا معلوم ہوا کہ یہ حدیث امام مالک کے نزدیک بھی تہجد کے بارہ میں ہے۔

ساتواں جواب | اس حدیث کو ابوسلمہ سے چار شخص روایت کرتے ہیں۔ سعید مقبری، یحییٰ بن ابی کثیر، محمد، عبداللہ بن ابی لبید۔ لیکن بجز سعید کے ابوسلمہ کے سوال میں رمضان کا لفظ کوئی بھی روایت نہیں کرتا مولوی ابراہیم سیالکوٹی رسالہ نظام الکلام میں لکھتے ہیں۔ اصطلاح محدثین میں شذوذ یہ ہے کہ کوئی ثقہ راوی کسی روایت میں ایک جماعت حفاظ کا خلاف کرے۔ حالانکہ استاد سب کا ایک ہی ہو خواہ وہ خلاف سند میں ہو۔ خواہ متن میں خواہ کسی لفظ کے زیادہ کرنے میں انتہی۔ (دیکھو اہلحدیث ۹ رنومبر ۱۹۲۳ء) مولوی ابراہیم کے اس قول کے مطابق لفظ رمضان اس حدیث میں شاذ ہے جس کو بجز سعید دوسرا روایت نہیں کرتا۔ تاہم سب روایات کے ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام کی تہجد کا سوال تھا کہ رمضان میں کچھ زیادہ تو نہ تھی۔ جس کا جواب ام المومنین نے یہ دیا کہ آپ کی تہجد رمضان اور غیر رمضان میں برابر تھی۔

آٹھواں جواب | ابوسلمہ نے حضرت ابوہریرہ سے سنا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے قیام رمضان کا ثواب فرمایا ہے تو خیال گزرا کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف کی تہجد میں بھی کچھ اضافہ کرتے ہوں گے۔ اس لیے حضرت عائشہ سے دریافت کیا کہ رمضان شریف میں حضور کی تہجد کی نماز کیسی تھی؟ انہوں نے جواب دیا۔ ماکان یزید ...... الی آخرہ۔

نواں جواب | یہ حدیث امام احمد نے مسند میں بھی روایت کی۔ پھر بھی آپکا مذہب آٹھ رکعت تراویح نہیں۔ اگر یہ حدیث تراویح کے بارہ میں ہوتی تو امام احمد کیوں فرماتے؟

روی فی ھذا الوان لم یقض فیہ لبشیٔ (ترمذی)

یعنی اس بارہ میں مختلف روایات آئی ہیں۔ کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا۔

ہم پیچھے لکھ آئے ہیں کہ امام احمد کا مذہب بھی بیس رکعت ہے تو معلوم ہوا کہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا امام احمد کے نزدیک بھی تراویح کے بارہ میں نہیں۔

دسواں جواب | بعض روایات میں تعداد رکعات میں فجر کی دو سنتوں کو بھی شمار کیا گیا ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم کی وہ حدیث جو عبداللہ بن ابی لبید نے ابوسلمہ سے اس نے حضرت عائشہ سے روایت کی ہے۔ اس میں فجر کی سنتوں کا ذکر ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث تہجد کے بارہ میں ہے۔ کیونکہ تہجد کے بعد جلدی صبح ہو جاتی ہے اور صبح کے بعد دو رکعت سنت فجر بھی شمار کی گئی۔ ورنہ تراویح جو کہ اول شب میں قبل از نوم پڑھی جاتی تھیں اُن کے ساتھ سنت فجر کا شمار کوئی معنے نہیں رکھتا۔

گیارہواں جواب | حافظ ابن حجر فتح الباری صلہ ج ۴ میں فرماتے ہیں۔

وسیاتی بعد خمسۃ ابواب من روایۃ ابی سلمۃ عنہا ان ذالک کان اکثر ما یصلیہ فی اللیل ولفظہ ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہٖ علی احدی عشرۃ رکعۃ۔

یعنی حدیث عائشہ میں حضور علیہ السلام کی رات کی نماز (تہجد) کا اکثری عمل بیان

ہوا ہے۔ ابن حجر کی اس تصریح سے بھی معلوم ہوا کہ یہ حدیث تہجد کے بارہ میں ہے۔ تو اس کو تراویح کی تعداد کے لیے پیش کرنا صحیح نہیں۔ اور یہ عذر کہ تراویح و تہجد ایک ہی ہے۔ اس کا جواب ہم مفصل لکھ آئے ہیں۔ فلا نعیدہ۔

بارھواں جواب اس حدیث ابوسلمہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو سوال ہے اس کے الفاظ ہیں۔ کیف کانت صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان۔ کہ حضور علیہ وسلم کی رمضان میں نماز کیسی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ سوال نماز پنجگانہ کے متعلق نہیں تھا۔ ضرور کوئی اور نماز تھی جس کی بابت ابوسلمہ کو حضرت عائشہ سے دریافت کرنے کی ضرورت ہوئی۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ نماز تراویح جو کہ حضور علیہ السلام نے تین روز مسجد میں پڑھی اس میں بکثرت صحابہ موجود تھے۔ اگر ابوسلمہ اس نماز کی کیفیت پوچھتے تو کسی صحابی سے پوچھتے۔ جس نے ان دنوں میں حضور کے ساتھ نماز ادا کی ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کرنا بجز اس کے اور کوئی وجہ نہیں رکھتا کہ وہ نماز تہجد سے پوچھنا چاہتے تھے اور حضرت عائشہ بہ نسبت رجال صحابہ کے نماز تہجد کی زیادہ واقف تھیں۔ اس لیے ابوسلمہ کو ان سے تہجد کی کیفیت دریافت کرنے کی ضرورت ہوئی تو یہ حدیث نماز تراویح کے عدد کے لیے دلیل نہیں ہو سکتی۔ فللہ الحمد۔

سوال:- اس حدیث کو امام محمد نے مؤطا میں باب قیام شہر رمضان میں ذکر کیا ہے اور عبدالحی نے حاشیہ میں اس کے معنی تراویح کیے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث تراویح کے بارہ میں ہے۔

جواب:- قیام رمضان جیسے نماز تراویح سے حاصل ہوتا ہے۔ نماز تہجد سے بھی حاصل ہوتا ہے۔ رمضان شریف کی تہجد پر بھی قیام رمضان بولا جا سکتا ہے۔ عبدالحی حاشیہ مؤطا ص ۱۳۹ میں زیر حدیث کان یرغب الناس فی قیام رمضان لکھتے ہیں۔

ای صلوٰۃ التراویح قالہ النووی وقال غیرہ بل مطلق الصلوٰۃ

الحاصل بها قیام اللیل۔

علامہ زرقانی اتنا اور زیادہ کرتے ہیں۔

کا التھجد سرا و اغرب الکرمانی فی قولہ الفقوان المراد بقیام رمضان صلوٰۃ التراویح۔

یعنی نووی کہتا ہے۔ کہ مراد قیام رمضان سے نماز تراویح ہے اور نووی کے سوا دوسرے کہتے ہیں کہ مطلق نماز مراد ہے۔ جس سے قیام اللیل حاصل ہو۔ (خواہ وہ نماز تراویح ہو یا تہجد)

پس چونکہ رمضان شریف کی تہجد پر بھی قیام رمضان بولا جاتا ہے۔ اس لیے امام محمد نے قیام رمضان کے باب میں تہجد کی حدیث کو ذکر کر دیا۔ واللہ اعلم

نوٹ:۔ آٹھ رکعت تراویح پر زور دینے والوں کی مایہ ناز حدیث یہی تھی۔ جس کے مفصل جواب سے بفضلہ تعالیٰ ہم فارغ ہو چکے ہیں۔ اب ان کی دوسری دلیل سنئے۔

دوسری دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ جس کو محمد بن نصر نے قیام اللیل میں روایت کیا۔ علامہ ذہبی نے بھی میزان میں نقل کیا ہے۔

قَالَ صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلّٰی اللہ علیہ وسلم فِی رَمَضَانَ لَیْلَۃً ثَمَانَ رَکْعَاتٍ وَالْوِتْرَ فَلَمَّا کَانَ مِنَ الْقَابِلَۃِ اجْتَمَعْنَا فِی الْمَسْجِدِ وَرَجَوْنَا اَنْ یَخْرُجَ اِلَیْنَا فَلَمْ نَزَلْ فِیْہِ حَتّٰی اَصْبَحْنَا قَالَ اِنِّی کَرِہْتُ وَخَشِیْتُ اَنْ یُکْتَبَ عَلَیْکُمُ الْوِتْرُ۔

جابر کہتے ہیں۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان شریف میں ایک رات آٹھ رکعت نماز اور وتر پڑھے۔ پھر جب اگلی رات آئی تو ہم مسجد میں جمع ہوئے۔ ہم اسی امید میں رہے کہ حضور تشریف لائیں گے۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ مگر آپ نہ آئے فرمایا کہ میں ڈر گیا کہ تم پر وتر فرض نہ کر دیے جائیں۔

یہ حدیث غیر مقلدین کی انتہائی دلیل ہے۔ کہتے ہیں کہ اس میں انہی راتوں کا ذکر ہے۔ جن میں حضور علیہ السلام نے تراویح پڑھائی اور اس میں آٹھ رکعت کی تصریح

ہے۔ معلوم ہوا کہ تراویح آٹھ رکعت ہی سنت ہیں۔

میں کہتا ہوں یہ حدیث تراویح کے بارہ میں نہیں ہے، بلکہ وتروں کے بارہ میں ہے، کیونکہ حدیث میں خاص تصریح ہے خشیت ان یکتب علیکم الوتر۔ کہ میں تم پر وتروں کے فرض ہونے سے ڈر گیا، معلوم ہوا کہ یہ کوئی دوسرا واقعہ ہے جس میں حضور نے وتروں کی جماعت کرائی، پھر دوسری رات کو بہ سبب خوف افتراض وتر نہ نکلے نماز تراویح تو آپ نے تین رات جماعت کرائی پھر چوتھی رات کو نہ نکلے اور اس حدیث میں ایک رات جماعت کرنا، پھر دوسری رات نہ نکلنا۔ مروی ہے معلوم ہوا کہ یہ کوئی اور واقعہ ہے۔ اس لیے تراویح کے ثبوت میں اس حدیث کو پیش کرنا صحیح نہیں ''۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ اگر یہ قصہ ایک ہو تو احتمال ہے کہ جابر تیسری رات آیا ہو۔ اس وقت صحیح ہوسکتا ہے۔ کہ پہلے قصہ ایک ثابت ہوجائے اور وہ ثابت نہیں بلکہ اس کے اس لکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کو قصہ کے ایک ہونے کا یقین نہیں۔ اس لیے تشکیہ بیان کرتے ہیں، جب یہ قصہ ایک ثابت نہیں تو یہ حدیث دربارہ تراویح نہ ہوئی۔ تو اس سے تراویح کی تعداد کے لیے استدلال نہیں۔

(۲) علاوہ اس کے یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ طبرانی معجم صغیر میں اس حدیث کے اخیر میں فرماتے ہیں۔ لا یروی عن جابر بن عبد اللہ الا بھذا الاسناد۔ کہ جابر بن عبداللہ سے یہ حدیث اسی سند کے ساتھ روایت کی گئی ہے۔ اس کی اور کوئی سند نہیں۔ اب طبرانی کی سند سنو۔

حدثنا عثمان بن عبید اللہ الطلحی الکوفی ثنا جعفر بن حمید ثنا یعقوب بن عبد اللہ القمی عن عیسیٰ بن جاریۃ عن جابر بن عبد اللہ قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی شہر رمضان الخ

میزان الاعتدال میں ذہبی نے بھی یہی سند لکھی ہے۔ قیام اللیل میں بھی یہی

سند ہے۔

اس حدیث میں عیسیٰ بن جاریہ ہے جس پر حدیث کا مدار ہے۔
ابن معین کہتا ہے۔ عندہ مناکیر۔ کہ اس کے پاس منکر حدیثیں ہیں۔
نسائی اس کو منکر الحدیث اور متروک کہتا ہے۔
ابوداؤد بھی منکر الحدیث کہتے ہیں۔
ساجی اور عقیلی نے اس کو ضعفا میں لکھا ہے۔
ابن عدی فرماتے ہیں۔ احادیثہ غیر محفوظۃ۔ کہ اس کی حدیثیں محفوظ نہیں۔ (میزان وتہذیب التہذیب)
تقریب میں فیہ لین لکھا ہے۔
دوسرا راوی یعقوب قمی ہے جس کو میزان میں بحوالہ دارقطنی لیس بالقوی لکھا ہے کہ یہ قوی نہیں۔
تقریب میں صدوق یہم لکھا ہے۔
قیام اللیل کی روایت میں محمد بن حمید رازی بھی ہیں جس کو تقریب میں ضعیف لکھا ہے۔
یعقوب بن شیبہ اس کو کثیر المناکیر۔
اور بخاری فیہ نظر فرماتے ہیں۔
ابو زرعہ اس کو کاذب کہتا ہے (میزان)
اور بیہقی اپنے سنن میں کہتے ہیں کہ قوی نہیں۔
امام بخاری جس کو فیہ نظر فرمائیں وہ متہم واہی متروک الحدیث ہوتا ہے۔
(الرفع والتکمیل صـ۲۸)

اب ناظرین خود انصاف فرماویں کہ جس حدیث کے راویوں کا یہ حال ہو وہ بھی قابل حجت ہو سکتی ہے۔ ہرگز نہیں۔

(۲) تعداد رکعت کے ذکر میں عیسیٰ بن جاریہ منفرد ہیں یعنی ان راتوں کی نمازیں کسی

ثقہ کی روایت میں تعداد منقول نہیں۔ صرف عیسیٰ بن جاریہ روایت کرتے ہیں۔ اور وہ ثقہ نہیں اس لیے ان کی یہ زیادت مقبول نہیں اور ہم مولوی ابراہیم سیالکوٹی کے رسالہ نظام الکلام سے ثابت کر آئے ہیں۔ کہ ثقہ بھی کوئی لفظ اپنے استادوں سے زیادہ کرے تو وہ روایت شاذ ہوتی ہے۔ چہ جائیکہ کہ ایک ضعیف راوی کوئی لفظ زیادہ کرے۔ اس کی وہ زیادۃ بالاتفاق مقبول نہیں ہوتی۔

محدثین تصریح کرتے ہیں کہ کسی حدیث میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے تراویح کی تعداد ثابت نہیں۔ چنانچہ سیوطی رحمۃ اللہ مصابیح میں فرماتے ہیں۔

انما صلی لیالی لم۔ یذکر عددھا۔

کہ حضور نے جو نماز چند راتیں پڑھی۔ اس کا عدد مذکور نہیں۔ پھر آگے فرماتے ہیں۔

لوثبت عددھا بالنص لم تجز الزیادۃ علیہ لاھل المدینۃ۔

اگر اس کی تعداد نص سے ثابت ہوتی تو اہل مدینہ کو اس پر زیادہ کرنا جائز نہ ہوتا اسی طرح ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں۔ ابن تیمیہ نے بھی ایسا ہی لکھا ہے اگر حدیث جابر صحیح ہوتی یا یادر بارہ تراویح ہوتی تو محدثین ایسا کیوں لکھتے معلوم ہوا کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

سوال:۔ ذہبی نے میزان میں اس حدیث کی سند کو وسط فرمایا ہے یعنی درمیان ہے پھر آپ ضعیف کیوں کہتے ہیں؟

جواب:۔ ہم اس حدیث کا حال محدثین سے نقل کر چکے ہیں۔ پھر آپ ہی انصاف کریں کہ جس حدیث میں عیسیٰ بن جاریہ سا شخص منکر الحدیث اور متروک ہو اس کی سند وسط کیسے ہو سکتی ہے۔ ہم ذہبی کی رائے کے مقلد نہیں ہیں کہ ایسے مجروح راویوں کی سند کو وسط مان لیں۔ علاوہ اس کے ذہبی اس کی سند کو غیر صحیح کہتا ہے نہ حسن بلکہ وسط کہتا ہے اور وسط کا قابل حجت ہونا ثابت کرنا چاہیے۔

سوال:۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ میں جو حدیث

فتح الباری میں لایا ہوں وہ صحیح یا حسن ہوگی۔ تو حدیث جابر فتح الباری میں موجود ہے۔
اس لیے یہ حدیث صحیح یا حسن ضرور ہوگی۔

جواب:- ہماری تحقیق میں یہ حدیث ضعیف ہے، حافظ ابن حجر نے جو تعریف صحیح یا حسن کی شرح میں کی ہے۔ وہ تعریف اس حدیث پر صادق نہیں آتی۔ اس لیے یہ حدیث نہ صحیح ہے نہ حسن بلکہ ضعیف ہے، اگر حافظ ابن حجر کا یہ قول صحیح ہے، تو پھر حدیث یزید بن رومان جس کو امام مالک نے روایت کیا ہے۔ وہ بھی فتح الباری میں موجود ہے۔ اس کو کیوں منقطع کہا جاتا ہے۔ کیوں نہیں حسن یا صحیح مانا جاتا اسی طرح حدیث یزید بن خصیفہ عن السائب اور حدیث محمد بن یوسف عن السائب دربارہ بیس رکعت تراویح فتح الباری میں موجود ہے۔ پھر کیوں ان کو حسن یا صحیح نہیں مانا جاتا۔ فما ھو جوابکم عن قول ابن حجر فھو جوابنا۔

تیسری دلیل | موطا امام مالک میں سائب بن یزید سے روایت ہے کہ حضرت عمر نے ابی بن کعب و تمیم داری کو گیارہ رکعت پڑھنے کا حکم فرمایا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ روایت شاذ ہے اور مضطرب وجہ اضطراب یہ ہے۔ کہ سائب سے تین شخص روایت کرتے ہیں، محمد بن یوسف و یزید بن خصیفہ و حارث بن ابی ذباب، محمد بن یوسف سے پانچ شخص روایت کرتے ہیں، امام مالک و عبدالعزیز بن محمد، محمد بن اسحاق، یحیی بن سعید، داؤد بن قیس محمد بن یوسف سے بیس رکعت روایت کرتا ہے۔ دیکھو حدیث ۱۹ امام مالک اور یحیی اور عبدالعزیز گیارہ رکعت محمد بن اسحاق تیرہ رکعت، لیکن امر حضرت عمر بجز مالک اور کوئی شاگرد محمد بن یوسف کا روایت نہیں کرتا اور یزید بن خصیفہ سے تین شخص روایت کرتے ہیں۔ ابن ابی ذئب و محمد بن جعفر دیکھو حدیث ۱ و ۲ و امام مالک دیکھو حدیث ۳ کا ضمن، یہ تینوں بالاتفاق یزید بن خصیفہ سے بیس رکعت روایت کرتے ہیں اگر اس اضطراب کے رفع کے لیے ترجیح دی جائے تو یزید بن خصیفہ کی روایت کو دی جائے گی، کیونکہ اس کے تینوں شاگرد بیس رکعت پر متفق ہیں اور محمد بن یوسف کے شاگرد مختلف ہیں۔ ان میں بھی ایک

نے بیس رکعت روایت کی ہے اور اس کی تائید ان دو اثروں سے بھی ہوتی ہے۔ جس کو یزید بن رومان اور یحیی بن سعید نے روایت کیا ہے۔ ابن عبدالبر نے بھی محمد بن یوسف کی اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ دوسری وجہ ترجیح یہ ہے کہ حازمی نے ناسخ منسوخ میں لکھا ہے کہ جس روایت سے صحابہ پر کوئی الزام آتا ہو اس کو مرجوع اور جس سے الزام نہ آتا ہو۔ اس کو راجح قرار دیا جائے گا تو گیارہ رکعت کی حدیث کو ترجیح دینے سے بیس پڑھنے والے صحابہ پر مخالفت امیر کا الزام لازم آتا ہے اس لیے بیس رکعت والی کو ترجیح ہوگی جس میں کوئی الزام نہیں اگر ترجیح نہ دی جائے تو بیہقی کے قول موافق جمع کی جائے گی۔ ورنہ حدیث کو مضطرب ماننا پڑے گا اور شاذ کی وجہ یہ ہے کہ گیارہ رکعت کے امر فرمانے میں امام مالک منفرد ہیں ان کے سوا کسی نے حضرت عمر کے گیارہ رکعت امر فرمانے کو روایت نہیں کیا۔ یہ امام مالک کا وہم ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اس حدیث کو سائب بن یزید سے تین شخص روایت کرتے ہیں۔ محمد بن یوسف یزید بن خصیفہ اور حارث بن ابی ذباب یزید بن خصیفہ اور حارث بیس رکعت روایت کرتے ہیں۔ دیکھو حدیث ۱، ۲، ۸ محمد بن یوسف بھی ایک روایت میں بیس رکعت روایت کرتے ہیں۔ دیکھو حدیث ۹ غرض کہ سائب بن یزید سے اس کے تینوں شاگرد محمد بن یوسف و یزید بن خصیفہ و حارث بیس رکعت تراویح بالاتفاق روایت کرتے ہیں۔ صرف ایک روایت میں محمد بن یوسف گیارہ کا امر روایت کرتے ہیں۔ جو سائب کے دوسرے شاگردوں کے خلاف بلکہ خود محمد بن یوسف کی اپنی روایت کے بھی خلاف ہے اس لیے اس روایت میں وہم کا یقین غالب ہے۔ اسی بناء پر ابن عبدالبر نے اس روایت میں گیارہ رکعت کو وہم فرمایا۔" جیسے کہ علامہ زرقانی نے شرح موطا میں نقل کیا ہے۔

قال ابن عبد البر روی غیر مالک فی هذا الحدیث احد وعشرون وهو الصحیح ولا اعلم احدا قال فیه احدی عشرة الا مالکا و یحتمل ان یکون ذالك اولا ثم خفف عنهم طول القیام ونقلهم

الی احدی وعشرین الا ان الاغلب عندی ان قولہ احدی عشرۃ وھم۔ انتھی۔

ابن عبد البر فرماتے ہیں۔ کہ اس حدیث میں (یعنی حدیث امر عمر میں) مالک کے سوا دوسروں نے اکیس رکعت روایت کی ہیں اور یہی صحیح ہے میں نہیں جانتا کہ کسی نے اس حدیث میں بجز مالک کے گیارہ رکعت کہا ہو۔ احتمال ہے کہ پہلے یہ ہو پھر طول قیام سے تخفیف کر کے اکیس رکعت کر دی ہوں۔ مگر میرے نزدیک اغلب یہ ہے کہ گیارہ رکعت کا قول وہم ہے۔

میں کہتا ہوں۔ ابن عبد البر نے نہایت صحیح فرمایا۔ حضرت عمر کے گیارہ رکعت امر کرنے میں امام مالک کا کوئی متابع نہیں۔ سیوطی نے جو سعید بن منصور کی روایت میں عبد العزیز بن محمد کو متابع لکھا ہے اور آثار السنن میں یحییٰ بن سعید قطان کو یہ دونوں حضرت عمر کا امر بیان نہیں کرتے۔ جس سے معلوم ہوا کہ امر بیان کرنے میں امام مالک منفرد ہیں۔ اگر کسی میں ہمت ہے۔ تو حضرت عمر کے امر کا کوئی متابع قوی دکھائے۔ ودونہ خرط القتاد۔ اب مولوی ابراہیم سیالکوٹی کا فیصلہ سنو جو انہوں نے رسالہ نظام الکلام میں لکھا ہے۔ کہ ثقہ راوی کسی روایت میں اپنے ہم استادوں کا خلاف کرے۔ خواہ کسی لفظ کے زیادہ کرنے میں یا کم کرنے میں وہ روایت شاذ ہوتی ہے اور حدیث صحیح کے لیے ضروری ہے کہ وہ شذوذ سے مبرا ہو۔ (اہلحدیث ۹ رنومبر ۱۹۲۳ء) معلوم ہوا۔ کہ امر حضرت عمر کا بجز امام مالک کسی نے روایت نہیں کیا۔ لہٰذا یہ روایت شاذ ہوئی جو ضعیف ہوتی ہے۔

سوال۔ کیا امام مالک سے وہم ہو سکتا ہے؟

جواب:۔ ہاں آخر بشر ہیں اور مقتضائے بشریت سے کون خالی ہے۔

مولانا عبد الحی الرفع والتکمیل صـ۱۹ میں فرماتے ہیں۔

قال الذھبی فی میزانہ فی ترجمۃ ھشام بن عروۃ لاعبرۃ بما قالہ ابو الحسن القطان من انہ وسھیل بن ابی صالح اختلطا

وتغير انعم الرجل تغير قليلا ولم يبق حفظه كهو في حال الشباب فنسي بعض محفوظه او وهم فكان ماذا هو معصوم من النسيان۔ ومثل هذا يقع لمالك ولشعبه ولوكيع والكبار الثقات۔

ذہبی میزان میں ہشام بن عروہ کے ترجمہ میں فرماتے ہیں۔ ہاں اسے تھوڑا تغیر ہوگیا تھا اور اس کا حفظ الیسا نہ رہا۔ جیسا کہ زمانہ جوانی میں تھا تو بعض محفوظات کو بھول گیا یا اسے وہم ہوگیا تو اس میں کیا ہے۔ کہ وہ نسیان سے معصوم ہے۔ ایسا تو مالک اور شعبہ اور وکیع اور بڑے اکابر ثقات میں بھی پایا جاتا ہے۔

مولوی ابراہیم سیالکوٹی نظام الکلام میں لکھتے ہیں کہ وہم بعض وقت بڑے لوگوں کو بھی لگ جاتا ہے۔ دیکھو نظام الکلام مندرجہ اہل حدیث ۳۰ر نومبر ۱۹۲۳ء الحاصل یہ حدیث تفرد ثقہ کی بناء پر شاذ ہے۔ یا بقول ابن عبدالبر وہم ہے۔ بہرصورت قابل حجت نہیں۔ اس حدیث میں ابن اسحاق تیرہ رکعت روایت کرتا ہے۔ لیکن ابن اسحاق حالت انفراد میں حجت نہیں۔ علاوہ اس کے تیرہ رکعت میں اگر ایک رکعت وتر مانا جائے۔ جیسا کہ غیر مقلدین کا مذہب ہے تو نماز تراویح بارہ رکعت سنت ماننا پڑے گا۔ ورنہ دس رکعت تو صرف آٹھ رکعت سنت کہنے والوں کا دعویٰ غلط ہو جائے گا۔

علاوہ اس کے اس حدیث میں یہ ذکر نہیں کہ ابی بن کعب کتنی رکعتیں پڑھاتے تھے۔ یہ ذکر تو ہے کہ حضرت عمر نے گیارہ رکعت کا حکم دیا۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ابی بن کعب اس حکم کی تعمیل کس طرح کرتے تھے ہم حدیث ۶، ۱۰ میں مفصل لکھ آئے ہیں کہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیس رکعت پڑھاتے تھے۔ اگر حضرت عمر نے انہیں گیارہ رکعت کا حکم دیا تو وہ بیس کیوں پڑھاتے رہے۔ انہوں نے امیر المومنین کے حکم خلاف کیوں کیا اور امیر المومنین کیوں خاموش رہے۔

سوال :- اس لیے خاموش رہے کہ بیس رکعت پڑھنا منع نہیں تھا ؟

جواب: تمہارے نزدیک حضور علیہ السلام سے بیس رکعت ثابت نہیں اور جو امر حضور سے ثابت نہ ہو وہ آپ کے نزدیک بدعت وناجائز ہوتا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ تراویح بیس رکعت بدعت وناجائز نہ ہو۔ پھر بدعت پر حضرت عمر کیوں خاموش رہے۔ خصوصاً جب کہ بیس رکعت پڑھنا حضور کی سنت اور حضرت عمر کے امر کے خلاف ہو۔ اس کی وجہ سوائے اس کے نہیں یا تو حضرت عمر کا گیارہ رکعت کا امر فرمانا صحیح نہیں راوی کا وہم ہے یا شاذ ہے۔ یا حضور علیہ السلام سے بیس رکعت پڑھنے کا انہیں علم حاصل تھا۔ جس کی وجہ سے انہوں نے خلیفہ کے حکم کی پرواہ نہیں کی۔ اگر ابی بن کعب کا گیارہ رکعت پڑھانا ثابت بھی ہو جائے تو بھی آخر الامر میں بیس رکعت ہی ہے۔ جس پر اجماع منعقد ہو گیا۔ جیسے کہ بیہقی وسیوطی نے لکھا ہے۔

جواب دیگر: اس حدیث کو امام شافعی نے بھی امام مالک سے روایت کیا پس اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو امام شافعی اپنا مذہب بیس رکعت کیوں قرار دیتے۔ وہ بھی حضرت عمر کے حکم کے مطابق گیارہ رکعت ہی مذہب رکھتے معلوم ہوا کہ امام شافعی کے نزدیک بھی یہ حدیث قابل حجت نہ تھی۔

جواب دیگر: اس حدیث کو امام مالک نے روایت کیا۔ پھر بھی اپنا مذہب آٹھ رکعت نہیں رکھا۔ معلوم ہوا کہ ان کو بیس رکعت والی روایت جو انہوں نے یحیی بن سعید سے روایت کی ہے۔ اس پر اعتماد ہوتا تو آٹھ رکعت نقل کرتے ہیں اس کا جواب ہم لکھ آئے ہیں کہ غلط اور بے سند ہے۔ قابل غور امر یہ ہے۔ کہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔ ما کان یزید فی رمضان الخ۔ امام مالک ہی روایت کرتے ہیں۔ پھر حضرت عمر کا گیارہ رکعت کا امر بھی امام مالک ہی روایت کرتے ہیں۔ اپنا عمل بیس رکعت والی روایت پر رکھتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ امام مالک کے نزدیک تراویح کے متعلق یہی روایت بیس رکعت والی صحیح ہے۔ علاوہ اس کے حضرت عمر کا حکم ایک صحابی کا قول ہے اور مخالفین مانتے ہیں

کہ صحابہ کا قول فعل حجت نہیں تو اُن کے اپنے مانے ہوئے اصول کے مطابق بھی یہ حدیث حجت نہ ہوئی کیونکہ صحابی کا قول ہے۔

اگر آپ اپنے اس اصول کو چھوڑ کر صحابی کے قول فعل کو حجت مان لیں تو بیس رکعت کا حکم بھی حضرت عمر سے ثابت ہے۔ کما مر۔ اور بیس رکعت تراویح پڑھنا دوسرے صحابہ سے ثابت ہے اس لیے ان کو بھی حجت مان لینا چاہیے۔ فافهم فانه من مزلة الاقدام

چوتھی دلیل عن جابر جاء ابی بن کعب الخ حضرت جابر سے روایت ہے کہ ابی بن کعب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رمضان میں آئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ رات کو ایک بات ہو گئی کہ میرے گھرانے کی عورتوں نے کہا کہ ہم قرآن نہیں پڑھتیں، تم ہمیں نماز پڑھاؤ، ہم تمہارے پیچھے نماز پڑھیں گی۔ تو میں نے آٹھ رکعت اور وتر پڑھائے۔ آنحضرت نے سن کر سکوت فرمایا۔ (قیام اللیل ص ۹۰)

میں کہتا ہوں اس حدیث کی سند وہی ہے، جس میں محمد بن حمید رازی اور یعقوب قمی اور عیسیٰ بن جاریہ ہیں۔ دیکھو عون المعبود حاشیہ ابوداؤد اور ان تینوں کا حال ہم پیچھے لکھ آئے ہیں، کہ محمد بن حمید اور عیسیٰ بن جاریہ ضعیف ہیں اور دارقطنی نے یعقوب قمی کو بھی کہا ہے کہ قوی نہیں۔ پس یہ حدیث بھی ضعیف ہوئی۔ وَلِلّٰہِ الحمد۔

سوال:۔ ابن ہمام جو کہ حنفی مذہب میں بڑے پایہ کے عالم ہیں وہ آٹھ رکعت تراویح کو سنت اور بیس رکعت کو مستحب کہتے ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے؟

جواب:۔ ابن ہمام کا یہ قول جمہور علماء حنفیہ کے خلاف ہے۔ بلکہ ان کے اپنے قول کے بھی خلاف ہے، بلکہ احادیث و آثار کے بھی خلاف ہے۔ اس لیے قابلِ عمل نہیں۔

سوال:۔ ماثبت بالسنۃ میں شیخ عبدالحق نے بعض سلف سے نقل کیا ہے۔ کہ وہ عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں گیارہ رکعت پڑھتے تھے۔

جواب: شیخ عبدالحق رحمہ اللہ نے اس کی کوئی سند نہیں لکھی تاکہ صحت یا ضعف معلوم ہو۔ بلکہ اس کو بصیغۂ تمریض لکھا ہے۔ جو ضعف پر دال ہے علاوہ اس کے اس بعض کا نام بھی نہیں لکھا۔ کہ وہ کون تھے۔ اس لیے قابل حجت نہیں ہاں اس کے آگے جو شیخ عبدالحق صاحب نے لکھا ہے۔ وہ بھی پڑھو۔ آپ فرماتے ہیں۔

والذی استقر علیہ الامر واشتھر من الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم ھو العشرون۔

کہ وہ تعداد جو کہ ٹھہر گئی اور صحابہ و تابعین اور ان کے بعد کے لوگوں میں مشہور چلا آتا ہے۔ وہ بیس رکعت ہیں۔

الحاصل نماز تراویح بیس رکعت سنت ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے تابعین تبع تابعین و آئمہ اربعہ رضی اللہ عنہم سے بیس رکعت ہی ثابت ہیں آٹھ رکعت تراویح کسی کا مذہب نہیں۔ اہل اسلام کو اسی پر عمل کرنا لازم ہے تاکہ اختلاف سے بچ جائیں اور یہ نماز سب کے نزدیک درست ہو جائے ورنہ درصورت آٹھ رکعت پڑھنے کے جمہور صحابہ و تابعین و تبع تابعین وغیرہم کے نزدیک تارک سنت ہو گا۔

ولیکن ھذا اٰخر ما اوردنا فی ھذا الباب والحمد للہ رب العٰلمین

کتاب التراویح

پر

مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی

کے

اعتراضات کے جوابات

تعارف

فقیر ابو یوسف محمد شریف برادران اسلام کی خدمت میں عرض پرداز ہے۔
کہ فقیر نے بیس تراویح کے ثبوت میں ایک کتاب لکھی ہے جو 'کتاب التراویح' کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک کہ اہل علم کے حلقہ میں اس کتاب کو بہت مقبولیت ہوئی۔ اپنے تو اپنے ہیں، بیگانوں نے بھی تسلیم کیا کہ اس موضوع پر یہ کتاب لاجواب ہے۔

سیالکوٹ کے وہابیوں نے مولوی محمد ابراہیم صاحب کو "کتاب التراویح" کا جواب لکھنے پر اکسایا۔ مولوی صاحب کو معلوم تھا کہ اس کتاب کا جواب لکھنا بہت مشکل ہے۔ اس لیے وہ ٹالتے رہے۔ جب تقاضا شدت اختیار کر گیا تو انہوں نے بڑی جانفشانی سے جواب لکھا جس کا نام 'انارۃ المصابیح لاداء صلوۃ التراویح' رکھا۔ اس رسالہ میں بظاہر تو انہوں نے میری کتاب کا جواب لکھا۔ لیکن حقیقت میں ثابت کر دیا کہ 'کتاب التراویح' ایک ایسی کتاب ہے جس کا جواب غیر مقلدین کے پاس نہیں۔

اپنی کتاب میں انہوں نے مجھ پر ذاتی اعتراضات اور نازیبا کلمات سے بھی گریز نہیں کیا۔ جن کا تذکرہ میں مناسب نہیں سمجھتا۔ البتہ ان کے اعتراضات اور تنقیدات کو نقل کر کے جوابات تحریر کروں گا۔ تاکہ عامۃ الاحناف کو فائدہ پہنچے اور اس فقیر کے حق میں دعائے خیر کریں کہ ایمان پر خاتمہ اور سرکارِ ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب ہو۔ آمین

فقیر ابو یوسف محمد شریف غفرلہٗ

محلِ اعتراض

میں نے کتاب التراویح میں بحوالہ سنن کبری بیہقی سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی حدیث لکھی کہ وہ فرماتے ہیں:-

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ رمضان شریف میں بیس رکعت (تراویح) پڑھتے تھے۔

مولوی محمد ابراہیم صاحب نے انارۃ المصابیح میں اس کا کوئی جواب نہیں دیا اور نہ ہی اس کا ضعف ثابت کر سکے۔

البتہ ہم نے کتاب التراویح میں معرفۃ السنن بیہقی کے حوالہ سے ایک اور حدیث لکھی جس کی سند یہ ہے۔

اخبرنا ابو طاہر الفقیہ قال اخبرنا ابو عثمان البصری قال ثنا ابو احمد محمد بن عبد الوہاب قال اخبرنا خالد بن مخلد قال ثنا محمد بن جعفر الخ

اعتراض

اس پر مولوی ابراہیم صاحب فرماتے ہیں:-

"اس میں ابو عثمان بصری راوی قابل اعتبار نہیں"

اب ملاحظہ فرمائیے ان کی تصریحات:-

(۱) حافظ ابن حجر نے تقریب میں کہا:-

المعتزلی المشہور کان داعیۃ الی البدعۃ اتہمہ جماعۃ

(۲) امام بخاری الضعفاء الصغیر میں فرماتے ہیں:-

عمرو بن عبید البصری ابو عثمان ترکہ یحیی القطان

(۳) امام نسائی کتاب الضعفاء والمتروکین میں فرماتے ہیں:-

عمرو بن عبید بن باب بصری متروک الحدیث ابو عثمان

(۴) حافظ صفی الدین خلاصہ میں فرماتے ہیں :-

عمرو بن عبید التمیمی مولاھو ابو عثمان البصری رأس

المعتزلہ ترکہ عمرو بن علی وکذبہ یونس بن عبید -

خلاصہ یہ کہ ایسے شخص کی روایت معتبر نہیں ۔ (انارۃ المصابیح ص۲۷)

جواب :

میں کہتا ہوں بے شک ابو عثمان بصری عمرو بن عبید ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ نے لکھا ہے۔ لیکن ہم نے جو حدیث لکھی ہے جسے آپ ضعیف بنانے میں کوشاں ہیں اس میں عمرو بن عبید نہیں ہے۔ آپ کی حدیث دانی کا یہ نمونہ ہے کہ آپ معلوم نہ کر پائے کہ اس حدیث میں جو راوی ابو عثمان ہے وہ عمرو بن عبید ہے یا کوئی اور؟ جناب والا! اگر آپ کو حدیث میں عبور ہوتا تو آپ معلوم کر لیتے کہ یہ عمرو بن عبید نہیں۔ افسوس کہ آپ کا سارا زور رائگاں گیا۔ آپ تو لکھتے ہیں کہ فنِ حدیث میں حنفیہ کا قدم پیچھے ہے۔ اب آپ ہی بتائیے کہ فنِ حدیث میں کوتاہ نظر کون ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ہندوستان میں علم حدیث حنفیہ کرام ہی لائے ہیں سب سے پہلے شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے حدیث کی اشاعت فرمائی، پھر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی و شاہ عبد العزیز و شاہ اسحٰق علیہم الرحمۃ سے اس کا شیوع ہوا۔ مولانا احمد علی سہارنپوری نے کتب احادیث پر حواشی لکھ کر اپنے مطبع میں چھپوائیں۔ علامہ زیلعی و صاحب مجمع البحار و ابن ہمام سب کے سب کون تھے؟ حنفی تھے۔ جن کے خوشہ چین آجکل کے اہل حدیث ہیں۔ تعجب ہے کہ یہ لوگ حنفیہ کے شاگرد ہو کر حنفیہ پر ہی طعن کرتے ہیں۔

مولوی ابراہیم صاحب! آپ مولوی غلام حسین ساہووالیہ کے شاگرد ہیں اور

وہ مولانا غلام مرتضیٰ کے شاگرد تھے، جو کہ حنفی تھے۔ آپ کے دوسرے استاد حافظ عبدالمنان وزیرآبادی تھے، وہ شاگرد تھے مولوی نذیر حسین دہلوی کے اور وہ شاگرد تھے مولانا اسحاق دہلوی کے جو کہ حنفی تھے، اسی طرح آپ کے مولوی ثناء اللہ صاحب شاگرد ہیں مولانا احمد حسن کانپوری کے جو کہ حنفی تھے، مولوی ثناء اللہ صاحب کے دوسرے استاد محمود الحسن دیوبندی ہیں اور وہ بھی حنفی تھے۔ تو آپ کو سوچنا چاہیے کہ:۔

نمک خوردن و نمک دان شکستن کارِ خردمندان نیست ۔

ابو عثمان بصری، عمرو بن عبید نہیں

ابو عثمان بصری جو کہ ابو احمد محمد بن عبدالوہاب سے روایت کرتا ہے۔ وہ عمرو بن عبید نہیں، جیسا کہ مولوی ابراہیم صاحب نے سمجھا ہے۔

(۱) بلکہ وہ عمر بن عبداللہ بصری ہے۔ میں نے کتاب التراویح میں تصریح بھی کر دی ہے، پھر بھی مولوی ابراہیم صاحب نہ سمجھ سکے۔

(۲) علامہ ظہیر احسن شوق نیموی آثار السنن ج ۲ کے صفحہ ۵۴ میں فرماتے ہیں۔

اما ابو عثمان البصری فھو عمرو بن عبد اللہ البصری روی عنہ ابو طاھر الفقیہ و ابو محمد الحسن بن علی بن مومل وغیرھما۔

یعنی عثمان بصری کا نام عمرو بن عبداللہ بصری ہے جس سے ابو طاہر فقیہ اور حسن بن علی وغیرہما روایت کرتے ہیں۔

علامہ نیموی کی تصریح بھی مولوی ابراہیم صاحب کو نظر نہ آئی۔

(۳) خود بیہقی سنن کبریٰ جلد ۲ صفحہ ۴۸۸ میں تصریح کرتے ہیں۔

انبا ابو محمد الحسن بن علی بن المومل ثنا ابو عثمان عمرو بن عبد اللہ البصری ثنا ابو احمد محمد بن عبد الوھاب

دیکھئے کہ حسن بن علی کا استاد اور ابو احمد محمد بن عبد الوہاب کا شاگرد ابوعثمان عمرو بن عبداللہ بصری ہے۔ نہ کہ عمرو بن عبید۔

معلوم ہوا کہ مولوی ابراہیم صاحب نے دیدہ دانستہ ایک مجروح راوی کا نام لکھ دیا۔ اگر مولوی ابراہیم صاحب کو علم حدیث کا دعویٰ ہے تو محمد بن عبد الوہاب کے تلامذہ میں سے عمرو بن عبید کا نام دکھائیے ورنہ اپنا یہ اعتراض واپس لیجئے کہ حنیفہ کا علم حدیث میں قدم پیچھے ہے۔

۴۔ اس سے زیادہ توضیح سنن کبریٰ بیہقی جلد ۲ صفحہ ۴۹۶ ، ۴۹۵ میں ہے۔

انبا ابو طاہر الفقیہ انبا ابو عثمان عمرو بن عبد اللہ البصری ثنا ابو احمد محمد بن عبد الوهاب انبا خالد بن مخلد حدثنی محمد بن جعفر بن کثیر الخ

یہ وہی سند ہے جو ہم نے کتاب التراویح میں لکھی ہے۔ جس کے راوی کو ضعیف بنانے کے لیے مولوی ابراہیم کو راوی کا نام بدلنا پڑا۔ دیکھئے! اس سند میں تصریح ہے کہ ابوعثمان کا نام عمرو بن عبداللہ ہے نہ کہ عمرو بن عبید۔

۵۔ حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب جلد ۹ میں محمد عبد الوہاب کے ترجمہ میں ابوعثمان کا نام عمرو بن عبداللہ لکھا ہے اور محمد بن عبد الوہاب سے روایت کرنے والوں میں اس کا نام بھی لکھا ہے۔

(۶) مولوی ابراہیم صاحب یہ بھی معلوم نہ کر سکے کہ عمرو بن عبید تو ساتویں طبقہ سے ہے اور اس کا استاد محمد بن عبد الوہاب گیارہویں طبقہ سے ؟ ساتویں طبقہ کا آدمی ، گیارہویں طبقہ والے سے جو بہت متاخر ہے کس طرح اخذ حدیث کر سکتا ہے ؟ بالخصوص جب کہ شاگرد کی موت سے ۳۴ سال گذر جانے کے بعد استاد کی پیدائش ہو۔ چنانچہ عمرو بن عبید کی موت ۱۴۳ھ میں ہوئی اور محمد بن عبد الوہاب کی پیدائش ۱۷۷ھ میں ہوئی۔ آپ خود ہی سوچئے کہ ۱۴۳ھ میں مرنے والا شخص ۱۷۷ھ میں پیدا ہونے والے شخص سے کس طرح اخذ حدیث کر سکتا ہے ؟

اب آپ خود فیصلہ کیجئے

کہ مولوی ابراہیم صاحب یا تو علم حدیث میں ناقص ہیں یا انہوں نے دیانت اور تقویٰ کو بالائے طاق رکھتے ہوئے راوی کے نام کو بدل دیا۔

محلّ اعتراض

کتاب التراویح میں میں نے لکھا ہے کہ:-

"حضرت عمر کے گیارہ رکعت (تراویح) کے امر کرنے میں امام مالک کا کوئی متابع نہیں۔ اگر کسی میں ہمّت ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے امر کا کوئی متابع قوی دکھائے"

اعتراض

اس پر مولوی ابراہیم صاحب انارۃ المصابیح کے ص۲۲ میں لکھتے ہیں:

"امام سیوطی اپنے رسالہ المصابیح میں جہاں پر سعید بن منصور کی سنن سے عبدالعزیز بن محمد کی متابعت کا ذکر کیا ہے، وہاں پر مثل کا لفظ لکھا ہے۔ ...... اور متابعات میں محدثین کا قاعدہ ہے کہ اگر متن وہی ہو تو صرف سلسلہ اسناد ذکر کر دیتے ہیں۔

...... یہ امر معلوم و مسلم کل ہے کہ امام مالک اصل راوی نے گیارہ رکعات کا تفرد حضرت عمر کے امر سے ذکر کیا ہے۔ پس بموجب اصطلاح محدثین عبدالعزیز بن محمد کی متابعت کا متن بھی لفظاً و معناً امام مالک کے متن کے موافق ہے"

جواب

میں کہتا ہوں، مولوی ابراہیم صاحب نے محدثین کا قاعدہ بیان کرنے میں

مغالطہ سے کام لیا ہے۔ یا ان کو سمجھ ہی نہیں آئی۔ ایک محدث ایک حدیث کو با اسناد بیان کرتا ہے۔ پھر دوسری سند بیان کر کے "مثلہ" یا "نحوہ" کہہ دیتا ہے تو اس سے اس محدث کی مراد وہی متن حدیث ہوتا ہے جو اس نے پہلے با اسناد بیان کیا۔ یہ مطلب نہیں جیسا کہ مولوی ابراہیم صاحب نے سمجھا کہ ایک محدث نے ایک حدیث با اسناد بیان کی، دوسرے محدث نے دوسری حدیث با اسناد بیان کی پھر ایک تیسرا شخص کسی مماثلت کی وجہ سے اس حدیث کو دوسری حدیث کی مثل کہتا ہے تو وہ دونوں حدیثیں لفظاً و معناً موافق سمجھی جائیں گی۔ ہرگز نہیں۔

ما نحن فیہ میں اگر امام مالک ہی عبدالعزیز کی متابعت کا ذکر کرتے اور صرف سند لکھ کر "مثلہ" کہہ دیتے یا سعید بن منصور حضرت عمر کا امر روایت کر کے پھر دوسری سند میں عبدالعزیز کی متابعت کا ذکر کرتے اور "مثلہ" کہہ دیتے تو ہو سکتا تھا کہ بموجب اس قاعدہ کے دونوں کو لفظاً و معناً موافق کہتے۔ لیکن یہاں تو سیوطی ہی مصابیح میں سعید بن منصور کی پوری حدیث نقل کرتا ہے جس میں حضرت عمر کے امر کا ذکر نہیں لیکن وہ مثل مالک صرف گیارہ رکعت میں کہتا ہے نہ کہ امر میں۔

تعجب ہے کہ مصابیح مولوی ابراہیم صاحب کے پاس موجود ہے اور سعید بن منصور کی پوری روایت ان کی نظر سے گزری ہوگی۔ اس کے باوجود انہوں نے محدثین کے قاعدہ کی غلط فہمی سے اس متابعت کو، حضرت عمر کے امر کی متابعت ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی۔

دیکھئے سیوطی فرماتے ہیں:

وقال سعید بن منصور فی سننہ حدثنا عبدالعزیز بن محمد حدثنی محمد یوسف سمعت السائب بن یزید یقول کنا نقوم فی زمان عمر بن الخطاب باحدی عشرۃ رکعۃ (الحدیث)

حدیث کے الفاظ موجود ہیں۔ اب اس کے خلاف خواہ مخواہ امر عمر ثابت کرنا تعصب مذہبی نہیں تو اور کیا ہے؟ میں پھر کہتا ہوں کہ آپ اپنے اعوان و انصار کو

بھی بلائیں اور حضرت عمر کے گیارہ رکعت کے امر کرتے ہیں، کوئی امام مالک کا متابع قوی دکھائیں۔

فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ۔

محلّ اعتراض

ہم نے کتاب التراویح میں موطا امام مالک سے تیسری حدیث یہ لکھی ہے کہ۔
"یزید بن رومان فرماتے ہیں کہ لوگ (صحابہ و تابعین) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں، رمضان شریف میں، ۲۳ رکعات پڑھتے تھے"
اس کے انقطاع کا جواب ہم نے شاہ ولی اللہ کی حجۃ اللہ البالغہ سے دیا۔

اعتراض

اس پر مولوی ابراہیم صاحب انارۃ المصابیح کے ص۲۸ میں لکھتے ہیں:
"اگر یہ روایت امام مالک کے نزدیک ہوتی تو آپ کا عمل اس کے خلاف نہ ہوتا اور حنفی علمائے اصول بالتصریح فرماتے ہیں کہ اگر راوی کا عمل اپنی روایت کے خلاف ہو تو اس روایت پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

اس امر کا بیان کہ امام مالک کا اپنا مختار مذہب گیارہ رکعت کا ہے، امام سیوطی کی کتاب کے اقتباسات میں، ہمارے اسی رسالہ کے ص۲۴ پر گزر چکا ہے کہ آپ نے فرمایا: جس پر حضرت عمر نے لوگوں کو جمع فرمایا تھا مجھے وہ نہایت پسند ہے اور وہ گیارہ رکعت ہیں۔ اور وہی رسول اللہ علیہ السلام کی نماز ہے اور امام مالک کا یہ مذہب حنفی مذہب کے متعصب حامی علامہ عینی کو بھی تسلیم کرنا پڑا ہے۔ دیکھو

عینی علی البخاری جلد پنجم ص ۳۵۷ "

جواب

میں کہتا ہوں کہ کتاب التراویح میں یہی لکھا ہے کہ حضرت عمر کی گیارہ رکعت امر والی حدیث، امام مالک نے روایت کی پھر بھی انہوں نے اپنا مذہب آٹھ رکعت نہیں رکھا، حدیث عائشہ ما کان یزید فی رمضان الخ امام مالک نے روایت کی پھر بھی اپنا عمل نہیں رکھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مالک کے نزدیک بیس رکعت والی روایت صحیح ہے۔ گیارہ رکعت والی پر عمل نہیں کیا جائے گا کیوں کہ راوی کا عمل اپنی روایت کے خلاف ہے۔

ہم نے کتاب التراویح میں اس قول کا جواب دے دیا ہے جو مولوی ابراہیم نے بحوالہ جوزی و عینی امام مالک کا مختار مذہب لکھا ہے، مگر افسوس کہ لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنے کے لیے پھر وہی قول لکھ دیا اور ہمارے جواب کا کوئی جواب نہ دے سکے۔

حاصل یہ کہ علامہ عینی اور جوزی نے امام مالک کا زمانہ نہیں پایا اور انہوں نے اس قول کی کوئی سند نہیں لکھی تو ایسا بے سند قول کس طرح معتبر ہو؟ بالخصوص جو قول کتب مالکیہ کی صراحت کے خلاف ہو۔

تعجب ہے کہ خود مولوی ابراہیم صاحب یزید بن رومان کی روایت پر یہی اعتراض کرتے ہیں کہ یہ قول یزید بن رومان کا ہے جس کی کوئی سند نہیں اور سند کے بغیر کوئی روایت قابل غور نہیں ہو سکتی۔ (انارۃ المصابیح ص ۲۸) تو جوزی یا عینی کا قول بلا سند کیوں مان لیا؟۔

ہم سے سنیئے

کہ امام مالک کتنی رکعت تراویح پسند کرتے تھے۔

(۱) ایک حوالہ تو بدایۃ المجتہد سے ہم ~~ا~~ ب التراویح میں نقل کر چکے ہیں کہ ایک

قول ہیں امام مالک، ابوحنیفہ، شافعی، احمد اور داؤد ظاہری نے وتر کے علاوہ بیس رکعات پسند کیں۔ دوسرا قول ابن قاسم امام مالک سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ۳۶ رکعات کو پسند کرتے تھے۔

(۲) دوسرا حوالہ میزان شعرانی و رحمۃ الامہ سے کتاب التراویح میں لکھا گیا ہے مگر مولوی ابراہیم صاحب نے ان کا کوئی جواب نہیں دیا۔

(۳) امام سیوطی مصابیح میں لکھتے ہیں:۔

وعن مالك التراويح ست وثلثون ركعة غير الوتر لقول نافع ادركت الناس وهو يقومون رمضان بتسع وثلاثين ركعة يوترون منها بثلث۔

امام مالک سے روایت ہے کہ تراویح کی ۳۶ رکعت بجز وتر ہیں اس لیے نافع کہتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو رمضان شریف میں ۳۹ رکعات پڑھتے پایا جن میں سے تین وتر تھے۔

امام سیوطی اس کی وجہ لکھتے ہیں کہ اہل مکہ دو ترویحوں کے درمیان طواف کرتے تھے۔ اہل مدینہ نے طواف کی جگہ چار رکعت نماز شروع کی یعنی ہر ترویحہ کے بعد چار^۴^ رکعت۔ تو چار ترویحوں میں سولہ^۱۶^ رکعت ہوئیں اور بیس^۲۰^ رکعت تراویح کی ہوتی تھیں۔ اس طرح کل ۳۹ رکعت ہوئیں۔

کاش مولوی ابراہیم صاحب مصابیح کی اس روایت پر نظر کرتے تو امام مالک کی گیارہ رکعت والی روایت پر جزم نہ کرتے!

(۴) مدونۃ الکبریٰ جلد اوّل ص۱۹۳ میں امام مالک فرماتے ہیں۔

بعث الامير الى واراد ان ينقص من قيام رمضان الذى كان يقومه الناس بالمدينة (قال) ابن القاسم وهو تسعة وثلاثون ركعة بالوتر ست وثلاثون ركعة والوتر ثلاث قال مالك فنهيته ان ينقص من ذالك شيئا وقلت له، هذا ما ادركت

الناس علیہ و هذا الامر القدیم الذی لم تزل الناس علیہ۔

میری طرف امیر نے کسی کو بھیجا اور ارادہ کیا کہ مدینے کے لوگ جو قیام رمضان کرتے ہیں۔ اس میں سے کچھ کم کیا جائے۔ ابن قاسم کہتے ہیں کہ وہ ۳۹ رکعت بمعہ وتر تھا۔ ۳۶ رکعت تراویح اور ۳ رکعت وتر۔ امام مالک نے فرمایا کہ میں نے منع کیا کہ اس مقدار سے کم نہ کیا جائے اور میں نے کہا کہ اسی مقدار پر ہم نے اہل مدینہ کو پایا اور یہی امر قدیم ہے جس پر لوگ ہمیشہ رہے ہیں۔

اب خود فیصلہ فرمائیے کہ اگر امام مالک کو گیارہ رکعت مرغوب ہوتیں تو آپ اہل مدینہ کو گیارہ رکعت پر ہی لگاتے اور امیر کے کہنے پر تعداد کم کر دیتے لیکن امام مالک فرماتے ہیں کہ میں نے منع کر دیا اور کہا کہ اس تعداد سے کچھ کم نہیں ہو گا۔ معلوم ہوا کہ آپ ۳۶ رکعات ہی مرغوب تھیں۔

(۵) مبسوط شمس الائمہ سرخسی کی جلد دوم صفحہ ۱۴۴ میں ہے :

وقال مالک رحمہ اللہ تعالیٰ السنۃ فیھا ست وثلاثون

امام مالک نے فرمایا کہ تراویح کی رکعت ۳۶ ہیں۔

معلوم ہوا کہ امام مالک کا مذہب آٹھ ۸ رکعت نہیں ہے۔

(۶) فتح الباری اور نیل الاوطار میں بھی ایسا ہی لکھا گیا ہے۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ امام مالک کا مذہب آٹھ رکعات نہیں تھا تو اب مولوی ابراہیم صاحب کے بیان کردہ اصول کے مطابق گیارہ رکعت والی روایت پر عمل نہیں ہو گا کیونکہ راوی کا (امام مالک کا) اس پر عمل نہیں ہے۔

اعتراض

مولوی ابراہیم صاحب انارۃ المصابیح کے صفحہ ۲۰ پر لکھتے ہیں۔

" وہ (ائمہ مجتہدین) تمام کے تمام بیس رکعات والی مرفوع روایت کو ضعیف کہتے ہیں اور آٹھ والی کو بالاتفاق صحیح جانتے تھے۔"

جواب

میں کہتا ہوں محدثین علیہم الرحمتہ تو تصریح کرتے ہیں کہ نماز تراویح کی تعداد رسول کریم سے ثابت نہیں۔ اگر وہ آٹھ والی کو صحیح جانتے تو تعدادِ رکعت کے عدم ثبوت کی تصریح کیوں کرتے ؟

(۱) امام سیوطی مصابیح میں کئی وجوہ سے ثابت کرتے ہیں کہ قیام رمضان کی رکعات کی تعداد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

ان العلماء اختلفوا فی عددھا ولو ثبت ذالک من فعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یختلف فیہ۔

تراویح کی تعداد میں علماء کا اختلاف ہے۔ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے تعداد ثابت ہوتی تو اختلاف نہ ہوتا۔

(۲) یہی سیوطی مصابیح میں سبکی رحمتہ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ وہ شرح منہاج میں لکھتے ہیں :

لم ینقل کم صلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم تلک اللیالی ھل ھو عشرون اوقل۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں کہ آپ نے ان راتوں میں کتنی رکعات (تراویح) پڑھیں۔ کیا بیس پڑھیں یا بیس سے کم ؟

(۳) ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔

انہ لم یوقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی التراویح عددا معینًا بل لا یزید فی رمضان ولا فی غیرہٖ علی ثلاث عشرۃ رکعۃ۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۲ صـ۱۷۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح میں کوئی عدد معین نہیں فرمایا۔ بلکہ آپ رمضان وغیر رمضان میں تیرہ رکعت سے زیادہ نہیں کرتے تھے دینی

تہجد ہیں)

(۴) امام شوکانی نیل الاوطار جلد ۳ ص ۶۴ میں لکھتے ہیں۔

والحاصل ان الذی دلت علیہ احادیث الباب وما یشابھھما هو مشروعیة القیام فی رمضان والصلوٰة فیه جماعة و فرادی فقصر الصلوٰة المسماة بالتراویح علی عدد معین و تخصیصها بقراءة مخصوصة لم یرد به سنة۔

حدیث باب سے جو ثابت ہوتا ہے وہ قیام رمضان کی مشروعیت اور اس میں جماعت سے یا اکیلے نماز پڑھنا ہے، پس تراویح کا کسی عدد معین پر قصر کرنا یا کسی قرارت مخصوصہ کے ساتھ خاص کرنا، سنت میں وارد نہیں ہوا۔ یعنی سنت سے عدد معین و قرارت مخصوصہ ثابت نہیں۔ نواب صدیق حسن بھی مسک الختام میں ایسا ہی لکھتے ہیں۔

(۵) امام سیوطی مصابیح میں لکھتے ہیں۔

انما صلی لیالی صلوٰة لم یذکر عددها۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند راتیں جو نماز پڑھی اس کی تعداد مذکور نہیں۔ پھر آگے فرماتے ہیں اگر نص کے ساتھ تراویح کی تعداد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوتی تو اہل مدینہ کو اس پر زیادہ کرنا جائز نہ ہوتا۔

معلوم ہوا کہ محدثین کے نزدیک نمازِ تراویح کی تعداد ثابت نہیں۔ اگر کوئی حدیث آٹھ رکعت والی صحیح ہوتی تو محدثین یہ کبھی نہ لکھتے کہ نماز تراویح کی تعداد رسولِ کریم سے ثابت نہیں۔

میں مولوی ابراہیم صاحب سے پوچھتا ہوں کہ وہ کونسی حدیث ہے جسے محدثین بالاتفاق صحیح مانتے ہیں اور اس میں نماز تراویح کی آٹھ رکعت کا ذکر ہے۔

اگر حدیث عائشہ ہے

تو وہ دربارۂ تراویح نہیں۔ کما فصلناہ فی کتاب التراویح۔

محمد بن نصر مروزی، جیسے مولوی ابراہیم صاحب نے اپنی کتاب انارہ صنہ۲ میں بڑے پایہ کے امام حدیث لکھا ہے، وہ اپنے رسالہ قیام کے صنہ۹۱ میں تراویح کی تعداد رکعات کا باب باندھتے ہیں، لیکن حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا، اس میں نہیں لاتے۔ اگر یہ حدیث دربارۂ تراویح ہوتی تو مروزی اس باب میں ضرور لکھتے۔ انھوں نے اس حدیث کو قیام اللیل صنہ۴۷ میں صلوۃ اللیل کی تعداد میں لکھا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث تراویح کے بارہ میں نہیں ہے، علاوہ ازیں اس حدیث کو بھی بعض محدثین نے مضطرب کہا ہے، تو مولوی ابراہیم صاحب کا یہ کلیہ کہ تمام کے تمام آٹھ رکعت والی کو بالاتفاق صحیح مانتے ہیں۔

اگر حدیث جابر ہے

تو یہ بھی تراویح کے بارے میں نہیں اور محدثین نے اس کے راوی عیسیٰ بن جاریہ پر جرح کی ہے۔ تو یہاں بھی مولوی ابراہیم صاحب کا کلیہ غلط ہوا۔

مولوی ابراہیم صاحب نے حدیث جابر کو بلاشبہ صحیح کہہ دیا (اہلحدیث ۲۰ دسمبر صنہ۴۰) لیکن ہم نے کتاب التراویح میں عیسیٰ بن جاریہ، یعقوب قمی اور محمد بن حمید پر جرح نقل کی ہے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔

مولوی ابراہیم یہ بھی لکھتے ہیں کہ حافظ ابن حجر وغیرہ محدثین نے بھی اسے (حدیث جابر) کو صحیح کہا ہے (اہل حدیث ۲۰ دسمبر صنہ۴۰) ذرا حوالہ تو دیا ہوتا کہ ابن حجر وغیرہ محدثین نے کس کتاب میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

اگر حدیث امر حضرت عمر ہے

تو وہ مرفوع نہیں۔

بیس رکعت والی حدیث

کے متعلق بھی مولوی صاحب کا کلیہ غلط ہے۔ کیونکہ کہ ابن عدی اس کے

اس راوی کے متعلق جس کے سبب سے حدیث کو ضعیف کہا جاتا ہے،
فرماتے ہیں :-
لهٗ احاديث صالحة -
کہ اس کی حدیثیں احتجاج کی صلاحیت رکھتی ہیں -
نیز محدث دہلوی فرماتے ہیں -
کہ ابو شیبہ آں قدر ضعف ندارد کہ روایت او مطروح مطلق ساختہ شود -

ہم نے کتاب التراویح میں اس حدیث کے ضعف کے پانچ جواب دیے ہیں مگر مولوی ابراہیم صاحب نے کسی کا جواب نہیں دیا اگر ان کو حدیث دانی کا دعویٰ ہے تو جواب دیا جائے۔ ورنہ ماننا پڑے گا کہ اس زمانہ کے حنفی بفضلہٖ تعالیٰ آپ سے زیادہ حدیث میں مہارت رکھتے ہیں -

اگر یہ کہا جائے

کہ جب محدثین تصریح کرتے ہیں کہ تراویح کی تعداد رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں تو معلوم ہوا کہ بیس رکعت بھی ثابت نہیں -

میں کہتا ہوں، بے شک جن راتوں میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح کی نماز پڑھائی۔ ان میں تعداد مذکور نہیں۔ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا محمول بر تہجد ہے حدیث جابر بھی دربارۂ تراویح نہیں اور وہ عیسیٰ بن جاریہ کے سبب سے قابل حجت نہیں۔ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ جس میں بیس رکعت کا ذکر ہے وہ کسی حدیث صحیح کے معارض نہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل اور ائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم کا عمل اس کو تقویت دیتا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے کتاب التراویح -

آٹھ رکعت تراویح کی نہ کوئی حدیث ہے نہ ائمہ اربعہ میں سے آٹھ تراویح کسی کا مذہب ہے۔ محدثین رضی اللہ عنہم نے بیس رکعت پر صحابہ کا اجماع نقل کیا ہے گویہ اجماع مولوی ابراہیم صاحب کے خیال میں خیالی ہے مگر آٹھ رکعت تراویح

پر کسی محدث نے خیالی اجماع بھی نقل نہیں کیا۔

مولوی ابراہیم صاحب کی غلط بیانی

قدرت کے دست تصرف سے مولوی ابراہیم صاحب سے کچھ ایسے اغلاط صادر ہوتے ہیں جن سے ان کی علمیت پر بدنما دھبہ لگ جاتا ہے، چنانچہ انارۃ المصابیح کے صـ۱۶ پر لکھتے ہیں۔

"تراویح کے متعلق عدد مستحب کی نسبت علماء کے بہت سے مختلف اقوال ہیں۔ (پھر بہت سے اقوال لکھے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے)

۴۱ رکعت مع وتر، ۴۰ اور ۷ وتر، ۳۸ اور ۱ وتر، ۳۶ اور ۳ وتر، ۳۴، ۲۸، ۲۴، ۲۰ (دیکھئے مولوی صاحب ۲۰ کو بھی قدر مستحب میں شمار کرتے ہیں)"

اس فہرست میں ۱۱ کا ذکر اس لیے نہیں کیا گیا کہ گیارہ کی تعداد مسنون تعداد ہے جیسے مولوی ابراہیم صاحب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث بلا ثابت دقائم رکھتے ہیں۔ ان کا شمار بوجہ مسنون ہونے کے قدر مستحب میں نہیں آسکتا۔

میں کہتا ہوں

علامہ عینی نے تراویح کے متعلق جو مختلف اقوال نقل کیے ہیں، مولوی ابراہیم صاحب کہتے ہیں کہ اس فہرست میں ۱۱ رکعت کا ذکر نہیں، وجہ یہ بیان کی کہ گیارہ کی تعداد مسنون نبوی ہے حالانکہ علامہ عینی نے ۱۱ رکعت کا ذکر بھی کیا ہے (ملاحظہ فرمائیے عینی شرح بخاری جلد پنجم صـ۳۵۷ سطر ۳۲) اس میں لکھا ہے:-

وقیل احدی عشرۃ رکعۃ۔

مولوی صاحب نے یہ غلط بیانی دیدہ دانستہ کی کیونکہ وہ خود علامہ عینی کے اس مقام کا جس میں گیارہ رکعات کا ذکر ہے، انارۃ المصابیح صـ۱۲۹ میں حوالہ دیتے

ہیں چنانچہ لکھتے ہیں۔

"امام مالک کا یہ مذہب حنفی مذہب کے متعصب حامی علامہ عینی کو بھی تسلیم کرنا پڑا ہے۔ دیکھو عینی علی البخاری ص۳۵۷"

یہ وہی مقام ہے جہاں علامہ عینی نے قدر مستحب کی فہرست میں گیارہ رکعات کا ذکر کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقام مولوی ابراہیم صاحب نے دیکھا اور انارۃ المصابیح میں اس کا حوالہ دیا۔ پھر دیدہ دانستہ جھوٹ لکھ دیا کہ قدر مستحب میں علامہ عینی نے گیارہ رکعات کا ذکر نہیں کیا۔

مولوی صاحب کی اس تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ سنّت نبوی پر مستحب کا اطلاق نہیں ہو سکتا حالانکہ نووی نے شرح مسلم میں نمازِ تراویح کے متعلق لکھا ہے؛

اتفق العلماء علی استحبابها

شوکانی نیل میں لکھتے ہیں:-

استدل به ایضا علی استحباب صلوٰة التراویح -

تو بقول مولوی ابراہیم صاحب ثابت ہوتا ہے کہ نووی و شوکانی کے نزدیک مطلقاً نماز تراویح سنت نبوی نہیں کیونکہ مستحب فرما رہے ہیں اور مستحب کا اطلاق سنت نبوی پر نہیں ہوتا دیکھئے انارۃ المصابیح ص۱۶) نیز انارہ کے ص۱۷ پر ابن حجر مکی ہیتمی کو حنفی لکھ دیا حالانکہ وہ شافعی تھے، مولوی صاحب کو یہ بھی پتہ نہیں کہ وہ حنفی تھے یا شافعی۔ یا اگر پتہ تھا تو حنفیہ کو مغالطہ دینے کے لیے ایک شافعی کو حنفی لکھ دیا تاکہ اس کا قول حنفیہ پر موثر ہو۔ مگر یہ نہ سمجھے کہ کوئی حنفی اس غلطی کو فاش کر دے گا تو علمیت پر حرف آئے گا۔ واللہ الهادی۔

علمائے حنفیہ کی تصریحات

شیخ عبدالحی لکھنوی

جن کو مولوی ابراہیم صاحب نے زمانۂ حال کے حنفیہ میں تبحر علوم اور حدیث دانی

میں بے مثل لکھا ہے۔ (انارۃ المصابیح صـ۱۶) وہی مولانا عبدالحیی اپنا فیصلہ تحفۃ الاخیار صـ۲۱۵ میں لکھتے ہیں۔

وخلاصۃ ما ذکرنا وھو الذی استقر علیہ عرش رائینا ان نفس قیام رمضان سنۃ موکدۃ و ان سنیۃ فی جمیع لیالی رمضان و ان اقامتہ بالجماعۃ ایضا سنۃ موکدۃ وان من اخل بشئ من ھذا یاآثم الا ان المخل بالامور الثلاثۃ الاول یأثم اثما کبیرا المخالفۃ النبویۃ والمخل بالامر الرابع یأثم اثما یسیر المخالفۃ سنۃ الخلفاء۔

اس کا خلاصہ یہ ہے اور اسی پہ ہماری رائے قائم ہے کہ نفس قیام رمضان سنت موکدہ ہے اور سارے رمضان میں قیام سنت ہے اور جماعت بھی سنت موکدہ ہے اور تراویح کا بیس رکعت ہونا بھی سنت موکدہ ہے۔ جو شخص ان چاروں میں سے کسی امر میں کوتاہی کرے گا وہ گناہگار ہے۔ ہاں ابہلے تین امور میں کوتاہی کرنے والا بھی گناہگار ہے مگر اس سے کچھ کم۔ کیونکہ وہ سنت خلفاء کی مخالفت کا مرتکب ہوا ہے۔

یہ ہے علامہ عبدالحیی کی تحقیق کا حاصل کہ بیس رکعت تراویح نہ پڑھنے والا گناہگار ہے اگرچہ نسبتاً اس کا گناہ کچھ کم ہے مگر گناہ ضرور ہے۔

یہی شیخ عبدالحیی فتاویٰ جلد سوم کے صـ۵۸ میں فرماتے ہیں :۔

"حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا تہجد پر محمول ہے جو کہ رمضان و غیر رمضان میں یکساں تھی، غالباً بعد وتر گیارہ رکعت تھی۔ اس حمل پر دلیل یہ ہے کہ اس حدیث کا راوی ابوسلمہ اس حدیث کے تتمہ میں کہتا ہے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا اے عائشہ! میری آنکھیں سو جاتی ہیں دل نہیں سوتا۔ اس کو بخاری مسلم نے روایت کیا۔ نماز تراویح

کو اس وقت کے عرف میں قیام رمضان کہتے تھے۔ صحاح ستہ میں بروایت صحیحہ مرفوعہ قیام رمضان کا عدد معین مصرح نہیں۔ اس قدر ہے کہ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں عبادت میں اس قدر کوشش فرماتے تھے جو دوسرے مہینوں میں نہیں فرماتے تھے۔ یعنی آپ کی کوشش و اجتہاد عبادت میں بہ نسبت دوسرے مہینوں کے رمضان شریف میں زیادتی ہوتی تھی لیکن مصنف ابن ابی شیبہ و سنن بیہقی میں بروایت ابن عباس آیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بغیر جماعت بیس رکعت (تراویح) اور وتر پڑھتے تھے اور بیہقی سنن میں بسند صحیح روایت کرتے ہیں کہ سائب بن یزید صحابی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر کے زمانہ میں ماہ رمضان میں لوگ بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔" (انتہی ترجمۃً)

معلوم ہوا

(۱) کہ مولوی عبدالحیی صاحب کی تحقیق یہی ہے کہ تراویح بیس رکعت سنت موکدہ ہے۔

(۲) اس سے کم پڑھنے والا گناہگار ہے۔

(۳) تراویح کی تعداد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مصرح نہیں۔

(۴) حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا تہجد پر محمول ہے۔

(۵) اور حدیث سائب بن یزید، جس میں حضرت عمر کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح کا پڑھنا آیا ہے، صحیح ہے۔

علامہ زیلعی

جن کی حدیث دانی مولوی ابراہیم صاحب کے نزدیک بھی مسلم ہے، وہ

تخریج ہدایہ کے باب قیام رمضان میں حدیث جابر نقل کرتے ہیں لیکن اس کو صحیح نہیں فرماتے۔ مولوی ابراہیم صاحب نے غلط لکھا ہے کہ آٹھ رکعت والی حدیث سب کے نزدیک صحیح ہے۔ پھر وہ دس رکعت نقل کرتے ہیں پھر تیرہ جس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک آٹھ رکعت کی تعیین صحیح نہیں۔ پھر حدیث سائب بن یزید نقل کرتے ہیں کہ ہم حضرت عمر کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے اس حدیث کی سند کو بحوالہ نووی صحیح فرماتے ہیں۔ یہ وہی حدیث ہے جس کو مولوی ابراہیم صاحب ضعیف کہتے ہیں اور ایک راوی کو بدل دیتے ہیں۔ جس کا جواب ہم گذشتہ صفحات میں دے چکے ہیں۔ افسوس کہ مولوی ابراہیم صاحب نے اس حدیث کو ضعیف لکھ دیا مگر علامہ زیلعی کی تصحیح سے چشم پوشی کی۔ پھر علامہ زیلعی موطا کی دونوں روایتوں میں بحوالہ بیہقی تطبیق نقل کرتے ہیں کہ۔

انهم قاموا باحدى عشرة ثم قاموا العشرين

کہ حضرت عمر کے زمانہ میں پہلے آٹھ رکعت پڑھیں پھر انہوں نے بیس رکعات پر قیام کیا۔ یعنی آخر الامر بیس رکعات ہی مقرر ہو گئیں۔ معلوم ہوا کہ علامہ زیلعی کے نزدیک ان دونوں روایتوں میں یہی تطبیق صحیح ہے جو بیہقی نے کی ہے۔

شیخ ابن ہمام

نے جو فرمایا ہے اس کا جواب ہم کتاب التراویح میں دے چکے ہیں۔

علی قاری

جو کہ حنفیہ میں بڑے پایہ کے محدث گزرے ہیں شرح شفاء جلد اول ص ۲۷۸ میں فرماتے ہیں۔

وقد روى انه صلى الله عليه وسلم خرج ليلة فى شهر رمضان فصلى بالقوم عشرين ركعة واجتمع الناس فى الليلة الثانية

فخرج وصلی بھم فلما کانت اللیلۃ الثالثۃ کثر الناس و لم یخرج و قال عرفت اجتماعکم لکن خشیت ان تفرض علیکم۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ رمضان شریف میں ایک رات نکلے اور قوم صحابہ کو بیس رکعات نماز پڑھائی دوسری رات لوگ زیادہ جمع ہو گئے پھر آپ نے نماز پڑھائی۔ تیسری رات کو لوگ بہت جمع ہو گئے تو حضور علیہ السلام نہ نکلے اور فرمایا مجھے تمہارا اجتماع معلوم تھا لیکن میں ڈر گیا کہ تم پر فرض نہ ہو جائے۔

یہی علی قاری شرح مشکوٰۃ شریف میں بیس رکعت تراویح پر اجماع نقل کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

كتاب الجنائز

نمازِ جنازہ دُعا ہے

جاننا چاہیے کہ نمازِ جنازہ حقیقت میں دُعا ہے، میت کے لیے استغفار، اسی واسطے اس میں نہ رکوع ہے نہ سجود اور نہ ہی قرآت۔ چونکہ دعا کو لغت میں صلوٰۃ بھی کہتے ہیں۔ اس لیے جنازہ کو صلوٰۃ کہا گیا۔ طہارت اور استقبال قبلہ کا شرط ہونا اسے حقیقتاً نماز نہیں بنا سکتا۔ جس طرح سجدہ تلاوت میں طہارت و استقبال قبلہ شرط ہے مگر وہ حقیقتاً نماز نہیں۔

شمس الائمہ سرخسی، مبسوط جلد ۲ ص۶۴ میں فرماتے ہیں:

لان ھذہ لیست بصلوٰۃ علی الحقیقۃ انما ھی دعاء واستغفار للمیت الاتری انہ لیس فیھا ارکان الصلوٰۃ من الرکوع والسجود والتسمیۃ بالصلوٰۃ لما بینا فیما سبق ان الصلوٰۃ فی اللغۃ الدعاء واشتراط الطھارۃ واستقبال القبلۃ فیھا لایدل علی انھا صلوۃ حقیقۃ وان فیھا قرأۃ کسجدۃ التلاوۃ

کیونکہ یہ (جنازہ) حقیقتاً نماز نہیں ہے۔ یہ تو میت کے لیے دعا اور استغفار ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اس میں نماز کے ارکان رکوع و سجود نہیں ہیں جیسا کہ ہم پیچھے بیان کر چکے ہیں کہ لغت میں صلوٰہ کو دعا کہتے ہیں۔

اس میں طہارت اور استقبال قبلہ کی شرط اس بات کی دلیل نہیں ہے۔ کہ جنازہ حقیقتاً نماز ہے اور اس میں قرات ہے سجدہ تلاوت کی طرح۔

نمازِ جنازہ کا ثواب

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

من اتبع جنازۃ مسلم ایمانا واحتسابا وکان معہ حتی یصلی

علیہا ویفرغ من دفنہا فانہ یرجع من الاجر بقیراطین کل قیراط مثل احد ومن صلی علیہا ثم رجع قبل ان تدفن فانہ یرجع بقیراط (متفق علیہ)

جو شخص کسی مسلمان کے جنازہ پر ایمان اور طلب ثواب کے لیے جائے اور اس پر جنازہ پڑھے اور دفن کے بعد فارغ ہو کر آئے تو اسے دو قیراط کے برابر ثواب ہوگا ہر ایک قیراط احد پہاڑ کے برابر ہوگا اور جو شخص جنازہ پڑھ کر دفن سے پہلے ہی آجائے تو اسے ایک قیراط ثواب ہوگا (بخاری ومسلم)

عن ابی سعید الخدری انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول خمس من عملہن فی یوم کتبہ اللہ من اہل الجنۃ من عاد مریضا وشہد جنازۃ وصام یوما وراح الی الجمعۃ واعتق رقبۃ (ترغیب صفحہ ۶۲۴)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دن میں ان پانچ چیزوں پر عمل کرے اللہ تعالیٰ اس کو اہل جنت میں لکھ دیتا ہے۔ مریض کی عیادت کرے جنازہ کی نماز پڑھے، روزہ رکھے، جمعہ پڑھے اور غلام آزاد کرے۔

میّت کو نماز جنازہ کا فائدہ

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ما من رجل مسلم یموت فیقوم جنازتہ اربعون رجلا لا یشرکون باللہ شیئا الا شفعہم اللہ فیہ (رواہ مسلم)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان مرجائے اور اس کے جنازہ پر چالیس آدمی کھڑے ہوں جنہوں نے شرک نہ کیا ہو تو اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت اس میّت کے حق میں قبول فرمالے گا۔

(ایک روایت میں سو آدمی آیا ہے)

معلوم ہوا کہ پچھلوں کا عمل مردوں کو نفع پہنچاتا ہے، کیونکہ نماز جنازہ دوسروں کا عمل ہے جس نے میت کو نفع پہنچایا۔ اسی طرح جس جنازہ پر تین صفیں ہوں، اللہ تعالیٰ اس میت کے لیے جنت واجب کر دیتا ہے، اسی لیے حضرت مالک بن ہبیرہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما من مسلم یموت فیصلی علیہ ثلاثۃ صفوف من المسلمین الا اوجب الجنۃ

جو شخص مر جائے اور اس پر مسلمانوں کی تین صفیں نماز جنازہ پڑھیں، اللہ تعالیٰ اس میت کے لیے جنت واجب کر دیتا ہے۔

اسی واسطے جب آدمی کم ہوتے تو حضرت مالک بن ہبیرہ تین صفیں بنا لیتے تھے اس روایت کو ابو داؤد و ترمذی نے روایت کیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میت کی نجات کے واسطے اگر مسلمان کوئی حیلہ کریں تو جائز ہے، چنانچہ کم آدمیوں کی صورت میں حضرت مالک بن ہبیرہ تین صفیں بنا لیا کرتے تھے۔

نماز جنازہ میں قراءت نہیں

امام مالک اپنی موطا میں سعید بن ابی سعید مقبری سے وہ اپنے باپ سے روایت کرتا ہے کہ اس نے ابو ہریرہ سے سوال کیا،

کیف تصلی علی الجنازۃ

آپ جنازہ کی نماز کس طرح پڑھتے ہیں؟

تو ابو ہریرہ نے فرمایا:

انا لعمر اللہ اخبرک

اللہ کی بقا کی قسم میں تمہیں بتاتا ہوں۔

اتبعها من اهلها فاذا وضعت کبرت وحمدا ة اللہ وصلیت علی نبیه ثم اقول اللهم عبدك وابن عبدك وابن امتك قال یشهد ان لا اله الا انت وان محمدا عبدك ورسولك وانت اعلم به اللهم ان کان محسنا فزد فی احسانه وان کان مسیئاً فتجاوز عن سیاته اللهم لا تحرمنا اجره ولا تفتنا بعده

میں جنازہ کے گھر سے اس کے ساتھ ہوتا ہوں پس جب وہ رکھا جاتا ہے میں تکبیر کہتا ہوں اور اللہ کی حمد کرتا ہوں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتا ہوں۔ پھر یہ دعا پڑھتا ہوں اللهم عبدك الخ

علامہ زرقانی شرح موطا میں اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فیه انه لم یکن یری القرأة فی صلاتها

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ابوہریرہ نماز جنازہ میں قرأت لازم نہیں جانتے تھے۔

یہی حدیث موطا محمد میں امام محمد نے روایت کی اور فرمایا

وقال محمد وبهذا ناخذ لا قرأة علی الجنازة وهو قول ابی حنیفة رحمه اللہ تعالیٰ۔

امام محمد فرماتے ہیں کہ ہم اسی پر عمل کرتے ہیں کہ جنازہ کی نماز میں قرأت نہیں اور یہی امام حنیفہ کا قول ہے۔

آثار امام محمد میں روایت ہے۔

اخبرنا ابوحنیفة عن حماد عن ابراهیم قال لا قرأة علی الجنائز ولا رکوع ولا سجود الخ

ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ نمازِ جنازہ نہ قرأت ہے اور نہ ہی رکوع وسجود۔

پھر اسی آثار میں امام محمد ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں۔

ليس فی الصلوٰة علی الميت شیئ موقت ولكن ابتدأ تحمد الله وتصلی علی النبی صلی الله عليه وسلم وتدعوا الله لنفسك وللميت بما اجبت۔

نماز جنازہ میں کوئی موقت شئ نہیں لیکن ابتدا کرکے، اللہ کی حمد کرکے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھ کے، اپنے لیے اور میت کے لیے جو پسند کرے دعا کرے۔

پھر ابراہیم نخعی سے تصریح ہے کہ

الاولی علی الثناء علی الله والثانية صلوٰة علی النبی صلی الله عليه وسلم والثالثة دعاء للميت والرابعة تسليم۔ قال محمد وبه نأخذ وهو قول ابی حنيفة رحمه الله

پہلی تکبیر کے بعد ثناء، دوسری کے بعد درود شریف، تیسری کے بعد میت کے لیے دعا، چوتھی کے بعد سلام۔ امام محمد کہتے ہیں کہ ہم اسی پر عمل کرتے ہیں اور یہی قول ہے حضرت امام ابوحنیفہ کا۔

موطا امام مالک میں نافع روایت کرتے ہیں:

ان عبد الله بن عمر كان لا يقرأ فی الصلوٰة علی الجنازة

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جنازہ کی نماز میں قرأت نہیں پڑھتے تھے

محدثین علیہم الرحمۃ حضرت عبداللہ بن عمر کو شدید الاتباع لکھتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں وہ بہت سخت تھے۔ ایک ایسا صحابی جو اتباع رسول میں سند کی حیثیت رکھتا ہو، وہ جنازہ میں قرأت نہیں کرتا۔ جس سے معلوم ہوا کہ اگر جنازہ میں قراءت لازم ہوتی تو عبداللہ بن عمر ہرگز ترک نہ فرماتے۔

مدونہ صفہ ۱۵۸ میں امام مالک سے لکھا ہے کہ جنازہ میں قراءت نہیں۔ ابن وہب کہتے ہیں:

عن رجال من اهل العلم عن عمر بن خطاب وعلی بن ابی طالب

وعبد اللہ بن عمر و فضالۃ ابن عبید وابی ھریرۃ وجابر بن عبد اللہ و واثلہ بن الاسقع والقاسم بن محمد وسالم بن عبد اللہ وابن المسیب وعطاء بن ابی رباح ویحیی بن سعید انھم لم یکونوا یقرؤن فی الصلوٰۃ علی المیت قال ابن وھب وقال مالک لیس ذالک بمعمول بہ ببلدنا انما ھو الدعاء ادرکت اھل بلدنا علی ذالک۔

حضرت عمر، علی، عبد اللہ بن عمر، فضالہ بن عبید، ابو ہریرہ، جابر بن عبد اللہ اور واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہم اور قاسم بن محمد، سالم بن عبد اللہ، ابن المسیب، ربیعہ، عطاء بن ابی رباح اور یحیی ابن سعید، یہ سب کے سب نماز جنازہ میں قرأت نہیں پڑھتے تھے امام مالک کہتے ہیں کہ ہمارے شہر (مدینہ) میں جنازہ میں قرأت پڑھنا معمول نہیں۔ جنازہ صرف دعا ہے۔ اسی پر ہم نے اپنے شہر والوں کو پایا۔

معلوم ہوا کہ امام مالک کے مذہب میں نماز جنازہ میں قرأت نہیں۔ اور امام مالک وہ ہیں جن کے بارے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں اعلم من عالم المدینۃ فرمایا ہے۔ اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ جنازہ میں قرأت نہیں، یہ قول امام اعظم کا ہے بلکہ امام مالک کا بھی یہی مذہب ہے۔ مدینہ شریف میں اس کا معمول نہیں، خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بسند صحیح جنازہ میں قرأت ثابت نہیں۔

علامہ ابن الہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں۔

ولم تثبت القرأۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے (جنازہ میں) قرأت ثابت نہیں

جواز قرأت کے دلائل اور انکے جوابات

غیر مقلدین، نمازِ جنازہ میں قراءت کے جو دلائل پیش کرتے ہیں، وہ حسب

ذیل ہیں:

پہلی حدیث

جابر بن عبداللہ سے روایت ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کبر علی المیت اربعا وقرء

بام القرآن بعد التکبیرۃ الاولیٰ۔

بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک میت پر چار تکبیریں کہیں اور تکبیر اولیٰ کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھی۔

جواب

یہ حدیث ضعیف ہے، محدثین کرام نے اس کے ضعف کا اقرار کیا ہے۔
امام شافعی کتاب الام نیز مسند شافعی میں اس کی سند لکھتے ہیں:

اخبرنا ابراھیم بن محمد عن عبداللہ بن محمد بن عقیل

عن جابر بن عبداللہ۔

اس حدیث کی نسبت شوکانی، نیل الاوطار میں لکھتے ہیں:۔

فی اسنادہ ابراھیم بن محمد وضعیف جداً وقد صرح العراقی

فی شرح الترمذی بان اسناد حدیث جابر ضعیف؛

اس کی سند میں ابراہیم بن محمد ہیں جو کہ ضعیف ہے، عراقی نے شرح ترمذی میں لکھا ہے کہ جابر کی حدیث کی سند ضعیف ہے۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری جز ۵ صفحہ ۶۹ میں اس حدیث کو ضعیف لکھا ہے،
علامہ زرقانی شرح موطا جلد ۲ صفحہ ۱۳ میں فرماتے ہیں:۔

وفی البیہقی عن جابر باسناد ضعیف وقرء بام القرآن بعد

التکبیرۃ الاولیٰ۔

صاحب جوہر النقی ص۲۷۵ میں حدیث جابر لکھ کر فرماتے ہیں :

"اس کی سند میں دو راوی متکلم فیہ ہیں ابراہیم اور ابن عقیل"

میزان الاعتدال میں ابراہیم بن محمد کے متعلق لکھا ہے : کہ

"یحییٰ بن سعید نے امام مالک سے پوچھا کیا یہ ابراہیم ثقہ ہے ؟ فرمایا "نہیں"۔

یحییٰ ابن معین کہتے ہیں میں نے قحطان کو یہ کہتے ہوئے سنا :

"ابراہیم کذاب ہے"

احمد بن حنبل کہتے ہیں :

"محدثین نے اس کی حدیث کو ترک کیا"

امام بخاری کہتے ہیں :

"اس کو ابن مبارک نے ترک کیا ۔ قدریہ جہمیہ تھا"

ابن معین نے کہا :

"کذاب رافضی"

نسائی اور دارقطنی نے اسے متروک کہا ۔

تقریب میں اسے متروک لکھا ہے ۔

دوسری حدیث

عن طلحۃ بن عبد اللہ بن عوف قال صلیت خلف ابن عباس علی جنازۃ فقرأ علیھا بفاتحۃ الکتاب فلما سلم سألتہ عن ذالک فقال سنۃ وحق ۔

طلحہ کہتے ہیں میں نے ابن عباس کے پیچھے نماز جنازہ پڑھی۔ آپ نے اس میں سورۂ فاتحہ پڑھی ۔ جب سلام پھیر اتو میں نے ان سے پوچھا۔ آپ نے فرمایا سنت اور حق ہے ۔

جواب

اس حدیث کی سند کتاب الام میں اس طرح ہے:

اخبرنا ابراھیم بن محمد عن سعد عن ابیہ عن طلحۃ الخ

اس میں پہلا راوی وہی ابراہیم بن محمد ہے۔ جس کا ذکر پہلی حدیث کے بیان میں گذر چکا ہے۔ اس راوی پر محدثین کرام کی اکثریت کی رائے پہلی حدیث میں دوبارہ پڑھ لیجئے اور خود فیصلہ فرمائیے کہ آیا ایسے شخص کی روایت کو صحیح تسلیم کیا جا سکتا ہے؟

اس کے علاوہ حضرت ابن عباس نے جو "سنت" فرمایا ہے اس کا جواب تیسری حدیث کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیے۔

تیسری حدیث

سعید بن سعید کہتے ہیں

سمعت ابن عباس یجھر بفاتحۃ الکتاب علی الجنازۃ وقال انما فعلت لتعلموا انھا سنۃ۔

میں نے ابن عباس کو جنازہ پر سورۂ فاتحہ بالجہر پڑھتے دیکھا اور کہا کہ میں نے ایسا اس لیے کیا ہے کہ جان لو قرأتِ فاتحہ سنّت ہے۔

جواب

اس میں بھی ابن عباس کا فاتحہ پڑھنا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فاتحہ پڑھنے کا ذکر نہیں۔ رہی یہ بات کہ ابن عباس نے جنازہ میں فاتحہ پڑھنا سنت فرمایا ہے تو اس سلسلہ میں امام شافعی کے دو قول ہیں۔

شرح نخبۃ ص۹۷ میں ہے

و فی نقل الاتفاق نظر نعم الشافعی فی اصل المسالۃ قولان

اس کے حاشیہ پر ہے۔

ففی القدیم ان ذالك مرفوع اذا صدر من الصحابی او التابعی
ثم رجع عنہ وقال فی الجدید لیس بمرفوع ۱۲ ش

امام شافعی قولِ قدیم میں صحابی یا تابعی کے سند السنۃ کہنے کو مرفوع کہتے تھے
پھر آپ نے اس قول سے رجوع کیا اور کہا کہ مرفوع نہیں۔

حافظ ابن حجر شرح نخبہ صہ۷۹ میں فرماتے ہیں:۔

وذھب الی انہ غیر موفوع ابوبکر الصیرفی من الشافعیہ
وابوبکر الرازی من الحنفیہ وابن حزم من اھل الظاھر

ابوبکر صیرفی شافعیہ میں سے، ابوبکر رازی حنفیہ میں سے اور ابن حزم اہل ظاہر
میں سے اس بات کے قائل ہیں کہ صحابی کا سنت کہنا مرفوع نہیں ہے۔

اسی طرح ابن حجر فتح الباری صہ۶۹ میں فرماتے ہیں:

کذا نقل الاجماع مع ان الخلاف عند اھل الحدیث و
عند الاصولیین شھیر

(حاکم نے) اجماع نقل کیا حالانکہ اہل حدیث اور اصولیوں کے نزدیک اس
قول میں اختلاف مشہور ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت علی فرماتے ہیں:

جلد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اربعین وابوبکر اربعین و
ثمانین وکل سنۃ

(شراب نوش کو) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس، حضرت ابوبکر نے چالیس
اور حضرت عمر نے اسی۸۰ درے لگائے اور یہ سب سنت ہے۔

معلوم ہوا کہ صحابی کے فعل کو بھی سنت کہتے ہیں۔ تو یہ کہنا کہ صحابی کا سنت
کہنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی سنت ہے، کلیتاً صحیح نہیں۔

شرح مسلم الثبوت میں بحر العلوم فرماتے ہیں:۔

نعندنا المتبادر منه طريقة مسلوكة فى الدين سواء كان طريقة رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم او طريقة الخلفاء الراشدين ۔

علی قاری مرقاۃ ج ۲ ص ۳۵۶ میں فرماتے ہیں:

وليس هذا من تبيل قول الصحابى من السنة كذا نيكون فى حكم المرفوع كما توهم ابن حجر۔ فتدبر۔

اس حدیث میں تصریح ہے کہ جہر اس لیے کیا کہ تم جان لو کہ فاتحہ پڑھنا سنت ہے تو اب ان نئے اہل حدیثوں کا بالجہر پڑھنا بلا دلیل ہوا۔ کیونکہ ابن عباس کا بالجہر پڑھنا تعلیم کے لیے تھا۔

چوتھی حدیث

عن رجل من اصحاب النبى صلى اللّٰه عليه وسلم الخ

آنحضرت کے ایک صحابی سے روایت ہے کہ جنازہ میں سنت یہ ہے۔ کہ امام تکبیر کہے۔ پھر بعد تکبیر کے سورۂ فاتحہ اپنے جی میں آہستہ پڑھے۔

جواب

اس حدیث کی سند کتاب الام میں یوں ہے:۔

اخبرنا مطرف بن مازن عن معمر عن الزهرى قال اخبرنى ابو امامه بن سهل انه اخبره رجل من اصحاب النبى صلى اللّٰه عليه وسلم الخ ۔

اس میں پہلا راوی مطرف بن مازن ہے۔ جسے یحییٰ ابن معین نے 'جھوٹا' کہا اور نسائی نے کہا 'ثقہ نہیں' اور دوسرے نے اسے 'واہی' فرمایا۔

علاوہ ازیں اس میں بھی حضور کا فعل نہیں اور سنت کہنا اسے مرفوع نہیں

ثابت کر سکتا۔ نیز اس حدیث میں جی میں پڑھنے کی تصریح ہے۔ نیز سورت کا بھی ذکر نہیں۔

پانچویں حدیث

ابو امامہ سے روایت ہے کہ سنّت یہ ہے کہ نماز جنازہ پر سورۂ فاتحہ پڑھے۔

جواب

اس حدیث کی سند کتاب الام میں اس طرح ہے:۔

اخبرنا بعض اصحابنا عن لیث بن سعد عن الزهری عن ابی امامة الخ

اس میں پہلا راوی مجہول ہے۔ جس کے نام کا پتہ نہیں۔ ایسی حدیث محدثین کے نزدیک صحیح نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ سنت سے مراد طریقۂ حسنہ ہے اور بس۔

چھٹی حدیث

ابن ماجہ میں ام شریک انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نقرأ علی الجنازة بفاتحة الکتاب۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جنازہ میں سورۂ الحمد پڑھنے کا حکم فرمایا۔

جواب

یہ حدیث بھی ضعیف ہے۔

اس لیے کہ ام شریک رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم جنازہ کے اتباع سے منع کی گئی ہیں۔ طبرانی میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو جنازہ میں

نکلنے سے منع فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو جنازہ میں شامل ہونے سے منع فرمایا۔

پھر ام شریک کو جنازہ میں فاتحہ پڑھنے کا حکم کس طرح فرمایا؟ جبکہ انہوں نے جنازہ میں شامل ہی نہیں ہوتا تھا۔ معلوم ہوا کہ یہ حدیث بھی صحیح نہیں ہے۔

علامہ ابن حجر تلخیص صنہ ۱۶۰ میں اس حدیث کی سند میں ضعف یسیر فرماتے ہیں۔ اس حدیث کی سند میں شہر بن حوشب ہے جسے ابو حاتم 'لایحتج بہ' ابن عون 'ترکوہ' اور نسائی و ابن عدی 'لیس بالقوی' فرماتے ہیں۔

تہذیب التہذیب میں موسیٰ بن ہارون اسے 'ضعیف' کہتے ہیں۔ اسی طرح ساجی اور بیہقی بھی 'ضعیف' کہتے ہیں۔

دوسرا راوی حماد بن جعفر ہے۔ جسے ابن عدی نے 'منکر الحدیث' کہا۔ ازدی نے ضعف کی نسبت کی۔ اگرچہ ان دونوں کی تعدیل بھی ہے مگر محدثین کا اصول ہے الجرح علی التعدیل کہ جرح تعدیل پر مقدم ہوتی ہے۔

فاتحۃ الکتاب

شیخین کی حدیث میں فاتحہ کو جو سنت کہا گیا ہے وہ بہ نیت دعا ہے۔

حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ صہ ۲۸ میں شاہ ولی اللہ محدث فرماتے ہیں:

وعن السنة فاتحة الكتاب لانها خير الادعية واجمعها الله تعالى عباده فی محكم كتابه۔

جنازہ میں فاتحہ پڑھنا سنت ہے (بدعت نہیں) کیونکہ سورۂ فاتحہ سب دعاؤں سے بہتر اور جامع دعا ہے۔ جو اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں کو اپنی کتاب میں سکھائی۔

حاصل یہ کہ جنازہ دعا ہے اور سورۂ فاتحہ سب دعاؤں سے بہتر دعا ہے۔ اس لیے بہ نیت دعا اسے پڑھ لینا چاہیے۔ نیز جن حدیثوں میں فاتحہ پڑھنا آیا ہے۔ ان میں

محل قرأت پہلی تکبیر کے بعد ہے اور یہ محل ثناء ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ثنا کی جگہ اگر الحمد پڑھا جائے تو درست ہے۔

علی قاری مرقاۃ میں فرماتے ہیں:

ان الفاتحۃ لو قرأت مکان الثناء لقامت مقام السنۃ

فاتحہ اگر بجائے ثناء پڑھی جائے تو سنت کے قائم مقام ہو جاتی ہے۔ یعنی ثناء ادا ہو جاتی ہے اور ہو سکتا ہے کہ من السنۃ کہنے کا مطلب یہی ہو۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ

صحابہ کرام نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ پڑھا۔ کسی صحابی سے اس میں الحمد پڑھنا منقول نہیں۔ اگر جنازہ میں الحمد ہوتی تو حضور کے جنازہ پر کوئی صحابی تو پڑھتا۔ اس کے علاوہ اگر جنازہ پر الحمد پڑھنا مروج ہوتا تو ابن عباس جہر پڑھ کر کیوں فرماتے کہ میں نے اس لیے جہر پڑھا ہے تاکہ تم معلوم کر لو کہ الحمد پڑھنا سنت ہے۔ معلوم ہوا کہ جہر تعلیم کے لیے تھا اور جنازہ میں فاتحہ فرض نہیں۔

ابن تیمیہ

عون المعبود ج ۳ ص ۱۹۱ میں ہے۔

قال ابن القیم قال شیخنا ابن تیمیہ لا یجب قرأۃ الفاتحۃ فی صلوۃ الجنازۃ بل ھی سنۃ انتہی قلت الحق مع الشیخ ابن تیمیہ واللہ اعلم۔

ابن قیم کہتے ہیں۔ ابن تیمیہ نے فرمایا کہ جنازہ میں فاتحہ پڑھنا واجب نہیں بلکہ سنت ہے۔ صاحب عون المعبود فرماتے ہیں کہ حق ابن تیمیہ کے ساتھ ہے۔

ابن قیم کا یہ قول زاد المعاد ج ۱ ص ۲۰۰ مطبوعہ مصر میں ہے۔

امام نووی

کتاب الاذکار صـ۲۴ـ میں لکھتے ہیں۔

والسنة فی قراءتها الاسرار دون الجهر

جنازہ کی قراءت میں سنت یہ ہے کہ جی میں پڑھے بلند آواز سے نہ پڑھے۔

شوکانی

نیل الاوطار میں لکھتے ہیں:۔

ذهب الجمهور الی انه لا یستحب الجهر فی صلوٰة الجنازة

جمہور (محدثین) اس طرف ہیں کہ جنازہ میں جہر مستحب نہیں۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ جو لوگ جنازہ میں اونچی آواز سے پڑھتے ہیں۔ وہ حدیث کے علاوہ جمہور محدثین کا بھی خلاف کرتے ہیں۔

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ هدیتنا

ختم یا فاتحہ مروّجہ
کے جواز میں دلائل

ختم متعارف کی تصویر

ہمارے ہاں ختم کے چند طریقے مروج ہیں

(۱) صاحبِ خانہ اگر خواندہ ہو تو کھانے پر ایصالِ ثواب کی خود ہی دعا مانگ کر کسی مستحق کو دے دیتا ہے۔

(۲) اگر ناخواندہ ہو تو جس کو دیتا ہے وہ کھانے پر دعا مانگ لیتا ہے۔

(۳) بسا اوقات صرف کھانا مستحقین کو دے دیتے ہیں کوئی دعا نہیں مانگتا۔ چنانچہ جمعرات و عیدین پر ایسا ہی کرتے ہیں۔

(۴) صاحبِ خانہ چند علما، فقرا کی دعوت کرتا ہے۔ ان کے سامنے کھانا رکھا جاتا ہے تو امام مسجد یا کوئی حافظِ قرآن سورۂ ملک یا رکوع لایستوی یا آمن الرسول یا کوئی رکوع و سورۂ اخلاص و معوذتین و سورۂ فاتحہ پڑھتا ہے۔ پھر تمام حاضرین ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں۔ بعد ازاں کھانا کھاتے ہیں یا ساتھ لے جاتے ہیں پڑھنے والا ایک ہوتا ہے لیکن کھانا سب کو دیا جاتا ہے۔

(۵) بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی بزرگ کو صرف برکت کے لیے بلاتے ہیں وہ کھانے پر دعا مانگتا ہے یا کچھ پڑھ کر ایصالِ ثواب کرتا ہے اور چلا جاتا ہے نہ کچھ کھاتا ہے اور نہ ہی لیتا ہے۔ کھانا غربا و مساکین میں تقسیم کر دیا جاتا ہے یا کسی دینی مدرسہ میں طالبعلموں کے لیے بھیج دیا جاتا ہے۔

طعام سامنے رکھنا

ختم متعارف میں پہلی بات یہ ہے کہ طعام سامنے رکھا جاتا ہے۔ اعتراض کیا جاتا ہے کہ طعام سامنے رکھنا صدقہ کی تملیک کی نیت سے ہوتا ہے اور صدقہ یا ہبہ اس وقت صحیح اور مفید ملک ہوتا ہے جبکہ دوسرے کا، جس کو صدقہ یا ہبہ دیا جاتا ہے قبضہ یا قبضہ پر قدرت ہو چنانچہ درمختار میں لکھا ہے۔

الصدقة کھبة لجامع التبرع وحینئذ لا تصح غیر مقبوضة

اور اسی میں بحوالہ نتف لکھا ہے کہ تیرہ عقد ہیں جو بلا قبض صحیح نہیں

علامہ شامی فرماتے ہیں:۔

احدھا الھبة والثانی الصدقة

نیز درمختار میں ہے:

والتمکن من القبض کالقبض

قبض پر قادر ہونا قبض کی مانند ہے۔

معلوم ہوا کہ ہبہ یا صدقہ میں قبض یا قدرت پر قبضہ ضروری ہے۔ تو جو طعام مستحق کے سامنے رکھا جاتا ہے وہ قدرت علی القبض بلکہ قبض میں داخل ہے جب کہ وہاں کوئی مانع نہ ہو۔ لہٰذا صدقہ یا ہبہ کا فقیر مستحق کے سامنے رکھنا جائز ہوا کہ سامنے رکھنے سے صدقہ یا ہبہ صحیح ہو جاتا ہے، صدقہ دینے والے کا کہنا کہ میں نے دیا اور لینے والے کا کہنا کہ میں نے لیا۔ یہ ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ قرائن علی التملیک موجود ہیں۔ صدقہ دہندہ کا دینا اور گیرندہ کا لینا اور قبض کرنا تملیک کا قرینہ ہے اس لیے تلفظ کی ضرورت نہیں۔

علامہ شامی ص ۵۸۹ میں لکھتے ہیں:۔

افاد ان التلفظ بالایجاب والقبول لا یشترط بل تکفی القرائن

الدالة علی التملیک کمن دفع لفقیر شیئاً وقبضه ولم یتلفظ

واحد منھما بشیٔ وکذا یقع فی ھدایه

عالمگیری میں ہے:۔

الھبة لا تصح الا بالقبول بالقول واستحسن فی الصدقة من

غیر قبول بالقول الجریان العادة فی کافة الاعصار بالتصدق

علی الفقراء من غیر اظھار ھو القبول کذا فی القینه۔

فقہاء علیہم الرحمہ کے اقوال سے معلوم ہوا کہ صدقہ اور ہبہ میں تملیک اور تملیک کے لیے قبض یا قدرت علی القبض ضروری ہے۔ ختم مروجہ میں طعام کا بہ نیت تملیک

سامنے رکھنا لینے والے کو قادر علی القبض کرنا ہے جو جائز اور مشروع ہے۔

طعام پر دُعا مانگنا

مشکوٰۃ شریف کے باب المعجزات میں حدیث ام سلیم رضی اللہ عنہا موجود ہے۔

قال ابوطلحۃ لام سلیم لقد سمعت صوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضعیفا اعرف فیہ الجوع فھل عندك من شئ فقالت نعم فاخرجت اقراصا من شعیر ثم اخرجت خمارا لھا فلفت الخبز ببعضہ۔

ابوطلحہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گرسنگی کا حال معلوم کر کے ام سلیم سے کہا: کیا تمہارے پاس کچھ ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ انہوں نے جو کی چند روٹیاں پکا کر دوپٹہ کے پلے میں باندھیں۔

یہ ایک طویل حدیث ہے۔ آخر یہ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روٹیوں کو توڑا اور ملیدہ کی طرح باریک کر کے برتن کا گھی اس میں ٹپکا دیا۔ پھر آپ نے اس کھانے پر دعا فرمائی۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔

ثم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیہ ماشاء اللہ ان یقول۔

مسلم کی ایک روایت میں ہے:

ثم دعا فیہ بالبرکۃ

دیکھئے مشکوٰۃ ص ۵۲۹

اب دیکھئے کہ کھانا سامنے ہے اس پر دعا کرنا یا رسول پاک نے جو چاہا اس کا پڑھنا بھی اس حدیث سے ثابت ہے۔

دوسری حدیث

حدیث انس رضی اللہ عنہ میں بروایت بخاری و مسلم آیا ہے:۔

انس فرماتے ہیں کہ میری والدہ نے گھی، کھجور اور اقط کا بادیہ بنایا ہوا تھا حضور علیہ السلام نے اس پر کچھ پڑھا۔ جو کچھ اللہ نے چاہا۔ پھر آپ دس دس آدمیوں کو بلاتے گئے اور کھلاتے گئے۔ یہاں تک کہ سب نے کھا لیا۔ پھر مجھے فرمایا انس اپنا بادیہ اٹھا لو۔ میں نے اٹھا لیا۔

فما ادری حین وضعت کان اکثر ام حین رفعت

تو میں نہیں جانتا کہ جب میں لایا تھا اس وقت کھانا زیادہ تھا یا اب زیادہ ہے جب کہ میں نے اٹھا لیا (متفق علیہ)

اس روایت سے معلوم ہوا:

کہ آپ نے طعام پر کچھ پڑھا جو کچھ اللہ نے چاہا۔

بعد ازاں آپ نے دس دس آدمیوں کی ٹولیوں میں کھانا تقسیم فرمایا۔ اس کے باوجود کھانا میں کمی نہ ہوئی۔

تیسری حدیث

عن ابی ھریرۃ قال لما کان غزوۃ تبوک اصاب الناس مجاعۃ فقال عمر یا رسول اللہ ادعھم بفضل ازوادھم ثم ادع اللہ لھم علیھا بالبرکۃ فقال نعم فدعا بنطع فبسط ثم دعا بفضل ازوادھم فجعل الرجل یجئی بکف ذرۃ ویجئی الاخر بکف تمر ویجئی الاخر بکسرۃ حتی اجتمع علی النطع شیئ یسیر فدعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالبرکۃ قال خذوا فی اوعیتکم الحدیث رواہ مسلم)

ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ غزوۂ تبوک میں لوگ جب گرسنہ ہو گئے تو حضرت عمر نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ لوگوں کا بچا کھچا کھانا منگوائیے اور اس کھانے پر اللہ سے برکت کی دعا کیجئے۔ حضور نے فرمایا ہاں۔ آپ نے دستر خوان بچھوایا اور فرمایا کسی کے پاس جو کچھ

بچا ہے، لے آؤ۔ کوئی مٹھی بھر جوار لایا کوئی مٹھی بھر کھجور لایا کوئی روٹی کا ٹکڑا لے آیا یہاں تک کہ دستر خوان پر تھوڑا بہت ذخیرہ ہوگیا۔ پھر آپ نے اس پر برکت کی دعا فرمائی اور فرمایا کہ اپنے اپنے برتن بھر لو۔ آخر حدیث تک۔

اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ سامنے رکھے ہوئے طعام پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ دعا مانگی جس کی آپ کو ضرورت تھی۔ صاحبِ فاتحہ وہ دعا مانگتا ہے جس کی اس کو ضرورت ہوتی ہے۔ دعا مانگنے میں دونوں برابر ہیں۔

معلوم ہوا کہ کھانے پر دعا مانگنا جائز ہے، منع نہیں۔

چوتھی حدیث

مشکوٰۃ شریف ص ۱۶۳ میں ہے۔

جو شخص تم پر احسان کرے اگر تم اس کے احسان کا بدلہ نہ دے سکے تو اس کے لیے یہاں تک دعا کرو کہ تم گمان کرو کہ اس کے احسان کا بدلہ ہو گیا۔

حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

من صنع الیکم معروفا فکافئوہ فان لم تجدوا ماتکافئوہ فادعولہ حتی تروا ان قد کافئتموہ۔

صاحبِ خانہ جو طعام بطورِ صدقہ دیتا ہے، لینے والے پر احسان کرتا ہے اس لیے لینے والے کو چاہیے کہ اس احسان کا بدلہ وہ بھی احسان کرے اگر نہ ہو سکے تو اس کے لیے دعا تو کرے۔ ختم مروجہ میں طعام لینے والے کا دعا مانگنا بموجب اس حدیث کے احسان کا مکافات ادا کرنا ہے۔

پانچویں حدیث

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں ایک باب باندھا ہے:

باب الصلوٰۃ الامام ودعائہ لصاحب الصدقۃ۔

اس پر آیت :

خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم وتزکیھم بھا وصل علیھم ۔

دلیل لائے ہیں۔

اور عبداللہ بن اوخ سے اس کی تائید میں ایک ذکر تے ہیں۔

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا اتاہ قوم بصدقتھم قال اللھم صل علی آل فلان فاتاہ ابی بصدقۃ فقال اللھم صلی علی ابی اوفیٰ۔

حضور علیہ السلام کی عادتِ مبارکہ تھی کہ جب کوئی قوم صدقہ لے کر آتی تو آپ ان کے لیے دعا فرماتے۔ چنانچہ ابو اوفیٰ آپ کی خدمت میں آئے تو آپ نے اس لیے بھی دعا فرمائی۔

معلوم ہوا کہ لینے والے کو، صدقہ دینے والے کے حق میں دعا کرنا چاہیے۔

چھٹی حدیث

امام نووی کتاب الاذکار ص۱۰۲ میں بروایت ابن السنی، عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں :

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب طعام آتا تو آپ یہ دعا پڑھتے :

اللھم بارک لنا فیما رزقتنا وقنا عذاب النار بسم اللہ

اے اللہ تو نے ہمیں جو رزق دیا ہے، اس میں برکت فرما اور ہمیں عذاب دوزخ سے بچا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

حدیث میں ایسی صاف تصریح کے ہوتے ہوئے بھی اگر کوئی اعتراض کرتا رہے تو یہ انصاف سے بعید ہے۔ فاتحہ اور دعا پر اعتراض کرنے سے پہلے اس روایت پر غور کیا جائے۔

ساتویں حدیث

علامہ قسطلانی مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں:

روی البخاری فی تاریخہ عن عبد اللہ بن مسعود من قال حین یوضع الطعام بسم اللہ خیر الاسماء فی الارض وفی السماء لا یضر مع اسمہ داء اجعل فیہ رحمۃ وشفاء، لم یضرہ ما کان۔

امام بخاری نے تاریخ میں روایت کیا ہے، عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ جب کھانا سامنے رکھا جائے تو جو شخص یہ دعا پڑھے:

بسم اللہ خیر الاسماء الیٰ آخرہ،

تو جو کچھ بھی ہو وہ کھانا اس کو ضرر نہیں دیتا۔

معلوم ہوا کہ کھانا سامنے رکھے جانے کے بعد کلام پاک کی تلاوت یا دعا کرنا حدیث کے عین مطابق ہے۔

شیخ شہاب الدین سہروردی کا ارشاد

شیخ شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ عوارف المعارف میں فرماتے ہیں۔

مما یذھب داء الطعام المغیر لمزاج القلب ان یدعو فی اول الطعام ویسأل اللہ تعالیٰ ان یجعلہ عونا علی الطاعۃ انتہی

مزاجِ قلب کے مخالف کھانے کے ضرر کو دور کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ کھانے سے پہلے اللہ تعالےٰ سے دعا کرے کہ وہ اس کھانے کو اطاعتِ الٰہی پر مددگار بنائے۔

ہاتھ اٹھاکر دعا مانگنا

مذکورۃ الصدر احادیث سے ثابت ہوگیا کہ کھانے سے پہلے کچھ پڑھنا اور دعا مانگنا سنّت کے عین مطابق ہے نہ کہ مخالف۔ رہی بات ہاتھ اٹھاکر دعا مانگنے کی تو حضور علیہ السلام کی عادتِ مبارکہ تھی کہ جب دعا فرماتے، ہاتھ اٹھاکر مانگتے تھے۔

پہلی حدیث

جامع الصغیر میں امام سیوطی فرماتے ہیں:

کان اذا دعا جعل بطن کفہ الی وجہہ

آپ دعا فرماتے تو ہتھیلی مبارک منہ کی جانب فرما لیتے۔

دوسری حدیث

سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:۔

ان ربکم حیی کریم یستحیی من عبدہ اذا رفع یدیہ الیہ ان یردھما صفرا (رواہ الترمذی وابوداؤد)

تمہارا پروردگار زندہ کریم ہے، اسے اپنے بندہ سے شرم آتی ہے کہ جب بندہ خدا کی طرف ہاتھ اٹھائے تو وہ خالی لوٹائے۔

معلوم ہوا کہ ہاتھ اٹھاکر دعا کرنا، قبولیت کی ضمانت ہے۔

تیسری حدیث

مالک بن یسار سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اذا سالتم اللہ فاسئلوہ ببطون اکفکم ولا تسئلوہ بظھورھا۔

جب تم اللہ سے دعا مانگو تو ہتھیلیاں اٹھا کر دعا مانگو ہاتھ کی پشت اٹھا کر نہ مانگو۔

چوتھی حدیث

ابن عباس کی روایت میں ہے۔

سلوا اللہ ببطون اکفکم ولا تسألوہ بظھورھا فاذا فرغتم فامسحوا بھا وجوھکم (مشکوٰۃ)

اللہ سے ہتھیلیوں سے دعا مانگو اور ہاتھ کی پشت سے نہ مانگو۔ جب دعا سے فارغ ہو جاؤ تو ہتھیلیاں اپنے چہروں پر ملو۔

حدیث نمبر ۳ اور ۴ سے صاف ظاہر ہے کہ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگو۔

پانچویں حدیث

ابوداؤد میں قیس بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے اور تین بار سلام فرمایا۔ سعد نے سلام کا جواب آہستہ دیا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ سنا۔ حضور واپس ہو گئے۔ سعد آپ کے پیچھے نکلا اور عرض کی:-

انی کنت اسمع تسلیمک وارد علیک خفیا لتکثر علینا من السلام قال فانصرف معہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فامر لہ سعد بغسل فاغتسل ثم ناولہ ملحفۃ مصبوغۃ بزعفران او ورس فاشتمل بھا ثم رفع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدیہ وھو یقول اللھم اجعل صلوٰتک ورحمتک علیٰ اٰل سعد بن عبادۃ قال ثم اصاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الطعام۔

ہیں آپ کا سلام سنتا تھا اور چپکے سے جواب دیتا تھا تاکہ آپ ہم پر کثرت سے سلام کہیں۔ حضور علیہ السلام سعد کے ساتھ واپس آ گئے آکر غسل کیا تو سعد نے ایک کپڑا زعفران کا رنگا ہوا دیا جو آپ نے اوپر لپیٹ لیا۔ پھر آپ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی کہ اے خدا تو سعد بن عبادہ کی آل پر اپنی رحمت نازل فرما۔ (دعا کے بعد) آپ نے کھانا تناول فرمایا۔

اس حدیث میں احسان کرنے والوں کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا ثابت ہے۔ اور وہ بھی کھانا کھانے سے پہلے۔ یہ تو کسی محدث یا مجتہد کے قول سے ثابت نہیں ہوتا کہ اس وقت آپ کے سامنے کھانا حاضر تھا یا نہیں تھا؛ میں کہتا ہوں کہ اگر کھانا حاضر تھا تو فھو المراد۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ کھانا سامنے حاضر نہ تھا تو بھی احسان کرنے والوں کے لیے دعا کرنا اور وہ بھی کھانے سے پہلے تو صاف ثابت ہے اور ختم مروجہ میں یہی معمول ہے۔

چھٹی حدیث

نسائی نے قیس بن مخرمہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ایک رات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باری میرے یہاں تھی۔ آپ دروازہ کھول کر باہر تشریف لے گئے۔ میں آپ کے پیچھے نکلی۔ آپ بقیع میں آئے اور دونوں ہاتھ اٹھا کر اموات کے لیے دعا فرمائی۔ حدیث یہ ہے۔

حتی جاء البقیع فرفع یدیہ

اس حدیث کے اخیر میں آتا ہے، آپ نے فرمایا کہ جبریل میرے پاس آئے اور درخواست کی کہ میں بقیع میں جاؤں اور اموات کے لیے طلبِ مغفرت کروں۔

فامرنی ان اٰتی البقیع فاستغفر لھم

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ نے مردوں کی بخشش کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی چونکہ ختم مروجہ میں بھی مُردوں کی مغفرت کے لیے دعا ہوتی ہے اس لیے

اس میں بھی ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز ثابت ہوا۔

ساتویں حدیث

بخاری شریف میں ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبید ابی عامر کی موت کے بعد ان کی مغفرت کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی۔

عن ابی موسیٰ قال دعا نبی صلی اللہ علیہ وسلم بماءٍ فتوضا ثم رفع یدیہ فقال اللھم اغفر لعبید ابی عامر۔

ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوا کر وضو فرمایا پھر ہاتھ بلند فرمائے اور دعا فرمائی اے اللہ! عبید ابی عامر کو بخش دے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مردہ کی بخشش کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا مسنون ہے، یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کی یہ دعا نماز جنازہ کے بعد تھی پہلے نہ تھی ختم مروجہ میں بھی تو یہی ہوتا ہے۔

ابنِ حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں:

یستفاد منہ استحباب التطھیر لارادۃ الدعاء ورفع الیدین فی الدعاء

اس حدیث سے دعا کے لیے وضوء کرنے اور ہاتھ اٹھانے کا استحباب ثابت ہوتا ہے۔

فقہائے کرام کی تصریح

فقہا علیہم الرحمۃ نے تصریح فرمائی ہے کہ دعائے رغبت میں دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنی چاہیے۔ ظاہر ہے کہ اموات کے لیے طلبِ رحمت و مغفرت دعائے رغبت ہے

شامی میں ہے:

دعاء رغبة نحو طلب الجنة

درمختار میں ہے:

دعاء رغبة يفعل كما مرّ

شامی میں اس کی تفسیر یہ ہے:

ان يبسط يديه نحو السماء

عینی شرح ہدایہ میں محمد بن الحنفیہ سے روایت ہے:

في دعاء الرغبة يجعل بطون كفيه نحو السماء

دعائے رغبت میں دونوں ہتھیلیاں آسمان کی طرف اٹھائی جائیں۔

دُعاء کے وقت الحمد اور قل شریف پڑھنا

الحمد شریف اور قل شریف اللہ کی حمد اور توحید و تنزیہہ ہے۔ اور ہر حمد و تنزیہہ ثناء و دعا ہے۔ چنانچہ فتح القدیر میں ہے:

کہ کسی نے ابن عینیہ سے پوچھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہٗ لا شریک لہٗ لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شئ قدیر کو دعا کیوں فرمایا؟ حالاں کہ دعا میں طلب ہوتی ہے۔ ان الفاظ میں تو کوئی طلب نہیں ہے تو ابن عینیہ نے فرمایا:

الثناء على الكريم دعاءٌ

خداوند کریم کی ہر ثناء دعا ہے

معلوم ہوا کہ الحمد شریف اور قل شریف چوں کہ ثناء ہے اور ہر ثناء دعا ہے پس الحمد شریف اور قل شریف بھی دعا میں داخل ہوئی۔ تو دعا میں ان کا پڑھنا بھی جائز ہوا۔

فتح القدیر کی اصل عبارت یہ ہے:

انه عليه السلام قال خير الدعاء دعاء مايقال يوم عرفة وخير ماقلت انا والنبيون من قبلي لا اله الا الله وحده لاشريك

له، له الملك وله الحمد وهو على كل شئ قدير. وقيل لابن عيينه هذا اثناء فلم سماه رسول صلى الله عليه وسلم دعاء فقال الثناء على الكريم دعاء لانه يعرف حاجته (فتح القدير نولکشوری ج ا ص ۴۷۱، شامی ج ا ص ۱۹۰)

دوسری دلیل

بعض احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا سے پہلے قرآن کی آیتیں پڑھیں، چنانچہ نسائی میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے

وجهت وجهي للذى فطر السموات والارض حنيفا وما انا من المشركين ان صلاتى ونسكى ومحيایَ ومماتى لله رب العالمين لاشريك له وبذالك امرت وانا من المسلمين۔ پڑھی۔

پھر یہ دعاء پڑھی:

اللهم انت الملك لا اله الا انت انا عبدك ظلمت نفسى واعترفت بذنبى فاغفر لى ذنوبى جميعا الخ

معلوم ہوا کہ دعا سے پہلے کلام اللہ کی آیات پڑھنا جائز ہے۔ منع نہیں۔ نماز میں بھی اور غیر نماز میں بھی۔

ایصال ثواب کی دعا سے پہلے قرأت قرآن ہونا چاہیے۔ حنفیہ اور متاخرین شافعیہ دونوں اس امر پر متفق ہیں اور یہی کچھ ختم مروجہ میں ہوتا ہے۔

تیسری دلیل

علامہ شامی ص ۶۶۵ میں شرح لباب سے نقل کرتے ہیں:

ويقرء من القرآن ماتيسر له، من الفاتحة واول البقرة الى المفلحون وآية الكرسى وآمن الرسول وسوره يسٓ و

تبارك الملك وسورة التكاثر والاخلاص اثنی عشر مرة او احدے عشر او سبعا او ثلاثا ثم يقول اللهم اوصل ثواب ما قرأنا الى فلان الخ

قاری سے جو ہو سکے قرآن پڑھے اور سورۂ بقرہ کا اوّل مفلحون تک، آیۃ الکرسی آمن الرسول، سورہ یٰسٓ، تبارک الذی، سورۂ تکاثر اور قل شریف بارہ بار یا گیارہ یا سات یا تین بار پڑھے، پھر کہے اے اللہ جو کچھ میں نے پڑھا ہے اس کا ثواب فلاں میّت کو پہنچا۔

جب کتب فقہ حنفیہ میں الحمد اور قل شریف کا ایصال ثواب کے لیے پڑھنا ثابت ہے اس لیے ختم پڑھنے والا کبھی ان سورتوں کو پڑھتا ہے۔ کبھی سورۂ ملک کبھی آمن الرسول اور کبھی قرآن کی دیگر سورتیں پڑھتا ہے اور اس کا ثواب میّت کو بخش دیتا ہے۔

چوتھی دلیل

اس میں شک نہیں ان آیات اور سورتوں کی فضیلت اور ان کا موجب نجات ہونا احادیث صحاح سے ثابت ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔

آپ نے فرمایا جو شخص قرآن کریم کا ایک حرف پڑھے گا اس کو دس نیکیوں کا ثواب ملے گا۔ فرمایا الٓم ایک حرف نہیں بلکہ الف حرف ہے، لام حرف ہے اور میم حرف ہے گویا الٓم پڑھنے سے تیس نیکیوں کا ثواب ملے گا۔

سورۂ فاتحہ کو اعظم سورۃ، سبع مثانی اور قرآن عظیم فرمایا گیا۔

قل شریف کو قرآن کے ثلث کے برابر فرمایا۔ تین بار پڑھنے سے پورے قرآن کا ثواب ہے۔

سورۂ ملک کو عذاب قبر سے نجات دینے والی فرمایا۔
لیس ایک بار پڑھنے سے دس قرآن کا ثواب ترمذی کی حدیث میں آیا ہے۔
آمن الرسول کی فضیلت بھی احادیث میں آئی ہے۔
معلوم ہوا کہ قرآن شریف کی آیات کو خواہ بہ نیت قراءت پڑھے یا بہ نیت دعا ہر طرح عبادت ہے اور بندہ کو اختیار ہے کہ اپنی عبادت کا ثواب اگرچہ دعا ہو غیر کو پہنچا دے۔

شامی میں مسطور ہے:

للانسان ان یجعل ثواب عملہ لغیرہ صلوٰۃ او صوما او صدقۃ او غیرھا۔

فتح القدیر میں ہے:

کتلاوۃ القرآن والاذکار

عالمگیری کی عبارت ہے:

ان الانسان لہٗ ان یجعل ثواب عملہ لغیرہ صلوٰۃ کان او صوما او صدقۃ او غیرھا کالحج وقرأۃ القرآن والاذکار وزیارۃ قبور الانبیاء علیہم السلام والشہداء والاولیاء والصالحین وتکفین الموتیٰ وجمیع انواع البرّ۔

ماسبق عبارات کا خلاصہ ترجمہ ہے:

انسان کو اختیار ہے کہ اپنے عمل کا ثواب غیر کو پہنچائے۔ نماز روزہ ہو یا صدقہ ہو، ذکر ہو یا قراءت قرآن، زیارت قبور انبیاء ہو یا تکفین موتیٰ ہو۔ الغرض جمیع اقسام حسنات کا ثواب غیر کو بخش سکتا ہے۔

پانچویں دلیل

حدیث بیرام سعد میں:

ہذہ لام سعد سے ثابت ہوتا ہے کہ ایصالِ ثواب کے لیے نیت کے علاوہ اگر زبان سے بھی کہیں تو مستحب اور موافقِ حدیث ہے اور ختم مروجہ میں یہی ہوتا ہے۔

چھٹی دلیل

حدیثِ ابوہریرہ میں آپ نے فرمایا کہ
تم میں سے کون میرے لیے ذمہ کرے کہ مسجد اعشار میں دو یا چار رکعت نماز پڑھے اور کہے:

هذه لابی هریرة

اس کا ثواب ابوہریرہ کے لیے ہے۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ عبادات بدنیہ کا ثواب دوسرے کو پہنچتا ہے اور ایصال ثواب کے لیے زبان سے کہنا جائز ہے۔ ہم پیچھے شرح لباب سے نقل کر چکے ہیں کہ قرآن شریف کی مختلف سورتیں پڑھ کر یہ کہے۔

اللهم اوصل ثواب ما قرأناه الیٰ فلان

اے اللہ ہم نے جو کچھ پڑھا ہے اس کا ثواب فلاں شخص کو پہنچا۔

ساتویں دلیل

حدیث شریف میں آیا ہے:

کل ذی بال لایبدأ فیه بالحمد لله اقطع وفی روایة بحمد الله وفی روایة بالحمد فهو اقطع وفی روایة کل کلام لایبدء فیه بالحمد لله فهو اجذم۔ (اذکار نووی ص۵۲)

یعنی جو امیر ذی شان الحمد کے ساتھ شروع نہ کیا جائے، وہ اقطع اور بے برکت ہے۔

مُردوں کے لیے دعا اور صدقہ ایک امر ذی بال ہے، اس لیے صدقات

پر الحمد شریف پڑھنا موجبِ خیر و برکت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ختم مروّجہ میں الحمد شریف کی تلاوت بھی کی جاتی ہے۔

شاہ ولی اللہ سے طعام پر فاتحہ کا ثبوت

زبدۃ النصائح کے صفحہ ۱۳۲ میں شاہ صاحب لکھتے ہیں :۔

اگر ملیدہ و شیر برنج بنا بر فاتحہ بزرگے بقصد ایصال ثواب بروح ایشاں پزندہ بخورانند مضائقہ نیست جائز است وطعام نذر اللہ اغنیاء را خوردن حلال نیست .... واگر فاتحہ بنام بزرگے دادہ شود پس اغنیاء راہم خوردن دراں جائز است ۔

انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں شاہ صاحب فرماتے ہیں :۔

پس دہ مرتبہ درود خوانند ختم تمام کنند و بر قدرے شیرینی فاتحہ بنام خواجگانِ چشت عموماً بخوانند وحاجت از خدائے تعالیٰ سوال نمائند۔ ہمیں طور ہر روز می خواندہ باشند ۔

اس عبارت میں تھوڑی شیرینی پر فاتحہ کا لفظ پھر ہر روز کا ارشاد قابلِ غور ہے۔

ہمعات میں شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

ازیں جاست حفظِ اعراسِ مشائخ و مواظبت قبور ایشاں والتزام فاتحہ خواندن وصدقہ دادن برائے ایشاں ۔

لفظ التزام فاتحہ خواندن قابلِ غور ہے۔

انفاس العارفین میں شاہ صاحب فرماتے ہیں :۔

حضرت ایشاں (یعنی شاہ عبدالرحیم والدِ ماجد شاہ ولی اللہ) در قصبہ ڈاسنہ بزیارت مخدوم اللہ دیا رفتہ بودند۔ شب ہنگام دراں فرمودند کہ مخدوم ضیافت ما میکنند و می گویند کہ چیزے خوردہ روید۔ توقف کردند تا آنکہ اثر مردم منقطع شد و ملال بر یاراں غالب آمد آنگاہ زنے بیامد طبق برنج

وشیرینی بر سر و گفت کہ نذر کردہ بودم کہ اگر زوج من بیاید ہماں ساعت
ایں طعام پختہ بہ نشیندگان درگاہِ مخدوم اللہ دیار رسانم۔ درایں وقت
آمد۔ ایفائے نذر کردم و آرزو کردم کہ کسے آنجا باشد تا تناول کند۔

شاہ عبدالعزیز سے طعام پر فاتحہ کا ثبوت

شاہ عبدالعزیز تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں؛
چنانچہ فاتحہ وقل و درود خواندن طریق متعین است برائے رسانیدن
ماکولات ومشروبات بارواح۔
اہل اسلام میں فاتحہ، قل اور درود پڑھ کر ماکولات ومشروبات کا ثواب اموات
کو پہنچانے کا طریق متعین ہے۔
سوالات عشرۂ محرم کے سوال نہم کے جواب میں فرماتے ہیں۔
طعامے کہ ثواب آں نیاز حضرت امامین نمائند و بر آں فاتحہ وقل و درود
خوانند تبرک می شود۔ خوردن آں بسیار خوب است۔
وہ کھانا کہ جس نیاز کا ثواب امامین کو پہنچاتے ہیں اور اس پر فاتحہ، قل اور درود
شریف پڑھتے ہیں، تبرک ہو جاتا ہے۔ جس کا کھانا بہت خوب ہے۔
ملاحظہ فرمائیے کہ شاہ صاحب نے ایصالِ ثواب کی خاطر کھانے پر الحمد، قل،
اور درود شریف کے پڑھنے کو باعث برکت لکھا ہے اور یہی ختم مروجہ میں ہوتا ہے۔
آپ کا وہ مکتوب جو آپ نے علی محمد خاں رئیس مراد آباد کو لکھا تھا اس میں یہ
عبارت موجود ہے۔
پس بر ماحضر از طعام یا شیرینی فاتحہ خواندہ تقسیم آں بحاضرین مجلس می شود۔
پس ماحضر کھانے یا شیرینی پر فاتحہ پڑھ کر حاضرینِ مجلس میں تقسیم کیا جاتا ہے۔
اس میں طعام پر فاتحہ پڑھنے کی صراحت موجود ہے۔
زبدۃ النصائح کے صـ۴۲ میں فرماتے ہیں۔

آرے زیارت و تبرک بقبور صالحین و امدادِ ایشاں بامداد ثواب و تلاوت قرآن و دعائے خیر و تقسیم طعام و شیرینی امر مستحسن و خوب است باجماع علماء۔ (فتاوی عزیزی صـ۵۲)

صالحین کی قبروں کی زیارت اور ان سے تبرک حاصل کرنا، تلاوتِ قرآن، دعائے خیر اور کھانے و شیرینی کی تقسیم مستحسن امر ہے جو کہ اجماع علماء سے ثابت ہے۔

فتاوی عزیزی کے صـ۴۰ میں ہے:-

آنکہ بہیئت اجتماعیہ مردماں کثیر جمع شوند و ختم کلام اللہ کنند و فاتحہ بر شیرینی و طعام نمودہ تقسیم درمیان حاضراں نمائند ایں قسم معمول در زمانہ پیغمبر خدا و خلفائے راشدین نبود۔ اگر کسے ایں طور بکنند باک نیست زیرا کہ دریں قسم قبحے نیست بلکہ فائدہ احیاء و اموات را حاصل می شود۔

وہ جو اجتماعی صورت میں بہت سے لوگ جمع ہوتے ہیں اور ختم قرآن کرتے ہیں۔ اور کھانے و شیرینی پر فاتحہ پڑھ کر حاضرین میں تقسیم کرتے ہیں، یہ قسم پیغمبر خدا اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں معمول نہ تھی۔ اگر کوئی شخص اس طرح کرے تو کوئی حرج نہیں اس لیے کہ اس قسم میں کوئی قباحت نہیں ہے بلکہ زندہ اور مردوں کو اس سے فائدہ پہنچتا ہے۔

تحفہ اثنا عشریہ میں لکھتے ہیں:

حضرتِ امیر و ذریہ طاہرہ او را تمام امت بر مثال پیران و مرشدان می پرستند و امور تکوینیہ را وابستہ بایشاں می دانند و درود و صدقات و نذر بنام ایشاں رائج و معمول گردید چنانچہ با جمیع اولیاء اللہ ہمیں معاملہ است۔

حضرت امیر اور ذریہ طاہرہ کو تمام اہل امت پیروں اور مرشدوں کی طرح پیار کرتے ہیں اور امورِ تکوینیہ کو ان سے وابستہ جانتے ہیں۔ فاتحہ، درود، صدقات اور ان کے نام کی نذریں (امت) میں رائج اور معمول ہو گئیں۔ چنانچہ تمام اولیاء اللہ سے یہی معاملہ ہے۔

تفسیر عزیزی میں زیر آیت والقمر اذا اتسق فرماتے ہیں!

وارد است کہ مردہ دریں حالت مانند غریقے است کہ انتظار فریاد رسے می برد وصدقات وادعیہ وفاتحہ دریں وقت بسیار بکار او می آید۔

وارد ہے کہ مردہ اس حالت میں اس ڈوبنے والے کی مانند ہوتا ہے جو کسی فریاد رس کے انتظار میں ہو۔ صدقات دعائیں اور فاتحہ اس وقت مردہ کے بہت کام آتی ہیں۔

شاہ صاحب کی تصریحات سے معلوم ہوا کہ آپ طعام یا شیرینی پر آیات کا پڑھنا جائز و مستحسن جانتے تھے اور ختم مروجہ کو حرام یا بدعت نہیں گردانتے تھے۔

مولوی اسماعیل دہلوی سے طعام پر فاتحہ کا ثبوت

مولوی اسماعیل صاحب دہلوی سب سے زیادہ ختم فاتحہ کے منع کرنے میں مشہور ہیں لیکن وہ بھی تاریخ اور دن کی پابندی کو منع کہتے ہیں۔ اگرچہ ان کا یہ منع بھی بے دلیل ہے، لیکن کھانے کے ساتھ فاتحہ پڑھنے کو وہ بھی منع نہیں کہتے۔

چنانچہ صراط مستقیم میں لکھتے ہیں؛

نہ پندارند کہ نفع رسانیدن باموات باطعام وفاتحہ خوانی خوب نیست ہرگاہ ایصال نفع بمیت منظور دارد موقوف برطعام نگذارد اگر میسر باشد بہتر است والا صرف ثواب سورۂ فاتحہ واخلاص بہترین ثواب است۔

یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ مردوں کو کھانے اور فاتحہ خوانی کے ساتھ نفع پہنچانا اچھا نہیں ہے (یعنی اچھا ہے)

جب میت کو نفع پہنچانا مقصود ہو تو کھانے ہی پر موقوف نہ کرنا چاہیے۔ اگر میسر ہو تو بہتر ہے ورنہ صرف سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص کا ثواب بہترین ثواب ہے۔

تقریر ذبیحہ میں لکھتے ہیں؛

اگر شخصے بزے را خانہ پرورکند تا گوشت او خوب شود اور اذبح کردہ و

پختہ فاتحہ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ خوانده بخورانندہ خللے نیست
اگر کوئی شخص گھر میں بکرا پالے تاکہ اس کا گوشت اچھا ہو اس کو ذبح کرکے پکائے، حضرت غوث الاعظم کے لیے فاتحہ پڑھ کر کھلائے تو کوئی خلل نہیں۔
جماعتِ اسماعیلیہ کو لفظ غوث الاعظم پر غور کرنا چاہیے۔

حاجی امداد اللہ صاحب کا فیصلہ

حاجی امداد اللہ صاحب چونکہ شیخ الطائفہ تھے، مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے پیرو مرشد تھے۔ امید ہے کہ ان کا فیصلہ ناظرین کے لیے قول فیصل ہوگا۔ ذیل میں ہم ایک طویل عبارت حاجی صاحب کے الفاظ میں نقل کر رہے ہیں امید ہے کہ انصاف پسند اس کو تسلیم کریں گے۔

حاجی صاحب فیصلہ ہفت مسئلہ میں فرماتے ہیں:

اس میں بھی وہی گفتگو ہے جو مسئلہ مولد میں مذکور ہوئی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نفس ایصال ثواب بارواح اموات میں کسی کو کلام نہیں اس میں بھی تخصیص و تعیین کو موقوف علیہ ثواب کا سمجھے یا واجب فرض اعتقاد کرے تو ممنوع ہے۔ اگر یہ اعتقاد نہیں بلکہ کوئی مصلحت باعثِ تقیید ہیئت کذائیہ ہے تو کچھ حرج نہیں جب بمصلحت نماز میں سورہ خاص معین کرنے کو فقہائے محققین نے جائز رکھا ہے اور تہجد میں اکثر مشائخ کا معمول ہے اور تامل سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ سلف میں تو یہ عادت تھی کہ مثلاً کھانا پکا کر مساکین کو کھلا دیا اور دل سے ایصالِ ثواب کی نیت کرلی۔ متاخرین میں سے کسی کو خیال ہوا کہ جیسے نماز میں نیت ہر چند دل سے کافی ہے مگر موافقتِ قلب ولسان کے لیے عوام کو زبان سے کہنا ہی مستحسن ہے۔ اسی طرح اگر یہاں زبان سے کہہ لیا جائے کہ یا اللہ اس کھانے کا ثواب فلاں شخص کو پہنچ جائے تو بہتر

ہے، پھر کسی کو خیال ہوا کہ لفظ "اس کا" مشارٌ الیہ اگر روبرو موجود ہو تو زیادہ استحضارِ قلب ہو، کھانا روبرو لانے لگے۔ کسی کو یہ خیال ہوا کہ یہ ایک دعا ہے اس کے ساتھ اگر کلام الٰہی بھی پڑھا جائے تو قبولیت دعا کی بھی امید ہے اور اس کلام کا ثواب بھی پہنچ جائے گا۔ کہ جمع بین العبادتین ہے۔ ع

چہ خوش بود کہ بر آید بیک کرشمہ دو کار

قرآن شریف کی بعض سورتیں جو لفظوں میں مختصر اور ثواب میں بہت زیادہ ہیں، پڑھی جانے لگیں۔ کسی نے خیال کیا کہ دعا کے لیے رفع یدین سنت ہے تو ہاتھ بھی اٹھانے لگے۔ کسی نے خیال کیا کہ کھانا جو مساکین کو دیا جائے گا اُس کے ساتھ پانی دینا بھی مستحسن ہے، پانی پلانا بھی بڑا ثواب ہے تو پانی کو بھی کھانے کے ساتھ رکھ لیا۔ پس یہ ہیئت کذائیہ حاصل ہو گئی۔

رہا تعینِ تاریخ۔ یہ بات تجربہ سے معلوم ہوتی ہے کہ جو امر کسی خاص وقت میں معمول ہو، اس وقت وہ یاد آجاتا ہے اور ضرور ہو کر رہتا ہے۔ نہیں تو سالہا سال گذر جاتے ہیں کبھی بھی نہیں ہوتا۔ اس قسم کی مصلحتیں ہر امر میں ہیں جن کی تفصیل طویل ہے۔ محض بطور نمونہ تھوڑا سا بیان کیا گیا ہے۔ ذہین آدمی غور کر کے سمجھ سکتا ہے اور قطع نظر مصالح مذکورہ کے ان میں بعض اسرار بھی ہیں پس اگر یہی مصالح بنائے تخصیص ہوں تو کچھ مضائقہ نہیں۔ رہا عوام کا غلو تو اس کی اصلاح کرنی چاہیے۔ اس عمل سے کیوں منع کیا جائے؟ ثانیاً ان کا غلو اہل فہم کے فعل میں مؤثر نہیں ہو سکتا۔ لنا اعمالنا ولکم اعمالکم۔

رہا شبہ تشبہ کا اس میں بحث از بس طویل ہے۔ مختصر اتنا سمجھ

لینا کافی ہے کہ تشبہ اس وقت تک رہتا ہے جب تک وہ عادت اس قوم کے ساتھ ایسی مخصوص ہے کہ جو شخص وہ فعل کرے اسی قوم سے سمجھا جائے یا اس پر حیرت ہو اور جب دوسری قوموں میں پھیل کر عام ہو جائے تو وہ تشبہ جاتا رہتا ہے ورنہ اکثر امور متعلقہ عادات و ریاضات جن غیر قوموں سے ماخوذ ہیں مسلمانوں میں اس کثرت سے پھیل گئے عالم درویش کا گھر بھی اس سے خالی نہیں۔ یہ امور مذموم نہیں ہو سکتے۔ قصۂ تطہیر اہل قبا کا اس میں کافی حجت ہے۔ البتہ جو ہیئت عام نہیں ہوئی وہ موجب تشبہ ہے اور ممنوع۔ پس یہ ہیئت مروجہ ایصال کسی قوم کے ساتھ مخصوص نہیں اور گیارہویں حضرت غوث پاک قدس سرہٗ کی، دسواں، بیسواں، چالیسواں ششماہی اور سالیانہ وغیرہ اور توشہ حضرت شیخ احمد عبدالحق ردولوی رحمۃ اللہ علیہ اور حلوائے شب برات اور دیگر طریقے ایصال ثواب کے اسی قاعدے پر مبنی ہیں اور مشرب فقیر کا اس مسئلہ میں یہ ہے کہ فقیر پابند اس ہیئت کا نہیں مگر کرنے والوں پر انکار بھی نہیں کرتا اور جو عمل در آمد اس مسئلہ میں رکھنا چاہیے یعنی دو فرقوں کا ال جل کر رہنا اور مباحثہ اور قیل و قال نہ کرنا اور ایک دوسرے کو بدعتی نہ کہنا اور عوام کو غلو اور جھگڑوں سے منع کرنا یہ سب بحث مولد میں گزر چکا۔ انتہیٰ

ناظرین سے درخواست ہے کہ حاجی امداد اللہ صاحب کی تحریر کو بار بار پڑھا جائے تاکہ حقیقت حال روشن ہو جائے۔

واللہ اعلم بالصواب

كَشْفُ الغِطَاءِ

عَنْ

مَسْئَلَةِ النِّدَاءِ

ندائے یارسول اللہ

کے جواز میں دلائل

فقیر ابو یوسف محمد شریف عرض کرتا ہے کہ درود شریف صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ یا اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کی نسبت کئی دفعہ احباب نے پوچھا اور میں نے عرض کیا کہ ان الفاظ میں درود شریف پڑھنا جائز ہے۔ بعض احباب نے اصرار کیا کہ یہ دلائل معرضِ تحریر میں لائے جائیں تاکہ عامۃ المسلمین کو فائدہ ہو۔

لہٰذا متوکلاً علی اللّٰہ اس مضمون کو شروع کرتا ہوں۔

آغاز

قرآنِ حکیم میں مطلق درود شریف پڑھنے کا حکم ہوا ہے۔ احادیث شریفہ میں بھی مطلق درود پڑھنے کی فضیلت آئی ہے اس لیے درود شریف کا کوئی بھی صیغہ ہو، سب کے پڑھنے سے، پڑھنے والا فضیلت کا مستحق ہو جاتا ہے اگرچہ بعض صیغے بسبب ماثور ہونے یا بسبب احسن ہونے کے ایک دوسرے سے افضل ہوں جس طرح قرآن حکیم کی بعض آیات بہ نسبت بعض دیگر کے ثواب میں افضل ہیں، لیکن مطلق فضیلت میں سب یکساں ہیں۔

اگر یہ بات ہوتی کہ جو درود شریف جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا ہے اس کے سوا کسی دوسرے درود شریف کے پڑھنے میں کچھ فضیلت نہیں تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین و تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین علیہم الرحمۃ ہرگز درود نئے الفاظ اور نئی عبارت میں نہ پڑھتے اور نہ ہی لکھتے۔ حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے درود شریف کے کئی الفاظ صحیح مروی ہیں جو حضور علیہ السلام کے الفاظ نہیں ہیں۔ اسی طرح تابعین و تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین سے کئی ایسے درود ہیں جن کے الفاظ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ درود شریف کوئی بھی پڑھا جائے، فضیلت ضرور ہے۔

قَالَ الحافظ سخاوی نقلاعن الحافظ ابن سعدی قد رُوِیَ فِی کیفیۃِ الصلوٰۃِ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم احادیثُ کثیرۃٌ وَ ذَھَبَ جماعۃٌ من الصحابۃِ فمن بعدھُم الی اَنَّ ھذا الباب لَا یُوقفُ فِیہ مع النُّصوصِ وَاَنَّ من رَزَقَہُ اللہُ بیانًا فَاَبَانَ عنِ المعانِی بالفاظِ الفصیحۃِ المُبانِی الصَّرِیحَۃِ المُعانِیْ مِمَّا یَعْرِبُ عَنْ کَمَالِ شَرَفِہٖ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَعَظِیْمِ حُرْمَتِہٖ کَانَ ذٰالِکَ وَاسِعًا وَاحْتَجُّوْا بِقَوْلِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ

اللہُ عَنہ، اَحسِنُوا الصَّلوٰۃَ عَلیٰ نَبِیِّکُم فَاِنَّکُم لَا تَدرُونَ لَعَلَّ ذٰالِکَ یُعرَضُ عَلَیہِ۔ انتہی۔

حافظ سخاوی قول بدیع میں حافظ ابن سدی سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کی کیفیت میں بہت حدیثیں آئی ہیں اور صحابہؓ اور تابعین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ یہ باب منصوص پر موقوف نہیں جس شخص کو اللہ تعالیٰ قوت بیانیہ عطا فرماوے اور وہ الفاظ فصیحہ کے ساتھ درود شریف کو ادا کرے اور ایسے الفاظ کہے جس سے حضور علیہ السلام کا کمال شرف اور آپ کی عظمت و حرمت ظاہر ہو تو یہ جائز ہے اور مجوزین کی دلیل قول ابن مسعود ہے رضی اللہ عنہ کہ انہوں نے فرمایا کہ تم اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر حسین درود پڑھا کرو تم نہیں جانتے شاید یہی درود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا جائے۔ (تو تمہارے حسین الفاظ اور پیارے پیارے تعریفی جملے آپ دیکھ کر خوش ہوں) دیکھو سعادت الدارین صفحہ ۳۷)

محدثین و فقہا علیہم الرحمۃ کو دیکھئے کہ وہ اپنی کتابوں میں حضور علیہ السلام کے نام پاک کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم یا علیہ الصلوٰۃ والسلام یا اور کوئی مختصر لفظ درود شریف لکھتے ہیں حالانکہ یہ لفظ بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ماثور نہیں جس سے معلوم ہوا کہ علمائے امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ درود شریف کے بارہ میں وسعت ہے جو لفظ بھی ہو فضیلت سے خالی نہیں اور ہر لفظ میں قرآن شریف کے ارشاد کی تعمیل ہے قرآن کریم میں کسی خاص درود پڑھنے کی بابت حکم نہیں مطلق حکم ہے کہ درود پڑھو۔ اب درود پڑھنے والا جس صیغے کے ساتھ اس حکم کی تعمیل کرے گا جائز ہو گا۔

درود اور سلام بلکہ قرآن شریف میں درود اور سلام کا ذکر ہے اس لیے صلی اللہ علیک یا رسول اللہ وسلم علیک یا حبیب اللہ پڑھنے سے یا الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ پڑھنے سے دونوں امروں کی تعمیل ہو جاتی ہے۔

درود بھی اور سلام بھی۔ لیکن نماز والا درود شریف پڑھنے میں درود کی تعمیل تو ہو گئی لیکن سلام رہ گیا۔ سلام کے حکم کی تعمیل نہ ہوئی۔ اس لیے نماز والا درود شریف نماز میں پڑھنا افضل ہے کیونکہ نماز میں پہلے سلام پڑھ لیا جاتا ہے یعنی (السلام علیک ایھا النبی۔ پھر یہ درود شریف پڑھا جاتا ہے تو دونوں حکموں کی تعمیل نماز میں ہو جاتی ہے۔

نماز کا درود

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نماز میں درود شریف پڑھنے کی بابت حضور علیہ السلام سے سوال کیا تو حضور علیہ السلام نے نماز والا درود شریف سکھایا چنانچہ ابی مسعود بدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے۔

قَالَ اَقْبَلَ رَجُلٌ حَتّٰی جَلَسَ بَیْنَ یَدَیِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ عِنْدَہٗ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَمَّا السَّلَامُ عَلَیْکَ فَقَدْ عَرَفْنَاہُ فَکَیْفَ نُصَلِّیْ عَلَیْکَ اِذَا نَحْنُ صَلَّیْنَا فِیْ صَلَاتِنَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ قَالَ فَصَمَتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَتّٰی اَحْبَبْنَا اَنَّ الرَّجُلَ لَمْ یَسْئَلْہُ فَقَالَ اِذَا اَنْتُمْ صَلَّیْتُمْ فَقُوْلُوْا اَللّٰھُمَّ صَلِّ الخ

مسند احمد ابن خزیمہ حاکم ابن حبان دارقطنی بیہقی میں یہ حدیث موجود ہے ابن تیمیہ نے منتقی اصـ ۶۵ میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے امام نووی شرح صحیح مسلم صـ ۱۷۵ میں اس حدیث کو صحیح فرماتے ہیں۔ ترمذی و ابن خزیمہ و حاکم نے اس کو صحیح کہا دارقطنی نے اس کی سند کو حسن متصل اور بیہقی نے صحیح کہا (سعادۃ الدارین صـ ۵۹)

ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ ایک آدمی آیا اور آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔ اور عرض کی یا رسول اللہ آپ پر سلام بھیجنا تو ہم معلوم کر چکے جب ہم نماز میں آپ پر درود پڑھیں تو کس طرح پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ آپ پر رحمت نازل فرمائے، راوی کہتا ہے کہ حضور علیہ السلام خاموش ہو گئے۔ یہاں تک کہ ہم چاہتے تھے کہ یہ آدمی نہ پوچھتا (تو اچھا تھا) آپ نے

فرمایا کہ جب تم نماز پڑھو تو (اس طرح) کہو اللھم صل علی محمد الخ

اسی حدیث کی تصریح کے واسطے قاضی عیاض رحمۃ اللہ نے اسی کو اظہر فرمایا کہ صحابہ رضی اللہ عنہ نے نماز میں درود شریف پڑھنے کے متعلق پوچھا اور حضور علیہ السلام نے نماز میں پڑھنے کے لیے یہ درود سکھایا۔

علامہ نووی نے بھی شرح صحیح مسلم میں یہی پسند فرمایا اور کہا۔

هٰذَا ظَاهِرُ اِخْتِيَارِ مُسْلِمٍ وَلِهٰذَا ذَكَرَ هٰذَا الْحَدِيْثَ فِىْ هٰذَا الْمَوْضِعِ۔

یہی ظاہر ہے کہ مسلم نے بھی اسی کو پسند فرمایا اسی واسطے اس حدیث کو اس موقع پر بیان کیا یعنی نماز میں تشہد کے موقع پر۔

تحقیق خطاب

رہی یہ بات کہ اس درود شریف میں خطاب ہے اور حضور علیہ السلام کو مسافت بعیدہ سے خطاب کرنا درست نہیں اس لیے یہ درود بھی درست نہیں۔

میں کہتا ہوں بیشک اس میں خطاب ہے لیکن یہ کہنا کہ حضور علیہ السلام کو خطاب درست نہیں صحیح نہیں کیونکہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہ کرام اپنے اپنے گاؤں میں شہروں میں گھروں میں نمازیں پڑھتے تھے اور سب کے سب التحیات میں بصیغہ خطاب السلام علیک ایھا النبی ہی پڑھتے تھے حالانکہ سب کے سامنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہوتے تھے اور یہ خطاب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود سکھایا

اور اس تاکید سے سکھایا جس طرح کہ آپ قرآن شریف سکھاتے تھے لیکن کسی صحابی نے حضور علیہ السلام کے سامنے یہ عذر پیش نہیں کیا کہ حضور جب ہم آپ کے ساتھ جماعت میں شامل ہوتے ہیں تو آپ ہمارے سامنے ہوتے ہیں لیکن جب ہم سنن یا نوافل گھروں میں پڑھتے ہیں یا سفر میں نماز کا وقت آجاتا ہے یا کسی دوسرے شہر یا گاؤں میں نماز پڑھتے ہیں تو اس وقت آپ ہمارے سامنے موجود نہیں

ہوتے پھر ہم آپ کو بصیغہ خطاب السلام علیک ایھا النبی کس طرح پڑھیں کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جانتے تھے کہ حضور علیہ السلام کو ہمارا سلام پہنچتا ہے بذریعہ فرشتوں کے یا خدا تعالیٰ کے سنا دینے سے۔ اور یہ خطاب نہ صرف آپ کے زمانہ میں تھا بلکہ بعد وصال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اُمت میں اسی طرح مروج رہا اور سب اسی التحیات کو پڑھتے رہے اور پڑھتے ہیں۔

صدیق اکبر و عمر فاروق و عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم برسر منبر علی روس الاشہاد اپنی اپنی خلافتوں میں اسی تشہد خطاب والے کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ صحابہ میں سے اگر کسی صحابی کو ندا میں کلام ہوتا تو ضرور انکار کرتے معلوم ہوا کہ جواز ندا پر صحابہ کا اجماع تھا خود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے علقمہ کو اسی خطاب کے صیغہ کے ساتھ التحیات سکھایا اور انہی سے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ کو بصیغہ خطاب پہنچا (فتح القدیر)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس تشہد کے ایک ایک حرف کی بابت گرفت کرتے تھے اور کمی بیشی منع سمجھتے تھے۔

ایک اعتراض کا جواب

البتہ جو صحیح بخاری میں عبداللہ بن مسعودؓ سے آیا ہے۔ فَلَمَّا قُبِضَ قُلْنَا السَّلَامُ یعنی علی النبی اس کا جواب یہ ہے کہ التحیات کی روایت عبداللہ بن عباس و عمر و ابن عمر و جابر و ابو موسیٰ اشعری و عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے منقول ہے سب میں لفظ السلام عَلَیکَ ایھا النبی ہے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے شقیق اور علقمہ و اسود و ابو الاحوص و ابو عبیدۃ و عبداللہ بن سخبرہ روایت کرتے ہیں لیکن کسی نے بجز عبداللہ بن سخبرہ خطاب چھوڑنے کا ذکر نہیں کیا۔ عبداللہ بن سخبرہ سے اعمش اور سیف بن سلیمان روایت کرتے ہیں۔ اعمش کی روایت میں بھی یہ فقرہ نہیں صرف سیف کی روایت میں ہے اور سیف اگرچہ ثقہ ہے لیکن یحییٰ بن معین اس کو قدری فرماتے ہیں جب جمیع صحابہؓ سے طبقہ بعد طبقہ اس وقت تک وہی تعلیم بصیغہ خطاب چلی آتی ہے۔

حتیٰ کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی بجز اس روایت کے جو سیف سے ہے بلفظ خطاب ہی مروی ہے تو روایت سیف معمول بہا نہیں ہو گی کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے خلاف ہے اور صحابی کا قول جب کہ سنت کے برخلاف ہو حجت نہیں ہوتا پس روایات مرفوعہ کے خلاف قول ابن مسعود حجت نہیں ہو سکتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی حدیث میں نہیں فرمایا کہ میری وفات کے بعد بجائے السلام علیک کے السلام علی النبی پڑھنا بلکہ حضور علیہ السلام جانتے تھے کہ صحابہ کرام و دیگر مسلمانان شرق و غرب میرے انتقال کے بعد نمازیں پڑھیں گے اور اسی طرح پڑھیں گے جس طرح کہ میں نے سکھایا ہے اور اس خطاب کو اپنی حیات ظاہری کے ساتھ مقید نہیں فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام اس خطاب کو پسند فرماتے تھے۔

ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں۔

اَمَّا قَوْلُ ابْنِ مَسْعُوْدٍ كُنَّا نَقُوْلُ فِیْ حَیَاۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ فَلَمَّا قُبِضَ عَلَیْہِ السَّلَامُ قُلْنَا السَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ فَھُوَ رِوَایَۃُ اَبِیْ عَوَانَۃَ وَرِوَایَۃُ الْبُخَارِیِّ الْاَصَحُّ مِنْھَا بَیَّنَتْ اَنَّ ذَالِكَ لَیْسَ مِنْ قَوْلِ بْنِ مَسْعُوْدٍ بَلْ مِنْ فَھْمِ الرَّاوِیْ عَنْہُ وَلَفْظُھَا فَلَمَّا قُبِضَ قُلْنَا سَلَامٌ یَعْنِیْ عَلَی النَّبِیِّ نَقُوْلُہٗ قُلْنَا سَلَامٌ یَحْتَمِلُ اَنَّہٗ اَرَادَ بِہٖ اِسْتَمَرَرْنَا بِہٖ عَلٰی مَاكُنَّا عَلَیْہِ فِیْ حَیَاتِہٖ وَیَحْتَمِلُ اَنَّہٗ عَرَضْنَا عَنِ الْخِطَابِ وَاِذَا احْتَمَلَ اللَّفْظُ لَمْ یَبْقَ فِیْہِ دَلَالَۃٌ كَذَا ذَكَرَہٗ ابن حجر انتہی

یعنی ابو عوانہ کی روایت میں آیا ہے کہ جب حضور علیہ السلام کا انتقال ہوا تو ہم نے السلام علی النبی کہنا شروع کیا اور بخاری کی روایت نے جو اس سے اصح ہے بیان کر دیا ہے کہ السلام علی النبی کہنا ابن مسعود کا قول نہیں بلکہ راوی کا فہم ہے (یعنی بخاری لا قالہ ابن حجر) بخاری کا لفظ یہ ہے۔ کہ جب آپ قبض کیے

گئے کہا ہم سلام یعنی علی النبی۔ تو یہ قول کہ کہا ہم نے سلام دو احتمال رکھتا ہے ایک یہ کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا اس قول سے یہ ارادہ ہو کہ ہم اوسی سلام پر رہے جس پر حضور علیہ السّلام کی زندگی میں تھے یعنی السلام علیک پر دوسرا احتمال یہ ہے کہ ہم نے خطاب چھوڑ دیا تو جب احتمال آگیا۔ دلالت باقی نہ رہی اسی طرح ابن حجر نے ذکر کیا ہے الخ۔

بعض روایات سے ثابت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما یہ تشہد نماز میں پڑھتے تھے۔

التحیات للہ والصلوٰۃ للہ الزاکیات للہ السلام علی النبی الخ

تو معلوم ہوا کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی خطاب چھوڑ دیا تھا اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اس روایت میں آپ کی زندگی میں خطاب چھوڑنے کا کوئی ذکر نہیں اور نہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس حدیث میں نافع اپنے زمانہ کی خبر دیتا ہے کہ ابن عمر یہ تشہد پڑھتے تھے اور ظاہر ہے کہ نافع کا زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا زمانہ نہیں علاوہ اس کے اس روایت میں چند امور ایسے ہیں جو تشہد ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے خلاف ہیں اور تشہد ابن مسعود رضی اللہ عنہ اصح مانا گیا ہے اسی واسطے زرقانی لکھتا ہے۔

فَمَالِكٌ لَا يَقُوْلُ بِمَا فِي خَبَرِ ابْنِ عُمَرَ هٰذَا مِنَ الْبَسْمَلَةِ فِيْ اَوَّلِهٖ وَاِبْدَالِهٖ اَشْهَدُ بِشَهِدْتُ وَالدُّعَاءُ فِي التَّشَهُّدِ الْاَوَّلِ وَاِعَادَةِ السَّلَامِ عَلَى النَّبِيِّ وَالصَّالِحِيْنَ بَعْدَ الدُّعَاءِ وَقَبْلَ السَّلَامِ وَاِبْدَالِ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ بِالسَّلَامِ عَلَى النَّبِيِّ (زرقانی)

امام مالک رحمۃ اللہ اس تشہد کا قائل نہیں جو ابن عمر کی حدیث میں ہے یعنی پہلے بسم اللہ اور اشہد کے بدلہ میں شہدت اور تشہد اوّل میں دعا اور نبی اور صالحین پر سلام کا اعادہ دعا کے بعد سلام سے پہلے اور علیک ایہا النبی کو السلام علی النبی سے بدل کرنا یعنی اس تشہد میں اس قدر کمی بیشی ہے۔ امام مالک اس کا قائل نہیں (زرقانی شرح موطا)

علاوہ ازیں موطا امام محمد میں بھی نافع ابن عمر سے بصیغہ خطاب روایت کرتے ہیں عبدالحی لکھنوی حاشیہ موطا میں فرماتے ہیں کہ میں نے اس کتاب کے نسخوں میں ایسا ہی بصیغہ خطاب دیکھا ہے البتہ زرقانی نے بغیر خطاب نقل کیا ہے۔

اور یہ سمجھنا کہ بعض صحابہؓ نے لفظ خطاب کو مشوب باشائبہ شرک سمجھ کر چھوڑ دیا۔ رجم بالغیب ہے اور بالکل غلط کیوں کہ اس میں اگر کچھ بھی شرک کا شائبہ ہوتا تو سب صحابہ رضی اللہ عنہم اس لفظ کو بدل دیتے کوئی صحابی بھی بصیغہ خطاب نہ پڑھتا بلکہ خود ابن مسعود و ابن عمر رضی اللہ عنہما و دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کی حیات ظاہری میں ہی آپ سے غائب و بعید ہونے کی صورت میں اس لفظ کو چھوڑ دیتے۔ لیکن آپ کی دنیوی زندگی میں کسی صحابی کا لفظ خطاب چھوڑنا ثابت نہیں نیز اگر اس میں کوئی شائبہ شرک ہوتا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیوں اس کی تعلیم فرماتے یا اگر تعلیم بھی فرمایا تھا تو تصریح فرما دیتے کہ یہ صیغہ اس وقت پڑھا کرو جب میں تمہارے سامنے حاضر ہوں یا میری وفات کے بعد اس کو چھوڑ دینا نہیں بلکہ حضور علیہ السلام نے عام فرما دیا تھا۔

اِنَّ لِلّٰہِ مَلٰئِکَۃً یُبَلِّغُوْنَ عَنْ اُمَّتِیَ السَّلَامَ ۔

اللہ تعالیٰ نے کچھ فرشتے مقرر کیے ہیں جو میری اُمت کا سلام میرے پاس پہنچاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بھی اس حدیث کا علم ہوگا۔

البتہ ہوسکتا ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان جواز کے لیے خطاب چھوڑا ہو تاکہ کوئی وہم نہ کرے کہ بجز خطاب التحیات درست ہی نہیں۔

قَالَ السُّبْکِیُّ فِیْ شَرْحِ الْمِنْهَاجِ بَعْدَ اَنْ ذَکَرَ هٰذِهِ الرِّوَایَةَ مِنْ عِنْدَ اَبِیْ عَوَانَةَ وَحْدَهٗ اِنْ صَحَّ هٰذَا عَنِ الصَّحَابَةِ دَلَّ عَلٰی اَنَّ الْخِطَابَ فِی السَّلَامِ بَعْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ غَیْرُ وَاجِبٍ

(تعلیق الممجد)

علامہ سبکی شرح منہاج میں ابوعوانہ کی حدیث بیان کر کے لکھتے ہیں کہ اگر

صحابہ سے یہ (ترک خطاب) صحیح ہو جائے تو اسبات پر دلالت کرے گا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف کے بعد سلام میں خطاب واجب نہیں (بلا خطاب بھی جائز ہے (تعلیق الممجد حاشیہ موطا محمد)

خطاب حکائتی کی تحقیق

کہتے ہیں کہ التحیات میں جو خطاب ہے حکایۃً ہے یعنی السلام علیک ایہا النبی شب معراج میں خدا تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو کہا ہم اس واقعہ کی حکائت کرتے ہیں خطاب مقصود نہیں ہم یہ شبہ ایسے لوگوں سے سنتے ہیں جو مدعی عمل بالحدیث ہیں جن کا یہ قول ہے "کسی کا ہو رہے کوئی نبی کے ہو رہے ہیں ہم" لیکن افسوس کہ وہ التحیات کے متعلق کوئی ایسی حدیث بسند صحیح نہیں دکھا سکتے جس میں یہ ذکر ہو کہ شب معراج میں خدا تعالیٰ نے ایسا کہا اور حضور نے یہ کہا جبریل نے یہ کہا میں نے بعض سیر کی کتابوں میں ایسا لکھا دیکھا ہے۔ لیکن باوجود تلاش مجھے اس کی تخریج نہیں ملی۔ عرصہ ہوا کہ مولوی حکیم ابو تراب عبدالحق صاحب ایڈیٹر اخبار اہل سنت نے اپنے اخبار میں یہی مضمون لکھا۔ میں نے ان سے بذریعہ کارڈ دریافت کیا کہ یہ حدیث کس کتاب کی ہے جواب آیا کہ میں اس کی تلاش میں ہوں۔ اگر مل گئی تو لکھوں گا آجتک انہوں نے بھی کوئی پتہ نہیں لکھا۔

بہر حال اگر شب معراج میں ایسا واقعہ گذرا ہو تو کچھ بعید نہیں لیکن اس پر کیا دلیل ہے کہ ہم جو التحیات پڑھتے ہیں اس میں حکایت مقصود ہے انشاء نہیں۔ اگر حکایت ہی مقصود ہے تو پھر نمازی کی طرف سے نہ التحیات ہوا نہ سلام نہ حضور علیہ السلام پر نہ صالحین پر نہ اشہد ان لا الہ الا اللہ پڑھنے سے توحید کی شہادت ہوئی بلکہ معراج کی حکایت ہوئی حالانکہ حکایت سمجھنا کئی وجوہ سے باطل ہے۔

۱۔ محکی عنہ بسند صحیح ثابت نہیں یعنی معراج کی رات میں ایسا ہونا۔

۲۔ تشہد کی تعلیم والی کسی حدیث میں نہیں آیا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہو کہ یہ مخاطبہ شب معراج ہوا تھا اس کو بطور حکایت پڑھنا۔

۳۔ منکرین مانتے ہیں کہ بعض صحابہؓ نے خطاب چھوڑ دیا تھا پس اگر خطاب حکائی

تھا تو کیا ان صحابہ کو اس کا حکائی ہونا معلوم نہ تھا پھر کیوں خطاب کو ترک کیا؟

۴۔ اگر یہ خطاب حکائی ہوتا تو محدثین اس خطاب کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں کیوں لکھتے۔ حکایت میں کوئی خصوصیت نہیں قرآن کریم میں یاعیسی یا آدم یا موسیٰ بلکہ یا ھامان بھی آتا ہے جو حکایتاً نماز میں پڑھا جاتا ہے۔ اگر حضور علیہ السلام کا خطاب بھی حکایتاً ہے تو پھر خصوصیت نہ رہی معلوم ہوا کہ یہ خطاب بطور انشاء ہے۔ اسی واسطے حضور علیہ السلام کے خصائص سے ہے کہ نماز میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی کو خطاب بطور انشاء درست نہیں۔

علامہ زرقانی فرماتے ہیں۔

فَاِنْ قِیْلَ کَیْفَ شُرِعَ هٰذَا اللَّفْظُ وَهُوَ خِطَابُ بَشَرٍ مَعَ اَنَّهُ مَنْهِیٌّ عَنْهُ فِی الصَّلٰوةِ فَالْجَوَابُ اِنَّ ذَالِكَ مِنْ خَصَائِصِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ۔ ملا علی قاری مرقات میں فرماتے ہیں۔

وَجَوَازُ الْخِطَابِ مِنْ خُصُوْصِیَّاتِهٖ عَلَیْهِ السَّلَامُ اِذْ لَوْ قِیْلَ لِغَیْرِهٖ حَاضِرًا اَوْ غَائِبًا اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ بَطَلَتْ صَلٰوتُهٗ ۔

دونوں صورتوں کا حاصل ترجمہ یہ ہے کہ نماز میں خطاب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے اگر حضور علیہ السلام کے سوا کسی اور کو خواہ وہ حاضر ہو یا غائب السلام علیک کہے تو کہنے والے کی نماز باطل ہو جائے گی۔

اسی طرح ابن حجر نے فتح الباری اور سیوطی نے خصائص میں اور قسطلانی نے مواہب میں ذکر کیا ہے۔

۵۔ حدیث تشہد میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

فَاِنَّهٗ اِذَا قَالَ ذَالِكَ اَصَابَ كُلَّ عَبْدٍ صَالِحٍ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۔

یعنی جب بندہ السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین کہتا ہے تو ہر بندہ صالح جو زمین و آسمان میں ہے سب کو یہ پہنچتا ہے۔

حضور علیہ السلام نے اس جملہ شریف کے فرمانے سے حکایت کے خیال کو بالکل ملع قمع فرما دیا۔ اگر تشہد میں الشانہ ہوتا تو زمین آسمان کے صالحین بندوں پر سلام کیسے پہنچتا سلام تو مقصود ہی نہ تھا۔ وہ تو حکایت تھی پھر پہنچتا کیا اسی واسطے علامہ سبکی نے فرمایا ہے۔

اِنَّ فِی الصَّلٰوۃِ حَقًّا لِلْعِبَادِ مَعَ حَقِّ اللّٰہِ وَاِنَّ مَنْ تَرَکَھَا اَخَلَّ بِحَقِّ جَمِیْعِ الْمُؤْمِنِیْنَ مَنْ مَضٰی وَمَنْ یَجِیْئُ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ لِوُجُوْبِ قَوْلِہٖ فِیْھَا اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ

(فتح الباری) اور کہا قفال نے۔ تَرْکُ الصَّلٰوۃِ یَضُرُّ لِجَمِیْعِ الْمُسْلِمِیْنَ لِاَنَّ لِلْمُصَلِّیْ اَنْ یَّقُوْلَ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَلَابُدَّ اَنْ یَّقُوْلَ فِی التَّشَھُّدِ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ فَیَکُوْنُ مُقَصِّرًا بِخِدْمَۃِ اللّٰہِ وَفِیْ حَقِّ رَسُوْلِہٖ وَفِیْ حَقِّ نَفْسِہٖ وَفِیْ حَقِّ کَافَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ وَلِذٰلِکَ عَظُمَتِ الْمَعْصِیَۃُ بِتَرْکِھَا۔ (فتح الباری)

یعنی نماز میں خدا کے حق کے ساتھ بندوں کا بھی حق ہے کیونکہ تشہد میں السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین کا پڑھنا واجب ہے۔ پس جس شخص نے نماز ترک کی اس نے تمام مسلمانوں کے حقوق کو پس انداز کر دیا اور وہ نہ صرف خدا کی خدمت سے قاصر رہا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ادا کرنے میں اور اپنے نفس کا حق اور تمام مسلمانوں کا حق ادا کرنے میں قاصر رہا۔ اس لیے ترک نماز بڑا کبیرہ گناہ ہے۔

۶۔ محققین نے تصریح فرمائی ہے کہ تشہد میں حکایت کا قصد نہ کرے۔ علامہ شامی فرماتے ہیں۔ در مختار میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ بحر الرائق میں ہے۔

لَا یُقْصَدُ الْاِخْبَارُ وَالْحِکَایَۃُ عَمَّا وَقَعَ فِی الْمِعْرَاجِ اِنَّمَا ذَکَرْنَا بَعْضَ مَعَانِی التَّشَھُّدِ لِمَا اَنَّ الْمُصَلِّیْ یَقْصِدُ بِھٰذِہِ الْاَلْفَاظِ مَعَانِیْھَا مُرَادَۃً لَہٗ عَلٰی وَجْہِ الْاِنْشَاءِ مِنْہُ کَمَا صَرَّحَ بِہٖ

فِی الْمُجْتَبٰی بِقَوْلِہٖ وَلَا بُدَّ مِنْ یَقْصُدَ بِاَلْفَاظِ التَّشَھُّدِ مَعْنَاھَا
الَّتِیْ وُضِعَتْ لَھَا مِنْ عِنْدِہٖ کَاَنَّہٗ یُحَیِّی اللّٰہَ وَیُسَلِّمُ عَلَی
النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَعَلٰی نَفْسِہٖ وَاَوْلِیَآئِہٖ انتہٰی
وَعَلٰی ھٰذَا فَالضَّمِیْرُ فِیْ قَوْلِہٖ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا عَائِدٌ اِلَی الْحَاضِرِیْنَ
مِنَ الْاِمَامِ وَالْمَامُوْمِ وَالْمَلٰئِکَۃِ کَمَا نَقَلَہٗ فِی الْغَایَۃِ عَنِ النَّوَوِیْ
وَاسْتَحْسَنَہٗ وَبِھٰذَا یَضْعَفُ مَاذَکَرَہٗ فِی السِّرَاجِ الْوَھَّاجِ
اَنَّ قَوْلَہٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ حِکَایَۃُ سَلَامٍ مِنَ
الْمُصَلِّیْ عَلَیْہِ (بحر الرائق ص ۳۲۵ ج اول)

ہم نے بعض معانی تشہد اس لیے ذکر کیے ہیں تاکہ نمازی ان الفاظ سے اُن کے معانی کا قصد کرے جو بوجہ انشا اس کی مراد میں ہوں جیسا کہ مجتبٰی میں تصریح ہے کہ ضروری ہے نمازی الفاظ تشہد میں اُن کے معانی کا جن کے لیے وہ الفاظ وضع کیے گئے ہیں اپنی طرف سے قصد کرے گا گویا وہ نمازی اللہ تعالےٰ کو تحیت کہتا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجتا ہے اور اپنے نفس پر اور خدا کے دوستوں پر تو اس بنا پر السلام علینا میں جو ضمیر ہے اس کا مرجع حاضرین کی طرف پھرتا ہے۔ جو امام و مقتدی اور ملائکہ ہیں جیسے غایہ میں نووی سے منقول ہے اور اسے مستحسن سمجھا۔ اس تقریر سے سراج الوہاج کے اس قول کا ضعف ثابت ہو گیا اس نے لکھا ہے کہ السلام علیک ایہا النبی میں اللہ تعالےٰ کے سلام کی حکایت ہے نمازی کی طرف سے ابتدا سلام نہیں۔ انتہی ما فی البحر الرائق۔

۷۔ احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جب آیت ان اللہ وملئکۃ نازل ہوئی تو صحابہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ سلام کا طریقہ تو ہم نے جان لیا صلاۃ کا ارشاد فرمائیے۔

چنانچہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آتا ہے۔
قَالَ قُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ھٰذَا السَّلَامُ عَلَیْکَ قَدْ عَلِمْنَاہُ فَکَیْفَ

الصَّلٰوۃُ قَالَ قُوْلُوْا اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ الخ

کہا اُس نے ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ہم نے سلام کہنا تو معلوم کرلیا ہے درود کس طرح بھیجیں تو آپ نے فرمایا پڑھو اللھم صل علی محمد الخ

اور سلام کا طریقہ جس کی نسبت صحابہ رضی نے عرض کی کہ ہم نے جان لیا ہے وہ تشہد کا سلام ہے امام نووی فرماتے ہیں۔

اَمَّا السَّلَامُ فَکَمَا عَلِمْتُمْ فِی التَّشَھُّدِ وَھُوَ قَوْلُھُمْ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔ (نووی شرح مسلم)

سلام جیسے تم نے تشہد میں جان لیا اور وہ السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ہے۔

امام سخاوی نے قول البدیع میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔

معلوم ہوا کہ صحابہ علیہم الرحمۃ کے نزدیک یہ سلام حکائیہ نہ تھا بلکہ انشائی تھا۔ کیونکہ آیت صلوا علیہ وسلموا کے امر کے امتثال میں صحابہ نے اس کو قرار دیا اور ظاہر ہے کہ امتثال امر کے لیے انشا کی ہی ضرورت ہے حکایت مفید نہیں معلوم ہوا کہ صحابہ رحمہم اللہ اس خطاب کو حکائی نہیں سمجھتے تھے اور کسی روایت میں صحابہ سے یہ تصریح بھی نہیں کہ ہم خطاب حکائی سمجھ کر پڑھتے ہیں پھر معلوم نہیں کہ حضرات معترضین کس بنا پر اس خطاب کو حکائی سمجھتے ہیں۔

۸۔ علامہ زرقانی نے طیبی سے نقل کیا ہے کہ نمازیوں نے جب التحیات کے ساتھ عالم ملکوت کا دروازہ کھولا تو ان کو اندر آنے کی اجازت مل گئی۔ پھر مناجات کے ساتھ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں تو ان کو تنبیہ کی گئی کہ تمہیں یہ اجازت اور باریابی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ اور انکی متابعت کی برکت سے حاصل ہوئی۔ نمازیوں نے التفات کیا تو دیکھا کہ حضور علیہ السلام بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہیں تو السلام علیک ایھا النبی کہتے ہوئے حضور علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے۔ حافظ ابن حجر نے اہل عرفان کے اس طریق پر جو طیبی

نے نقل کیا ہے کچھ اعتراض کیا ہے۔ علامہ زرقانی اُس کے جواب میں فرماتے ہیں۔

لٰکِنَّ الْمُقَرَّرَ فِی الْفُرُوْعِ اِنَّمَا یُقَالُ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَلَوْ بَعْدَ وَفَاتِہٖ اِتِّبَاعًا لِاَمْرِہٖ وَتَعْلِیْمِہٖ فَتَمَّتِ النُّکْتَۃُ انتھی۔

یعنی فروع میں مقرر ہو چکا ہے کہ السلام علیک ایہا النبی ہی پڑھا جاوے اگرچہ آپ کی وفات کے بعد ہی ہو اس لیے کہ آپ کے امر اور تعلیم کا اتباع ہے تو طیبی کا نکتہ پورا ہوا۔

اس سے بھی ثابت ہوا کہ یہ خطاب حکائی نہیں اور یہ نکتہ نہایت عجیب ہے۔
امام شعرانی نے میزان میں لکھا ہے کہ شارع نے اس لیے درود اور سلام کا التحیات میں نمازی کو امر فرمایا ہے تاکہ غافلوں کو آگاہی ہو کہ جس پروردگار کے حضور میں بیٹھے ہو اس دربار میں تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی موجود ہیں۔

فَاِنَّہٗ لَا یُفَارِقُ حَضْرَۃَ اللّٰہِ اَبَدًا فَیُخَاطِبُوْنَہٗ بِالسَّلَامِ مُشَافَھَۃً۔

کیونکہ حضور علیہ السلام بارگاہ الٰہی سے کبھی الگ نہیں ہوتے پس نمازی آپ کو سلام کے ساتھ سامنے خطاب کرتے ہیں۔

صدیق حسن بھوپالوی مسک الختام شرح بلوغ المرام جلد اوّل میں لکھتے ہیں۔
"وجہ خطاب بہ آنحضرت بجہت القائے ایں کلام است بر آنچہ در اصل بود کہ شب معراج از جانب پروردگار تعالیٰ وتقدس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطاب بسلام آمد پس آنحضرت در حین تعلیم امت نیز برہماں لفظ اصل گذاشت تا ایشاں را تذکر آں حال گردد۔ ونیز آنحضرت ہمیشہ نصب العین مومناں وقرۃ العین عابدان است در جمیع احوال واوقات خصوصًا در حالت عبادات ونورانیت وانکشاف دریں محل بیشتر وقوی تر است۔ وبعضے از عرفا قدس سرہم گفتہ اند کہ ایں خطاب بجہت سریان حقیقت محمدیہ است علیہ الصلوٰۃ والسلام در ذرائر موجودات وافراد ممکنات پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در ذوات مصلیان موجود وحاضر است پس مصلی باید کہ ازیں معنے آگاہ باشد

وازیں شہود غافل نبود تا بانوار قرب و اسرار معرفت منور و فائض گردد۔

در راہِ عشق مرحلہ قرب و بعد نیست
مے بینمت عیاں و دعاے فرستمت

یعنی اس خطاب کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح یہ کلام معراج کی رات میں ہوئی اسی اصل پہ باقی رکھی شب معراج میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے سلام کا خطاب ہوا تو حضور علیہ السلام نے اُمت کی تعلیم کے وقت اسی لفظ سے تعلیم فرمایا تاکہ اُمت کو حالت معراج کا واقعہ یاد رہے۔ نیز (خطاب کی یہ وجہ ہے) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ مومنوں کے نصب العین اور عابدوں کے قرۃ العین ہیں ہر حالت اور ہر وقت میں خصوصًا عبادات میں (تو حضور علیہ السلام عابدوں کے نصب العین ضرور رہتے ہیں) اور اس وقت نورانیت اور کشف زیادہ قوی ہوتا ہے (گویا یہ خطاب حضور علیہ السلام کو بالمشافہ ہے) اور بعض عارفین نے کہا ہے کہ یہ خطاب اس لیے ہے کہ حقیقت محمدیہ موجودات کے ذرہ ذرہ ممکنات کے تمام افراد میں موجود ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نمازیوں کی ذات میں موجود اور حاضر ہیں تو نمازی کو چاہیے کہ ان معنوں سے آگاہ ہو اور اس شہود سے غافل نہ ہو تاکہ قرب کے انوار اور معرفت کے اسرار سے منور و فائز ہو ہاں عشق کے راہ میں قرب و بعد نہیں ہم تجھے دیار رسول اللہ ظاہر دیکھتے ہیں اور دعا بھیجتے ہیں۔ اسی طرح شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات میں لکھا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ خطاب حکائی نہیں بلکہ یہ خطاب حاضر کو ہے یہ شہود جو صدیق حسن اور شیخ دہلوی نے لکھا ہے، عجب نہیں کہ زمانہ حال کے مدعیان عمل بالحدیث اس کو شرک کہدیں۔

۹۔ حضرت امام غزالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں۔

وَاَحْضِرْ فِیْ قَلْبِکَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَشَخْصَہُ الْکَرِیْمَ وَقُلْ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

تو اپنے دل میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مبارک کو حاضر کر اور کہہ السلام علیک ایہا النبی۔

دیکھئے اگر خطاب حکائی ہوتا تو غزالی اس تصور کی ہدایت نہ کرتے۔ اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ ایہا النبی میں خطاب حکائی نہیں حضور علیہ السلام نے صحابہ کو سکھایا اکثر صحابہ و تابعین و تبع تابعین و آئمہ اربعہ اور اُن کے مقلدین کا اسی تشہد خطاب والے پر عمل رہا اور کسی سے اس پر انکار ثابت نہیں ہوا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی انکار ثابت نہیں البتہ ترک خطاب ہے اور وہ بھی محتمل کما مر عن المرقات اور آپ کا علقمہ تابعی کو بھی تشہد سکھانا اثبات پر دلیل ہے کہ آپ کا بعد وصال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی تشہد پر عمل ہو گیا تھا گو پہلے بیانا للجواز آپ نے ترک خطاب کیا ہو۔

فتح الباری میں ابن عباس و ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا مکالمہ درج ہے۔

قال ابن عباس انما کنا نقول السلام علیك ایہا النبی اذ کان حیا فقال ابن مسعود هکذا اعلمنا وهکذا نعلم۔

ابن عباس نے کہا کہ ہم حضور علیہ السلام کی زندگی میں السلام علیک ایہا النبی کہتے تھے۔ تو ابن مسعود نے فرمایا اسی طرح (بصیغہ خطاب) ہم سکھائے گئے اور اسی طرح ہم سکھاتے ہیں۔ (فتح الباری پ ۴ ص ۴۵۳)

اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اسی تشہد خطاب والے پر قائم رہے اگرچہ حافظ نے اس پر کلام کیا ہے کہ ابو عبیدہ اپنے باپ کی حدیث کا دوسروں سے زیادہ اعلم ہے اگرچہ حدیث ضعیف بھی ہو تو بھی معمر کی روایت کے مخالف نہیں بلکہ اس کی روایت میں جو قلنا السلام یعنی علی النبی ملا ہے اس میں دو احتمال ہیں کما مر عن المرقاۃ اور یہ مکالمہ ایک احتمال کی تائید کرتا ہے۔ پس کوئی تعارض نہ ہوا۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بطریق صحیحہ موقوفاً و مرفوعاً یہی ثابت ہے کہ وہ بھی بصیغہ خطاب پڑھتے پڑھاتے رہے۔ موطا میں جو نافع نے اُن سے ترک خطاب روایت کیا

ہے۔ موطا امام میں دو روایت بھی بصیغہ خطاب ہی ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مسلم شافعی ترمذی نے مرفوعًا یہی تشہد روایت کیا ہے۔ تو جب نماز میں جو اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے حضور علیہ السّلام کو خطاب درست ہے تو خارج از نماز کیوں درست نہ ہوگا۔ اگر اس خطاب میں شائبہ شرک ہوتا تو خود حضور علیہ السّلام منع فرما دیتے۔ یا اگر اس میں تشبہ بالمشرکین ہوتی یا بطریق تنزل اس تشبہ کو حضور علیہ السّلام منع خیال فرماتے تو ضرور منع فرماتے۔ چنانچہ حضور علیہ السّلام نے بعض امور کو بوجہ تشبہ منع فرمایا بلکہ ایسے خطاب کی نماز میں ہرگز اجازت نہ دیتے جس میں بقول منکرین تشبہ بالمشرکین پائی جاتی ہے۔

ایک شبہ:۔ کہتے ہیں کہ التحیات میں ندا قیاس کے خلاف ہے اور قیاس پر قیاس درست نہیں۔

میں کہتا ہوں یہاں قیاس کہاں ہے وہی سلام بالخطاب نماز میں ہے وہی سلام بالخطاب خارج از نماز ہے۔ اُس کی اجازت بعینہ اس کی اجازت ہے۔

دوسری دلیل قاضی عیاض رحمۃ اللہ نے شفا میں لکھا ہے کہ ایک دن حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا پاؤں سو گیا کسی نے اُذْکُرْ اَحَبَّ النَّاسِ اِلَیْکَ کہا جو سب لوگوں سے تمہیں زیادہ محبوب ہے۔ اس کو یاد کر تو آپ چلا کر پکار اٹھے یَا مُحَمَّدَاہ۔ پاؤں فی الفور اچھا ہو گیا۔ دیکھئے حالت غیب میں بلفظ حاضر خطاب فرما رہے ہیں کون؟ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔

تیسری دلیل اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے آیا ہے۔ علامہ خفاجی لکھتے ہیں۔

رُوِیَ مِثْلُہٗ (ای مثل قول ابن عمر) لِابْنِ عَبَّاسٍ وَذَکَرَہُ النَّوَوِیُّ فِیْ اَذْکَارِہٖ وَرُوِیَ اَیْضًا مِنْ غَیْرِھِمَا وَھٰذِہٖ مِمَّا تَعَاھَدَہٗ اَھْلُ الْمَدِیْنَۃِ انتہیٰ۔

یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہ کی طرح پاؤں کے سن ہو جانے کے وقت یا محمداہ

کہنا حضرت ابنؓ عباس سے بھی آیا ہے نووی رحمہ اللہ نے اپنے اذکار میں ذکر کیا ہے اور دونوں کے سوا اور حضرات صحابہؓ سے مروی ہے اور یہ امر اہل مدینہ کی عادات میں سے ہے۔

ابن السنی نے عمل الیوم واللیلہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اثر روایت کیا ہے۔

چوتھی دلیل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نابینا کو ایک دعا سکھائی جسمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے۔ وہ دُعا یہ ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ بِنَبِيِّ اِلَيْكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّهُ اِلٰى رَبِّیْ بِكَ اَنْ يَّكْشِفَ لِیْ عَنْ بَصَرِیْ اَللّٰھُمَّ شَفِّعْهُ فِیَّ وَشَفِّعْنِیْ فِیْ نَفْسِیْ۔ رواہ الترمذی وقال حدیث حسن صحیح غریب (ترغیب صـ۱۴۲)

اے خدا میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں اپنے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی رحمت کے توسل سے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اپنے رب کی طرف تیرے توسل کے ساتھ متوجہ ہوتا ہوں کہ وہ میری بصارت کھول دے اے اللہ میرے حق میں اس کی سفارش قبول کر اور میرے نفس کے بارہ میں میری سفارش منظور کر۔

حدیث میں آیا ہے کہ اس نابینا نے یہ دُعا پڑھی تو اللہ تعالےٰ نے اس کو بینائی عطا کی۔

ابن ماجہ کی روایت میں اس دُعا کے یہ الفاظ ہیں۔

يَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ قَدْ تَوَجَّهْتُ بِكَ اِلٰى رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ هٰذِهٖ لِتَقْتَضِیْ

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں تیرے توسل سے اللہ تعالےٰ کی طرف اپنی اس حاجت کے لیے متوجہ ہوتا ہوں تاکہ اس کو پورا کر دے یا لِتُقْضٰی ہے تاکہ وہ حاجت پوری کی جائے۔

طبرانی کی روایت میں ہے کہ خدا کی قسم ابھی ہم حضور علیہ السلام کی صحبت سے الگ نہیں ہوئے اور نہ کوئی طویل گفتگو ہوئی کہ وہی نابینا آیا گویا اس کو کوئی ضرر نہ تھا حدیث کے الفاظ فَرَجَعَ اور حَتّٰی دَخَلَ عَلَیْنَا سے سمجھا جاتا ہے کہ اور اس اندھے نے یہ دعا حضور علیہ السلام سے سیکھ کر حضور کی غیبت میں ہی پڑھی تھی اگر حضور علیہ السلام کے سامنے پڑھتا تو یہ الفاظ نہ ہوتے تو جو لوگ اس حدیث میں جو خطاب ہے اس کو حضور علیہ السلام کی حاضری پر حمل کرتے ہیں وہ علاوہ بے دلیل ہونے کے سیاقِ حدیث کے خلاف کہتے ہیں۔ اس دعا میں یا محمد بصیغہ خطاب آپ کی طرف التفات و تضرع ہے اور اتوجہ بک میں بائے استعانت ہے۔

نیز حضور علیہ السلام کو معلوم تھا کہ میری تعلیم تمام امت کے لیے ہے اور یہ خطاب جو میں نے سکھایا ہے۔ میرے بعد بھی لوگ اسی طرح پڑھیں گے پھر بھی آپ نے ایسا ہی سکھایا جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام نے اس خطاب کو جائز رکھا اس خطاب کو صحابہ نے حضور علیہ السلام کے انتقال کے بعد اسی طرح سکھایا لوگوں نے بھی اسی خطاب کے ساتھ عمل کیا جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو غائبانہ خطاب کرنا صحابہ میں معمول تھا اگر اس دعا میں خطاب حکایتاً سمجھا جاوے تو پھر اللھم انی اتوجہ الیک بھی حکایت ہوگی وہو کما تری۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ حرز ثمین میں لکھتے ہیں۔

یَا مُحَمَّدُ اِلْتِفَاتٌ اِلَیْہِ وَتَضَرُّعٌ لَدَیْہِ لِیَتَوَجَّہَ رُوْحُہٗ اِلَی اللّٰہِ۔

یعنی یا محمد آپ کی طرف التفات اور تضرع ہے تاکہ آپ کی روح مبارک اللہ کی طرف متوجہ ہو۔

صاحبِ حصن حصین نے اس کو عام ہر اہل حاجت کے لیے لکھا ہے۔

پانچویں دلیل

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ حَنِیْفٍ اَنَّ رَجُلًا یَّخْتَلِفُ اِلٰی عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ فِیْ حَاجَۃٍ لَّہٗ فَکَانَ عُثْمَانُ لَا یَلْتَفِتُ اِلَیْہِ وَلَا یَنْظُرُ فِیْ حَاجَتِہٖ فَلَقِیَ عُثْمَانَ بْنَ حَنِیْفٍ فَشَکٰی ذٰلِکَ اِلَیْہِ

فَقَالَ لَهُ عُثْمَانُ بْنِ حَنِيفٍ اِئْتِ الْمِيضَاةَ فَتَوَضَّأْ ثُمَّ اِئْتِ الْمَسْجِدَ فَصَلِّ فِيهِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ قُلِ اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ۔

عثمان بن حنیف سے روایت ہے کہ ایک آدمی بار ہا حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جایا کرتا تھا مگر آپ التفات نہ فرماتے پھر وہ شخص عثمان بن حنیف کو ملا اور شکایت کی انہوں نے فرمایا برتن لے اور وضو کر پھر مسجد میں دو رکعت نماز پڑھ اور کہو اللھم انی اسلک۔

اس آدمی نے موافق تعلیم عثمان بن حنیف اس دعا کو پڑھا پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے در دولت پر حاضر ہوا اس وقت دربان نے اس شخص کا ہاتھ پکڑا اور اندر لے گیا حضرت عثمان نے اس کو اپنے مسند خاص پر بٹھایا اور پوچھا کیا حاجت ہے اس نے بیان کی آپ نے حاجت پوری کر دی اور فرمایا کہ جب کوئی حاجت ہو آکر بیان کیا کرو، پھر وہ آدمی بہت خوشحال حضرت عثمان کے پاس سے نکلا اور عثمان بن حنیف کے پاس شکریہ ادا کرنے کو گیا اور کہا جزاک اللہ آپ نے شاید میری سفارش کی عثمان بن حنیف نے کہا کہ قسم ہے اللہ کی میں نے حضرت عثمان سے کچھ نہیں کہا لیکن اصل بات یہ ہے کہ میں ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا کہ ایک نابینا آیا تو آپ نے اس کو یہ دعا تعلیم فرمائی۔

اس حدیث کو طبرانی معجم صغیر صہ۱۰۳ میں روایت کیا اور اس کو صحیح کہا۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ خطاب یا محمد کا عہد صحابہ میں رواج تھا اور یہ نماز اس وقت سے آج تک تعلیم ہوتی چلی آئی ہے۔ محدثین نے اس کو باب من لہ الی اللہ حاجۃ او الی احد من خلقہ بین لکھا جس سے معلوم ہوا کہ محدثین نے اس کو قضا حاجت کے لیے تسلیم کیا ہے تو اب یہ کہنا کہ زمانہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں جس شخص نے یہ دعا پڑھی تھی اس نے حکایتًا اور تبرکاً پڑھی تھی محض تعصب ہے ہاں اگر مانعین کو ہر وقت حکایت ہی کا خیال ہے تو السلام علیک

یارسول اللہ عموماً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور علیہ السلام کی خدمت میں کہا کرتے تھے۔ صلی اللہ علیک بھی ایک صحابی نے کہا تھا جو حضور علیہ السلام نے سنا اور جائز رکھا۔ تو پھر صلی اللہ علیک یارسول اللہ یا السلام علیک یارسول اللہ بطور حکایت ہی پڑھ لیا کریں آخر حضور علیہ السلام کی موجودگی اور حاضری میں لوگ بصیغہ خطاب یارسول اللہ کہا کرتے تھے تو کیا اس سے بھی انکار ہے یا صحابہ کے اس زمانہ کی حکایت نہیں ہو سکتی۔

چھٹی دلیل طبرانی معجم صغیر کے صفحہ ۱۲ میں فرماتے ہیں۔
بَلَغَنِیْ اَنَّ اِبْنًا لِاَبِیْ قَرْصَافَۃَ اَسَرَتْہُ الرُّوْمُ فَکَانَ اَبُوْ قَرْصَافَۃَ یُنَادِیْہِ مِنْ سُوْرِ عَسْقَلَانَ وَقْتَ کُلِّ صَلٰوۃٍ یَا فُلَانُ الصَّلٰوۃُ فَیَسْمَعُہٗ فَیُجِیْبُہٗ وَبَیْنَہُمَا عَرْضُ الْبَحْرِ۔

یعنی ابو قرصافہ کا ایک بیٹا تھا جس کو رومیوں نے قید کر لیا اور ابو قرصافہ عسقلان میں تھے ہر نماز کے وقت اسے پکارتے کہ اے قرصافہ نماز کا (وقت ہے) وہ سن لیتا اور اپنے باپ کو جواب دیتا اور دونوں کے درمیان سمندر کا عرض رتا صلہ تھا۔

اسی روایت کو صاحب "تبشیر الورے بحضور المصطفےٰ" نے "شواہد النبوۃ" سے نقل کیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

ابو قرصافہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویرا گلیمے پوشانیدہ بود سر دم بوے مے آمدند التماس را دعائے خیر مے کرد و برکت مے خواست اثر آں را در خود مے یافتند وے در عسقلان بود پسر وے قرصافہ در روم بغزا رفتہ بود ہر گاہ کہ صبح شدے ابو قرصافہ از عسقلان آواز دادے بآواز بلند کہ یا قرصافہ یا قرصافہ الصلوٰۃ الصلوٰۃ قرصافہ از بلدہ روم جواب دادے کہ لبیک یا ابتاہ اصحاب وے گفتندے و یحک کرا جواب مے دہی قرصافہ گفتے کہ پدر خود را سوگند برب الکعبۃ کہ مرا از برائے نماز بیدار مکند۔ انتہی

اس سے بھی معلوم ہوا کہ صحابہ میں ندا غائبانہ کا رواج تھا۔

ساتویں دلیل:۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی صفیہ رضی اللہ عنہا نے حضور

علیہ السلام کی وفات شریف کے بعد بہت اشعار غم میں پڑھے منجملہ اُن کے ایک یہ شعر ہے۔

اَلَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کُنْتَ رَجَاءَنَا وَکُنْتَ بِنَا بَرًّا وَلَمْ تَکُ جَافِیًا

جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلفظ یا مخاطب کیا گیا ہے (مواہب لدنیہ)

آٹھویں دلیل حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے آپ کے غم میں یوں عرض کی۔

کُنْتَ السَّوَادَ لِنَاظِرِیْ فَعَمِیَ عَلَیْکَ النَّاظِرُ
مَنْ شَاءَ بَعْدَکَ فَلْیَمُتْ فَعَلَیْکَ کُنْتُ اُحَاذِرُ

یا رسول اللہ آپ میری آنکھ کی پتلی تھے۔ اب تو میری آنکھ اندھی ہو گئی ہے آپ کے بعد جو چاہے مرجائے مجھے تو آپ ہی کا ڈر تھا۔

اسی طرح اور صحابہؓ کے اشعار بھی پائے جاتے ہیں جن میں حضور علیہ السلام کو خطاب ہے۔

فتوح الشام میں ہے کہ جب ابوعبیدہ بن الجراح نے کعب بن ضمرہ کو بارادہ حلب ایک ہزار سوار دیکر روانہ کیا اس کی لڑائی یوقنا سے پڑی اس کی پانچ ہزار سپہ تھی یہ لڑائی ہو رہی تھی کہ پانچ ہزار سپاہ اور آگئی مسلمانوں کو دس ہزار کا مقابلہ ہو گیا۔ اس وقت مسلمان جانبازیاں کر رہے تھے۔ اور کعب بن ضمرہ نہایت بے چینی سے پکارتے تھے۔

یا محمدؐ یا محمدؐ یا نصر اللہ انزل

یہ کعب بن ضمرہ صحابی ہیں اور حالتِ غیب میں یا محمد یا محمد پکارتے ہیں معلوم ہوا کہ صحابہ کے وقت سے یہ خطاب جاری ہے۔

حضرت بلال بن حارث مزنی نے قحط عام الرمادہ میں جب بکری ذبح کی تو نری سُرخ ہڈی نکلی تو آپ نے فرمایا یا محمداہ پھر حضور علیہ السلام نے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یَا سَارِیَۃُ الْجَبَلَ فرمانا اور ساریہ کا نہاوند میں سن لینا مشکوٰۃ شریف میں موجود ہے۔

اسی طرح ایک سپاہی مظلوم کا واعمراہ واعمراہ پکارنا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا لَبَّیْکَاہ یَا لَبَّیْکَاہُ فرمانا حالانکہ وہ مظلوم لشکر میں مدینہ شریف سے بہت دور تھا (ازالۃ الخفا)

عبد الرحمان ہزلی کوفی حضرت عبد اللہ بن مسعود کے پوتے آپ کے سر پر ٹوپی تھی جس پر لکھا ہوا تھا محمد یا منصور (تہذیب التہذیب) اور ظاہر ہے کہ قلم احد اللسانین ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنے قصیدہ میں فرماتے ہیں۔

وَصَلّٰی عَلَیْكَ اللّٰهُ یَا خَیْرَ خَلْقِهٖ وَیَا خَیْرَ مَامُوْلٍ وَیَا خَیْرَ وَاهِبِ

وَیَا خَیْرَ مَنْ یُرْجٰی الْکَشْفِ رَزِیَّةٍ مِنْ جُوْدِهٖ قَدْ فَاقَ جُوْدُ السَّحَائِبِ

علامہ بوصیری رحمۃ اللہ قصیدہ بردہ فرماتے ہیں۔

یَا اَکْرَمَ الْخَلْقِ مَالِیْ مَنْ اَلُوْذُ بِهٖ سِوَاكَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ

شیخ سعدی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں ؎

چہ وصفت کند سعدیٔ ناتمام علیک الصلوٰۃ اے نبی والسلام

مولانا جامی فرماتے ہیں۔

ز مہجوری بر آمد جان عالم ترحم یا نبی اللہ ترحم

مولانا نظامی گنجوی عرض کرتے ہیں۔

من از کمترین امتان خاک تو بدیں لاغری صید فتراک تو

مولانا شیخ عبد الحق دہلوی فرماتے ہیں۔

بہر صورت کہ باشد یا رسول اللہ کرم فرما بلطف خود سر و سامان جمع بے سر و پا کن

حاجی امداد اللہ صاحب پیر و مرشد مولوی رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں۔

پھنسا کر اپنے دام عشق میں امداد عاجز کو بس اب قید دو عالم سے چھڑا دو یا رسول اللہ

جہاز امت کا حق نے کر دیا ہے آپکے ہاتھوں بس اب چاہو ڈباؤ یا تراؤ یا رسول اللہ۔

نانویں دلیل بخاری شریف کی حدیث میں آیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے ہرقل بادشاہ روم کو جو خط لکھا اس کے الفاظ یہ ہیں۔

اَمَّا بَعۡدُ فَاِنِّیۡ اَدۡعُوۡكَ بِدِعَائَةِ الۡاِسۡلَامِ اَسۡلِمۡ تَسۡلَمۡ۔

یعنی میں تجھے اسلام کی طرف بلاتا ہوں مسلمان ہو جا تاکہ تو سلامت رہے۔

اس خط میں حضور علیہ السلام نے اس غائب کو مخاطب فرمایا بات یہ تھی کہ قاصد اس خط کو لے جا کر اس کے ہاتھ میں دیدے گا اسی طرح آج تک یہ رسم جاری ہے۔ کہ لوگ اپنے خطوط میں مکتوب الیہ کو مخاطب کرتے ہیں اور ڈاک کے چھٹی رسانوں پر اعتماد کر کے غائب کو خطاب کر لیتے ہیں تو احادیث میں صریح آتا ہے کہ امت کے اعمال صبح و شام آپ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں۔ پھر خطاب حاضر کو ہوا پھر یہ خطاب کیوں نا جائز ہو۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِنَّ لِلّٰہِ مَلٰٓئِکَۃً سَیَّاحِیۡنَ یُبَلِّغُوۡنِیۡ عَنۡ اُمَّتِیۡ السَّلَامَ رواہ النسائی و ابن حبان (ترغیب ص ۳۲۸)

کہ اللہ تعالے نے کچھ فرشتے مقرر کیے ہیں جو سیر کرتے پھرتے ہیں وہ میری امت کا سلام مجھے پہنچا دیتے ہیں۔

دوسری حدیث میں حضور علیہ السلام نے فرمایا حَیۡثُمَا کُنۡتُمۡ فَصَلُّوۡا عَلَیَّ فَاِنَّ صَلٰوتَکُمۡ تَبۡلُغُنِیۡ (رواہ الطبرانی فی الکبیر) یعنی جہاں تم ہو مجھ پر درود بھیجا کرو کہ تمہارا درود مجھے پہنچتا ہے۔

تو جب چھٹی رسان کے اعتبار سے خطوں میں غائب کو خطاب جائز ہو تو ملائکہ کے درود شریف پہنچا دینے کے اعتبار سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیوں جائز نہ ہو۔ سوائے اس کے ہم کیا کہہ سکتے ہیں کہ ایسے لوگوں کو کچھ حضور علیہ السلام سے ہی عداوت ہے کہ ان کے لیے خطاب جائز نہیں سمجھتے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب:۔ کہتے ہیں کہ فرشتوں کی نسبت یہ ثابت نہیں

کہ وہ متکلم کے الفاظ پڑھ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سناتے ہیں کہ خط کی حالت پر قیاس ہو سکے وہ تو صرف اتنا حضور علیہ السلام کو بتلاتے ہیں کہ فلاں شخص نے اتنی دفعہ آپ پر درود بھیجا ہے ہر ایک کے الفاظ نقل نہیں کرتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں آیا ہے کہا اس نے۔

اذا صليتم على رسول الله صلى الله عليه وسلم فاحسنوا الصلوٰة فانكم لا تدرون لعل ذالك يعرض عليه۔

(الحدیث رواہ ابن ماجہ)

یعنی جب تم درود شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھو تو بہت سوہنا پڑھا کرو، تم نہیں جانتے شائد وہ حضور علیہ السلام پر پیش کیا جائے۔

دیلمی نے مسند الفردوس میں اس حدیث کو مرفوعاً روایت کیا ہے۔ قال النبهانی فی سعادۃ الدارین ص۵۷۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ درود شریف کے الفاظ پیش ہوتے ہیں اسی واسطے اچھا پڑھنے کا ارشاد فرمایا۔ نیز حدیث میں آیا ہے کہ تمہارا درود مجھے پہنچتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ بعینہ درود پہنچتا ہے نہ یہ کہ خبر درود کی۔

اسی طرح دوسری حدیث میں آیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

اَكْثِرُوا عَلَيَّ مِنَ الصَّلٰوةِ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاِنَّ صَلٰوةَ اُمَّتِيْ تُعْرَضُ عَلَيَّ فِيْ كُلِّ يَوْمِ جُمُعَةٍ فَمَنْ كَانَ اَكْثَرَهُمْ عَلَيَّ صَلٰوةً كَانَ اَقْرَبَهُمْ مِنِّيْ مَنْزِلَةً ۔ رواہ البیهقی باسناد حسن (ترغیب ص۳۲۹)

کہ جمعہ کے دن مجھ پر بہت درود پڑھا کرو کیونکہ ہر جمعہ میں میری امت کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے تو جو شخص مجھ پر بکثرت درود پڑھنے والا ہوگا وہ میرے نزدیک مرتبہ میں اقرب ہوگا۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ درود شریف ہی پیش کیا جاتا ہے۔

دسویں دلیل عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم قَالَ لَا تُؤْذِی اِمْرَأَۃٌ زَوْجَھَا فِی الدُّنْیَا اِلَّا قَالَتْ زَوْجَتُہٗ مِنَ الْحُوْرِ الْعِیْنِ لَا تُؤْذِیْہِ قَاتَلَکِ اللّٰہُ فَاِنَّمَا ھُوَ عِنْدَکِ دَخِیْلٌ یُوْشِکُ اَنْ یُّفَارِقَکِ اِلَیْنَا۔ رواہ ابن ماجہ والترمذی۔ (ترغیب ص ۴۷۶)

فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں کوئی عورت اپنے خاوند کو ایذا نہیں دیتی مگر اس کی بی بی حور عین جنت میں اس کو کہتی ہے اللہ تعالیٰ تجھے ہلاک کرے یہ شخص تو تیرے پاس (چند روزہ) مہمان ہے۔ بہت جلدی چھوڑ کر ہمارے پاس آجائے گا۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ دنیا میں زوجین کا تنازعہ ہوتا ہے اور جنت میں حور کو اس کا علم ہوجاتا ہے اور وہ وہاں سے اس عورت کو مخاطب کرتی ہے اور مذکورہ بالا الفاظ کہتی ہے تو کیا آپ حور کو بھی اس غائبانہ خطاب کے سبب کوئی فتویٰ لگائیں گے ہاں معلوم ہے کہ حور کون ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کی غلام۔ وہ تو دنیا میں عورت کا خاوند کو ایذا دینا معلوم کرلے اور غائبانہ خطاب بھی کرے لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ تو ہمارے درود بھیجنے کا علم ہو اور نہ آپ کو غائبانہ خطاب درست ہو۔ حالانکہ حور کے متعلق یہ کسی روایت میں نہیں آیا۔ کہ عورتوں کا اپنے خاوندوں کو ایذا دینا حوروں تک بذریعہ فرشتگان پہنچایا جاتا ہے۔ اور درود شریف کے متعلق تو صحیح روایتوں میں ایسا آچکا ہے پھر حضور علیہ السلام کے علم میں کیا شبہ ہوسکتا ہے افسوس اور تو سب غائبانہ خطاب جائز ہوں لیکن انکار ہے تو صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب کا ہے۔

کہتے ہیں کہ اس درود میں آل کا ذکر نہیں۔

میں کہتا ہوں کہ یہ ضروری نہیں کہ درود میں آل کا ذکر ہو۔ اگر کسی کے پاس اس کی دلیل ہو تو بیان کرے۔ کتب صحاح کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ

ہر ایک حدیث میں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آتا ہے آل کا ذکر نہیں آتا۔ اگر ہر درود کے ساتھ آل کا ذکر لازمی ہوتا تو محدثین صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وعلی آلہ بھی ضرور لکھتے۔ علاوہ اس کے احادیث میں بعض درود شریف ایسے بھی آئے ہیں جن میں آل کا ذکر نہیں چنانچہ رویفع بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

مَنْ قَالَ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اَنْزِلْ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِيْ (رواہ البزار والطبرانی ترغیب ص۳۳)

جو شخص کہے اللّٰھم صل علی محمد الی آخرہ اس کو میری شفاعت واجب ہو جاتی ہے۔

دیکھو یہ درود شریف خود حضور علیہ السلام نے فرمایا لیکن اس میں آل کا ذکر نہیں ہے۔

سنن نسائی جلد اوّل کے ص۱۷۹ میں حدیث قنوت کے اخیر درود شریف فرمایا اس میں آل کا ذکر نہیں وہ حدیث یہ ہے۔

عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ عَلَّمَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ فِي الْوِتْرِ قَالَ قُلْ اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ فِيْمَنْ هَدَيْتَ وَبَارِكْ لِيْ فِيْمَا اَعْطَيْتَ وَقِنِيْ شَرَّ مَا قَضَيْتَ فَاِنَّكَ تَقْضِيْ وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ وَاِنَّهٗ لَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ۔

امام حسنؓ فرماتے ہیں مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وتروں میں پڑھنے کے لیے یہ کلمات سکھائے اللھم اہدنی الخ دیکھو حضور علیہ السلام نے بغیر ذکر آل کے درود شریف صلی اللہ علیہ وسلم وصلی اللہ علی النبی محمد سکھایا معلوم ہوا کہ آل کا ذکر لازمی نہیں۔

ترغیب ص۳۲۹ میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرمایا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۔

أَيُّمَا رَجُلٍ مُسْلِمٍ لَمْ يَكُنْ عِنْدَهُ صَدَقَةٌ فَلْيَقُلْ فِي دُعَائِهِ اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ وَصَلِّ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ فَإِنَّهَا زَكٰوةٌ وَقَالَ لَا يَشْبَعُ الْمُؤْمِنُ خَيْرًا حَتّٰى يَكُوْنَ مُنْتَهَاهُ الْجَنَّةَ (رواہ ابن حبان)

یعنی جس مسلمان کے پاس صدقہ دینے کے لیے کچھ نہ ہو وہ اپنی دعا میں یہ درود پڑھے یہی اس کا صدقہ ہو گا اور فرمایا کہ مومن نیکی سے سیر نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ اس کی انتہا جنت ہو جائے۔

اس حدیث میں بھی جو درود شریف حضور علیہ السلام نے پڑھنے کا ارشاد فرمایا اس میں آل کا ذکر نہیں پس اگر صلی اللہ علیک یا رسول اللہ میں آل کا ذکر نہیں تو کوئی حرج نہیں آخر ہم آل پر بھی تو درود پڑھتے ہیں ہم اس کے منکر نہیں اصل بات یہ ہے کہ ایک درود شریف ہمارا اور فرقہ وہابیہ و شیعہ کا مشترک درود ہے وہ نماز والا درود ہے اور ایک درود ہمارا اور وہابیہ کا مشترک ہے۔ شیعوں کا نہیں وہ یہ ہے۔ اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ اور ایک درود شریف صرف گروہ احناف کثرہم اللہ کا ہے جس میں نہ وہابی شامل ہیں نہ شیعہ۔ وہ یہ درود ہے صَلَّى اللهُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكَ يَا حَبِيْبَ اللهِ اہل اسلام کو چاہیے کہ اس درود شریف کی کثرت رکھیں اور صبح و شام جماعت میں مل کر با آواز بلند اس درود شریف کو پڑھا کریں، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

زَيِّنُوْا مَجَالِسَكُمْ بِالصَّلَاةِ عَلَيَّ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ عَلَيَّ نُوْرٌ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (اخرجہ الدیلمی فی مسند الفردوس عن ابن عمر رضی اللہ عنہما۔ سعادۃ الدارین ص ۶۷)

کہ اپنی مجلسوں کو مجھ پر درود پڑھنے کے ساتھ مزین کرو کہ تمہارا مجھ پر درود

پڑھنا تمہارے لیے قیامت کے دن نور ہوگا اور ظاہر ہے کہ درود شریف بلند آواز پڑھنے سے مجلسوں کی زینت ہوتی ہے۔

علامہ یوسف بنہانی سعادۃ الدارین صـ۱۲۴ میں فرماتے ہیں کہ حافظ ابوموسیٰ بن بشکوال و عبدالغنی بن سعید نے باسند روایت کیا ہے ابوبکر بن محمد بن عمر تک کہا اس نے کہ میں ابوبکر بن مجاہد کے پاس تھا تو شبلی علیہ الرحمۃ آئے تو ابوبکر بن مجاہد تعظیماً کھڑے ہوگئے اور اُن سے معانقہ کیا اور دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ میں نے عرض کیا یا سیدی آپ شبلی کے ساتھ اس طرح تعظیم کرتے ہیں حالانکہ سب اہل بغداد اس کو مجنوں تصور کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ میں نے ایسا کیا جیسے میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے ساتھ کرتے دیکھا۔ میں نے دیکھا حضور علیہ السلام کو خواب میں کہ شبلی آیا تو آپ کھڑے ہوگئے اور اس کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ میں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! آپ ایسا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ اپنی نماز کے بعد آیہ لقد جاء کم رسول من انفسکم پڑھتا ہے اور اس کے بعد مجھ پر درود پڑھتا ہے ایک روایت میں ہے کہ وہ نماز کے بعد تین بار پڑھتا ہے۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا سَيِّدَنَا مُحَمَّدُ۔ جب شبلی آئے تو اُن سے دریافت کیا تو انہوں نے ایسا ہی کہا۔ معلوم ہوا کہ حضرت شبلی یہ درود شریف جس میں صیغہ ندا ہے۔ نماز کے بعد تین بار پڑھتے رہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم رویا میں پسند فرما کر شبلی کی آنکھوں پر بوسہ دیا۔ وللہ الحمد۔

الاربعین

فی فضائل النبی الامین

حضور کے فضائل و محامد، اوصاف و کمالات اور

علوم و اختیارات پر مبنی چالیس احادیث

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ط وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ط۔

اَمَّا بَعْدُ

فقیر ابو یوسف محمد شریف برادران اسلام کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

مَنْ حَفِظَ عَلٰی اُمَّتِیْ اَرْبَعِیْنَ حَدِیْثًا مِنْ اَمْرِ دِیْنِہَا بَعَثَہُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ فِیْ زُمْرَۃِ الْفُقَہَآءِ وَالْعُلَمَآءِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ بَعَثَہُ اللّٰہُ فَقِیْہًا عَالِمًا وَفِیْ رِوَایَۃٍ کُنْتُ لَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ شَافِعًا وَشَہِیْدًا وَفِیْ رِوَایَۃٍ قِیْلَ لَہُ اُدْخُلْ مِنْ اَیِّ اَبْوَابِ الْجَنَّۃِ شِئْتَ۔

فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص میری اُمت سے چالیس حدیثیں جو کہ دین کے بارہ میں ہوں یاد کرے۔ اللہ تعالےٰ اس کو فقہا اور علماء کے زمرہ میں اٹھائے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ اللہ اس کو فقیہ عالم مبعوث کرے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ میں اس کے لیے شافع و شہید ہوں گا۔ ایک روایت میں ہے۔ کہ اس کو حکم ہوگا کہ جنت کے جس دروازہ کے راستہ چاہے داخل ہو۔ (اربعین نوویہ)

میں نے اسی اُمید پر اربعین حنفیہ لکھی جس میں چالیس حدیثیں دربارہ نماز لکھی گئیں اور نماز کے متعلق اختلافی مسائل میں نہایت مبسوط بحث کی گئی ہے اور حنفی مذہب کی تقویت دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ سے بیان کی گئی ہے۔ جو

بفضلہ تعالیٰ علما کے طبقہ میں بہت مقبول ہوئی۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلیٰ ذٰلِكَ

اب ارادہ ہے کہ چالیس حدیثیں صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل میں لکھوں تاکہ فدایان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے آقا کی عظمت وشان روشن ہوجائے اور مخالفین کو انکار کی گنجائش باقی نہ رہے۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ۔

حدیث نمبر ۱

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاَوَّلُ مَنْ يَنْشَقُّ عَنْهُ الْقَبْرُ وَاَوَّلُ شَافِعٍ وَاَوَّلُ مُشَفَّعٍ۔ (رواہ مسلم)

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں قیامت کے دن آدم علیہ السلام کی اولاد کا سردار ہوں اور سب سے پہلے میں قبر سے اٹھوں گا اور سب سے پہلے میں شفاعت کراؤں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت منظور ہوگی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق سے افضل ہیں۔ اہلسنت کا مذہب ہے کہ مسلمان آدمی فرشتوں سے افضل ہے اور حضور علیہ وسلم تمام آدمیوں سے بلکہ تمام مخلوق سے افضل ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف جمیلہ میں سے ایک صفت یہ بھی ہے کہ آپ سب سے پہلے قبر سے اٹھیں گے اور سب سے پہلے شفاعت کرائیں گے اور سب سے پہلے آپ کی شفاعت مقبول ہوگی۔ پس اگر کوئی دوسرا محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسا پیدا ہو تو ضرور ہے کہ اس میں بھی یہ اولیت پائی جائے۔ ورنہ وہ مثل محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوگا۔ پھر اگر یہ اولیت اس میں بھی ہو تو لازم آتا ہے کہ حضور علیہ وسلم نے جو اپنے آپ کو اول شافع واول مشفع کہا ہے۔ (معاذ اللہ) جھوٹ ہے کیونکہ ایک دوسرا بھی اول شافع ہے۔ فاللازم باطل والملزوم مثلہ

معلوم ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل نہ پیدا ہوا نہ آئندہ ہوگا نہ ہو سکتا ہے اسی واسطے کسی بزرگ نے کہا ہے۔

مِثْلُ النَّبِیِّ مُحَمَّدٍ لَا یُمْکِنُ
مَنْ قَالَ بِالْاِمْکَانِ فَھُوَ کَافِرٌ

حدیث نمبر ۲

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَثَلِیْ وَمَثَلُ الْاَنْبِیَاءِ کَمَثَلِ قَصْرٍ اُحْسِنَ بُنْیَانُہٗ تُرِکَ مِنْہُ مَوْضِعُ لَبِنَۃٍ فَطَافَ بِہِ النُّظَّارُ یَتَعَجَّبُوْنَ مِنْ حُسْنِ بُنْیَانِہٖ اِلَّا مَوْضِعَ تِلْکَ اللَّبِنَۃِ فَکُنْتُ اَنَا سَدَدْتُ مَوْضِعَ اللَّبِنَۃِ خُتِمَ بِیَ الْبُنْیَانُ وَخُتِمَ بِیَ الرُّسُلُ وَفِیْ رِوَایَۃٍ فَاَنَا اللَّبِنَۃُ وَاَنَا خَاتِمُ النَّبِیّٖنَ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔

ابوہریرہ کہتے ہیں۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری مثال اور انبیا کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کوئی بہت خوبصورت محل بنا ہے اور اس میں سے ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی جائے، دیکھنے والے اسے دیکھیں اور اس اینٹ کی جگہ کو دیکھ کر تعجب کریں۔ میں نے اس اینٹ کی جگہ کو بند کیا۔ میرے ساتھ وہ عمارت ختم کی گئی۔ میرے ساتھ رسول بھی ختم کئے گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ میں وہ اینٹ ہوں اور میں ہوں نبیوں کے ختم کرنے والا یعنی آخری نبی کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا۔ کہ قصر نبوت کی ایک اینٹ باقی تھی جس کی سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے تکمیل ہوگئی۔ اب آپ کے بعد کوئی نیا نبی نہ آیا ہے نہ آئندہ آئے گا۔ اس لیے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کے

بعد نبی بننے والا جھوٹا ہے اور اس حدیث کے خلاف ہے۔ کیونکہ جب قصرِ نبوت میں ایک ہی اینٹ کی جگہ تھی۔ جو حضور علیہ السّلام نے پُر کر دی تو دوسرا نبی کیسے آسکتا ہے۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل کوئی پیدا نہیں ہو سکتا کیونکہ خاتم النبیین بھی حضور کی ایک صفت ہے تو اگر کوئی دوسرا بھی حضور علیہ السّلام جیسا ہو۔ تو ضروری ہے کہ وہ خاتم النبیین ہو۔ پھر اگر وہی خاتم النبیین ہو تو لازم آتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین کہا ہے اور خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو خاتم النبیین فرمایا ہے جھوٹ ہے اور جھوٹ اللہ تعالیٰ پر محال ہے لہذا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل پیدا ہونا بھی محال ہے۔

حدیث نمبر ۳

صحیح مسلم صفحہ ۳۰۴ ج ا میں ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔

قَالَتْ لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ قَالَتْ كَانَ مِنْهُ النِّيَاحَةُ قَالَتْ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِلَّا اٰلَ فُلَانٍ فَاِنَّهُمْ كَانُوْا اَسْعَدُوْنِيْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَلَا بُدَّ لِيْ مِنْ اَنْ اُسْعِدَهُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا اٰلَ فُلَانٍ۔

ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی یبایعنک علیٰ ان لا یشرکن الخ کہ اے نبی جب عورتیں آپ کے پاس بیعت کے لیے آئیں کہ نہ شرک کریں گی اور کسی حکم شرعی کی بے فرمانی نہیں کریں گی۔ کہا اس نے کہ نیاحت یعنی نوحہ کرنا اسی میں تھا یعنی شرعی حکم کی نافرمانی تھی۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ مگر آل فلاں (یعنی فلاں آل کو مستثنیٰ فرمائیں) کہ انہوں نے جاہلیت

ہیں میری موافقت کی تھی تو مجھے ضروری ہے کہ میں بھی ان سے موافقت کروں۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ الّا ال فلان۔ مگر فلاں آل اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار حاصل تھا کہ جس کو آپ چاہیں عموم حکم سے خاص کر لیں۔ بین کرنا مطلقاً ممنوع ہے لیکن ام عطیہ رضی اللہ عنہا کو آپ نے رخصت دی اور وہ بھی آل فلاں کے لیے جس سے معلوم ہوا کہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا کے سوا باقی سب کو بین کرنا حلال نہیں اور ام عطیہ رضی اللہ عنہا کو بھی بجز آل فلاں کسی دوسری آل کے لیے جائز نہیں۔

امام نووی شارح مسلم اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔

وللشارح ان یخص من العموم ما شاء

شارع علیہ السلام جو چاہیں عموم سے خاص کر سکتے ہیں" سبحان اللہ! کیسا اختیار ہے۔ عام حکم سے جس کو چاہیں۔ یا جو چاہیں آپ خاص کر سکتے ہیں۔ کاش جو لوگ حضور علیہ السلام کو بے اختیار سمجھتے ہیں۔ تعصب کی عینک اتار کر اس حدیث میں نظر کرتے۔ تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کس قدر وسیع اختیار ہے۔

حدیث نمبر ۴

صحیح بخاری ص ۸۳۲ جلد ۲ میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَوَّلَ مَا نَبْدَءُ بِہٖ فِیْ یَوْمِنَا هٰذَا اَنْ نُّصَلِّیَ ثُمَّ نَرْجِعَ فَنَنْحَرُ مَنْ فَعَلَہٗ فَقَدْ اَصَابَ سُنَّتَنَا وَمَنْ ذَبَحَ قَبْلُ فَاِنَّمَا هُوَ لَحْمٌ قَدَّمَہٗ لِاَهْلِہٖ لَیْسَ مِنَ النُّسُكِ فِیْ شَیْءٍ فَقَامَ اَبُوْ بُرْدَۃَ وَقَدْ ذَبَحَ فَقَالَ اِنَّ عِنْدِیْ جَذَعَۃً قَالَ اِذْبَحْهَا وَلَنْ تَجْزِیَ عَنْ اَحَدٍ بَعْدَكَ۔

فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس دن (عید الضحیٰ کے دن) سب سے

پہلے ہم نماز پڑھیں گے۔ پھر نحر کریں گے۔ جس نے ایسا کیا اس نے ہماری سنت پر عمل کیا اور جس نے نماز کے پہلے ذبح کیا وہ گوشت ہے۔ جو اس نے اہل کے لیے آگے بھیجا۔ قربانی میں وہ نہیں ہے۔ تو ابو بردۃ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے۔ جو نماز سے پہلے ذبح کر چکے تھے۔ عرض کی کہ میرے پاس ایک جذعہ ہے۔ آپ نے فرمایا تو اُسے ذبح کر اور تیرے بعد کسی کو جذعہ کا قربانی کرنا کافی نہیں ہوگا۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جذعہ کا قربانی کرنا بجز ابو بردۃ کسی کو جائز نہ تھا۔ ابو بردہ کو جائز دینا حضور کے اختیار پر دلیل ہے۔

حدیث نمبر ۵

صحیح مسلم ص۴۳۲ جلد ا میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَيُّهَا النَّاسُ قَدْ فُرِضَ عَلَيْكُمُ الْحَجُّ فَحُجُّوْا فَقَالَ رَجُلٌ اَكُلَّ عَامٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَسَكَتَ حَتّٰى قَالَهَا ثَلَاثًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ ثُمَّ قَالَ ذَرُوْنِيْ مَا تَرَكْتُكُمْ فَاِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ سُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلٰى اَنْبِيَائِهِمْ فَاِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَاْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَدَعُوْهُ۔

کہا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں مخاطب کر کے فرمایا۔ کہ اے لوگو تحقیق فرض کیا گیا تم پر حج، پس حج کرو، ایک آدمی نے عرض کی کیا ہر سال یا رسول اللہ؟ (حج فرض ہے) آپ خاموش رہے۔ یہاں تک کہ اس نے تین بار کہا۔ تو آپ نے فرمایا۔ اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال (حج) واجب ہو جاتا اور تم اس کی طاقت نہ رکھتے۔ پھر فرمایا چھوڑ دو مجھ کو جب تک میں تمہیں چھوڑوں۔ یعنی جب تک میں کسی شئی کو جائز یا ناجائز نہ کہوں، تم نہ پوچھو۔ کیونکہ تم سے پہلے لوگ کثرت سوال اور انبیاء پر اختلاف کے سبب ہلاک ہو گئے ہیں۔ جب تمہیں کسی شئے کا حکم کر دوں۔ تو بقدر استطاعت اس پر عمل کرو اور

جب میں کسی شے سے منع کروں تو اسے چھوڑ دو۔"
اس حدیث سے معلوم ہوا۔ کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا اختیار تھا۔ اگر فرما دیتے کہ ہاں ہر سال حج فرض ہے۔ تو ہر سال حج فرض ہو جاتا۔ مگر آپ کی شفقت ہے کہ ایسا نہیں فرمایا ورنہ ہمارے لیے بہت مشکل ہوتا۔ بلکہ ہمیں ایک اصول فرما دیا۔ کہ جب تک میں امر یا نہی نہ کروں۔ تم مجھے چھوڑ دو۔ معلوم ہوا کہ جس چیز کا حضور علیہ السلام نے نہ حکم دیا ہو۔ نہ منع کیا ہو۔ اس کے متعلق کوئی حکم نہ لگانا چاہیے۔ نہ اُسے منع سمجھے، نہ فرض۔ واجب۔ سنت۔ مستحب۔ ہاں اگر کسی عام حکم کے ماتحت ہو تو اس کے مطابق حکم لگانا چاہیے۔

حافظ ابن حجر فتح الباری صـ۶۹۳ جز ۲۹، میں فرماتے ہیں۔

استدل بہ علی ان لاحکم قبل ورود الشرع وان الاصل فی الاشیاء عدم الوجوب۔

کہ ورود شرع سے پہلے کوئی حکم نہیں۔ یعنی جس امر میں شرع وارد نہیں اس پر کوئی حکم نہیں۔

امام نووی شرح صحیح مسلم صـ۴۳۲ جلد ا میں فرماتے ہیں۔

قولہ صلی اللہ علیہ وسلم ذرونی ما ترکتکم دلیل علی ان الاصل عدم الوجوب وانہ لاحکم قبل ورود الشرع۔

پس جن امور کی ممانعت حدیثوں میں نہ ہو۔ ان کو منع سمجھنا وہ کام کرنا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ برادران اہل سنت کو جب کسی منکر سے پالا پڑے۔ تو اس اصول کو یاد رکھیں۔ فرقہ باطلہ جس کام کو بدعت کہے تو جھٹ ان سے پوچھو کہ اس کی ممانعت دکھاؤ۔ اگر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہیں کیا۔ تو تم منع کرنے والے کون ہو؟۔

ایک لطیفہ

سیالکوٹ کے نواح میں ایک گاؤں میں مجھے لوگوں نے وعظ نصیحت کے لیے بلایا۔ میں جب وہاں پہنچا۔ تو ایک وہابی مولوی معہ چند اشخاص کے آ گیا اور کہنے لگا۔ کہ میں ایک مسئلہ دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا کہ وعظ کے بعد پوچھ لینا۔ اس نے کہا۔ کہ مجھے پہلے ہی بتادو تو کیا حرج ہے؟ میں نے کہا اچھا پوچھو کہنے لگا کہ جنازہ کے بعد دعا مانگنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یا نہیں۔ میں نے کہا یہ سوال آپ اس وقت کر سکتے ہیں۔ جب ہم جنازہ کے بعد دعا مانگنا سنت کہیں۔ آپ جائز ناجائز کا سوال کریں۔ کہنے لگے۔ بس یہی پوچھنا چاہتا ہوں میں نے اس وقت گھڑی میں ٹائم دیکھا۔ رات کے دس بجے تھے۔ میں نے کہا۔ دس بجے رات کے کسی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی مسئلہ پوچھا ہے اور آپ نے اس کا جواب دیا۔ اگر اس کا ثبوت ہے تو تم بھی پوچھو ورنہ چپ رہو۔ وہ کام نہ کرو۔ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ کہنے لگا۔ مسئلہ پوچھنا تو ہر وقت جائز ہے۔ میں نے کہا۔ اسی طرح مردہ کے لیے دعا مانگنا بھی ہر وقت جائز ہے۔ اس میں کیا ممانعت ہے۔ پھر وہ مبہوت ہو گیا۔

حدیث نمبر ۶

مسند امام احمد جلد خامس ص ۲۵ میں ہے۔

عن قتادۃ عن نصر بن عاصم عَنْ رَجُلٍ مِنْهُمْ أَنَّهُ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَسْلَمَ عَلٰى أَنَّهُ لَا يُصَلِّي إِلَّا صَلَاتَيْنِ فَقَبِلَ ذٰلِكَ مِنْهُ۔

یعنی ایک آدمی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ اکر اس شرط پر مسلمان ہوا۔ کہ وہ نہ پڑھے گا مگر دو نمازیں۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس

کی یہ شرط قبول کرلی اور اُسے مسلمان کیا۔"
دیکھو قرآن کریم میں پانچ نمازیں آئی ہیں۔ حدیثوں میں بھی پانچ ہیں۔ بلکہ جمعہ کے دن نماز جمعہ بھی ہے۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کے لیے صرف دو ہی نمازیں منظور فرماتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ آپ مختار تھے۔ اور آپ کا نہایت وسیع اختیار تھا اگرچہ سب لوگوں کے لیے پانچ نمازیں ادا کرنا لازم ہیں۔ مگر اس شخص کے لیے دو کا پڑھنا ہی منظور فرمایا (فداہ ابی وامی)

حدیث نمبر ۷

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابن فضالۃ عَنْ اَبِیہِ قَالَ عَلَّمَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَکَانَ فِیْمَا عَلَّمَنِیْ وَحَافِظْ عَلَی الصَّلَوٰتِ الْخَمْسِ قَالَ قُلْتُ اِنَّ ھٰذِہٖ سَاعَاتٌ لِیْ فِیْھَا اَشْغَالٌ فَمُرْنِیْ بِاَمْرٍ جَامِعٍ اِذَا اَنَا فَعَلْتُہٗ اَجْزَءَ عَنِّیْ فَقَالَ حَافِظْ عَلَی الْعَصْرَیْنِ وَمَا کَانَتْ مِنْ لُغَتِنَا فَقُلْتُ وَمَا الْعَصْرَانِ فَقَالَ صَلٰوۃٌ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَصَلٰوۃٌ قَبْلَ غُرُوْبِھَا۔

(ابوداود مع عون المعبود جلد اول ص ۱۶۳)

فضالہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا من جملہ اس کے یہ تھا۔ کہ پانچوں نمازوں کی محافظت کر۔ میں نے عرض کی کہ میرے لیے ان ساعات میں مشغولی ہے۔ یعنی بسبب مشغولی کاروبار ان اوقات میں جو نمازوں کے ہیں۔ میں محافظت نہیں کرسکتا مجھے کوئی ایسا جامع امر فرما دیجئے کہ جب میں اسے کروں۔ تو مجھے کفایت کرے۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ عصرین کی محافظت کر (یعنی نماز فجر و عصر کی ہی محافظت کر) اور یہ لفظ عصرین میری لغت کا نہ تھا اس لیے میں نے پوچھا۔ کہ یا رسول اللہ عصرین سے کیا مراد ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔ ایک

نماز سورج نکلنے سے پہلے کی (یعنی فجر) اور ایک سورج غروب ہونے سے پہلے کی (یعنی عصر)" اس کو ابوداؤد نے روایت کیا۔

دیکھو قرآن کریم میں سب نمازوں کی حفاظت کا ذکر آیا ہے اور حضور علیہ السلام نے بھی پانچوں نمازوں کی حفاظت کا امر فرمایا۔ مگر فضالہ رضی اللہ عنہ کے عذر کرنے پر صرف فجر و عصر کی محافظت کا حکم دیا۔ نہ باقی نمازوں کا۔ معلوم ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مختار تھے۔ جو حکم فرماتے وہی شرع بن جاتا اور جس کو چاہتے، اس حکم سے مخصوص فرما لیتے۔

حدیث نمبر ۸

عَنْ عُمَارَةَ ابْنِ خُزَيْمَةَ اِنَّ عَمَّهٗ حَدَّثَهٗ وَهُوَ مِنْ اَصْحَابِ
النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اِبْتَاعَ فَرَسًا مِنْ اَعْرَابِيٍّ فَاسْتَتْبَعَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
لِيَقْضِيَهٗ ثَمَنَ فَرَسِهٖ فَاَسْرَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي
الْمَشْيِ وَاَبْطَاَ الْاَعْرَابِيُّ فَطَفِقَ رِجَالٌ يَعْتَرِضُوْنَ الْاَعْرَابِيَّ فَيُسَا
وِمُوْنَهٗ بِالْفَرَسِ وَلَا يَشْعُرُوْنَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اِبْتَاعَهٗ فَنَادَى الْاَعْرَابِيُّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ
اِنْ كُنْتَ مُبْتَاعًا هٰذَا الْفَرَسَ وَاِلَّا بِعْتُهٗ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ سَمِعَ نِدَاءَ الْاَعْرَابِيِّ فَقَالَ اَوَلَيْسَ قَدِ
ابْتَعْتُهٗ مِنْكَ قَالَ الْاَعْرَابِيُّ لَا وَاللّٰهِ مَا بِعْتُكَهٗ فَقَالَ النَّبِيُّ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلٰى قَدِ ابْتَعْتُهٗ مِنْكَ فَطَفِقَ الْاَعْرَابِيُّ
يَقُوْلُ هَلُمَّ شَهِيْدًا فَقَالَ خُزَيْمَةُ بْنُ ثَابِتٍ اَنَا اَشْهَدُ اَنَّكَ
قَدْ بَايَعْتَهٗ فَاَقْبَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى خُزَيْمَةَ

فَقَالَ بِمَ تَشْهَدُ فَقَالَ بِتَصْدِيقِكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهَادَةَ خُزَيْمَةَ بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ۔

(ابوداؤد مع عون المعبود ج ۳ ص ۳۴)

عمارہ بن خزیمہ سے روایت ہے کہ اس کے چچا نے جو صحابی تھا۔ حدیث بیان کی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے گھوڑا خرید لیا۔ اور فرمایا کہ میرے ساتھ چلو تاکہ میں قیمت ادا کردوں حضور علیہ السلام نے رفتار میں جلدی کی اور اعرابی نے دیر کی۔ تو کچھ آدمی اس اعرابی کے ساتھ گھوڑے کا سودا کرنے لگے۔ ~~انہیں معلوم نہ تھا کہ گھوڑا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خرید کیا ہوا ہے یہاں~~ تک کہ بعض نے تو حضور علیہ السلام کی قیمت سے زیادہ قیمت لگادی تو اعرابی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز دی کہ اگر آپ اس گھوڑے کو خریدنا چاہیں تو خرید کرلیں ورنہ میں اسے بیچتا ہوں۔ حضور علیہ السلام یہ آواز سن کر کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ کیا میں تجھ سے یہ گھوڑا خرید نہیں چکا؟ اس نے کہا کہ نہیں خدا کی قسم میں نے تو بیچا ہی نہیں۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں! میں نے تجھ سے خرید کیا ہے۔ اعرابی نے کہا کہ کوئی گواہ پیش کرو۔ (کہ کس کے سامنے میں نے فروخت کیا ہے۔ اور آپ نے خرید کیا ہے) پھر جو مسلمان آتا۔ اس اعرابی پر افسوس کرتا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بجز حق کے نہیں فرماتے۔ تو حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ آئے اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو نے اس گھوڑے کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فروخت کیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ تو کس طرح گواہی دیتا ہے۔ حالاں کہ تو اس وقت موجود نہ تھا۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ! میں آسمان کی خبروں میں آپ کو سچا مانتا ہوں تو کیا اس بات میں سچا نہ مانوں۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خزیمہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کو بجائے دو گواہوں کے ٹھہرایا۔"

یعنی ہر امر کے ثبوت کے لیے دو گواہوں کی ضرورت ہے اور یہی قرآن

شریف کا حکم ہے۔ مگر حضور علیہ السلام نے خزیمہ اکیلے کی شہادت کو دو کے برابر کیا۔ جہاں خزیمہ گواہ ہوں۔ وہاں دوسرے گواہ کی ضرورت نہیں۔

چنانچہ ابن ابی شیبہ نے لیث بن سعد، سے روایت کیا کہ سب سے پہلے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قرآن شریف کو جمع کیا اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے لکھا لوگ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس آیت لے کر آتے۔ جب تک دو عادل گواہ اس آیت کی گواہی نہ دیتے، وہ نہ لکھتے۔ اور سورہ براءۃ کی آخری آیت حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کے پاس ملی۔ تو زید نے فرمایا۔ اس کو لکھ لو۔ کیونکہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے خزیمہ اکیلے کی شہادت کو دو گواہوں کے برابر رکھا۔ پھر وہ آیت لکھی۔ (عون المعبود ص ۳۴۱)

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا۔ کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا وسیع اختیار تھا۔ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وبارک وسلم۔

حدیث نمبر ۹

مشکوٰۃ شریف کے ص ۲۷۳ میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

تُرْجِیْ مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِیْ اِلَیْكَ مَنْ تَشَاءُ۔

کہ ڈھیل دے تو جس کو چاہے تو میں نے کہا۔

مَا اَرٰی رَبَّكَ اِلَّا یُسَارِعُ فِیْ هَوَاكَ۔

میں نہیں دیکھتی تیرے رب کو یا رسول اللہ! مگر وہ جلدی کرتا ہے تیری خواہش کے پورا کرنے میں"

اس کو بخاری و مسلم نے روایت کیا۔ اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کی ایسی تعریف کی کہ اگر آج

ہم ایسا کہیں تو کفر و شرک کے فتوے لگ جائیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ یارسول اللہ تیری خواہش کے پورا کرنے میں اللہ تعالےٰ جلدی کرتا ہے۔ اسی طرح دوسری حدیث میں آیا ہے۔ جب حضور علیہ السلام نے اپنے چچا کے لیے دُعاءِ صحت فرمائی اور وہ اچھا ہو گیا تو اس نے کہا اِنَّ رَبَّكَ لَیُطِیعُكَ کہ یارسول اللہ! تیرا رب تیرے کہنے پر چلتا ہے۔ تیری اطاعت کرتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا۔ کہ ایسا نہ کہو۔ بلکہ فرمایا کہ چچا اگر تو مسلمان ہو جائے۔ تو خدا تیرے کہنے پر بھی چلے"۔ سبحان اللہ! کیا ہی شان ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو ان کا سچا فرمانبردار ہو جائے، خدا تعالےٰ اس کی دُعا قبول فرماتا ہے اور جو مانگتا ہے اُسے ملتا ہے۔

اسی طرح مسلم کی حدیث میں آیا ہے۔

رُبَّ اَشْعَثَ مَدْفُوْعِ الْاَبْوَابِ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ۔

بہت پراگندہ بالوں والے جن کو دروازوں سے دھکیل دیا جاتا ہے اگر اللہ پر کسی بات کی قسم کھالیں (کہ اللہ تعالیٰ ایسا کرے گا) تو اللہ تعالےٰ ویسا ہی کرتا ہے۔

بخاری شریف میں قرب نوافل کی حدیث میں آیا ہے۔

وَاِنْ سَاَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّہٗ۔

اگر وہ بندہ مجھ سے مانگے۔ تو میں اُسے ضرور دیتا ہوں"

پس ایسے لوگوں کے پاس اپنی حاجتیں لے جانا چاہیے تاکہ وہ تمہاری حاجت کے لیے خدا سے دُعا مانگیں اور خدا اپنے وعدہ کے مطابق ان کے سوال کو ہرگز رد نہ کرے گا اور تمہاری حاجت پوری ہو جائے گی۔

حدیث نمبر ۱۰

مشکوٰۃ شریف کے صفحہ ۵۴۳ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ :-

ایک بھیڑیا ایک بکریاں چرانے والے کے ریوڑ میں آیا اور ایک بکری لے گیا۔ چرواہے نے اس کا تعاقب کیا اور بکری چھڑا لی تو بھیڑیا ایک ٹیلے پر چڑھ کر کہنے لگا کہ اللہ تعالےٰ نے مجھے رزق دیا ہے اور میں نے لیا اور تو نے مجھ سے چھڑا لیا۔ وہ راعی بولا کہ میں نے بھیڑیا کلام کرتے نہیں دیکھا جیسے آج دیکھا ہے۔ تو بھیڑیا کہنے لگا۔

اَعْجَبُ مِنْ هٰذَا رَجُلٌ فِی النَّخَلَاتِ بَیْنَ الْحَرَّتَیْنِ یُخْبِرُكُمْ بِمَا مَضٰی وَمَا هُوَ كَائِنٌ بَعْدَكُمْ قَالَ فَكَانَ الرَّجُلُ یَهُوْدِیًّا فَجَآءَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهٗ وَاَسْلَمَ فَصَدَّقَهُ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ۔ (رواہ فی الشرح السنۃ)

کہ اس سے زیادہ تعجب تو یہ ہے کہ ایک آدمی مدینہ شریف میں تمہیں خبر دیتا ہے۔ جو کچھ گزر چکا ہے اور جو کچھ تمہارے بعد ہونے والا ہے اور تم اس پر ایمان نہیں لاتے، ابو ہریرہ کہتے ہیں وہ شخص یہودی تھا۔ اس نے آکر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی اور مسلمان ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی تصدیق کی۔ اس حدیث کو امام احمد اور ابو نعیم نے بسند صحیح روایت کیا۔

(حجۃ اللہ علی العالمین صفحہ ۱۶۳)

پس اس حدیث سے معلوم ہوا۔ کہ حیوانات بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم ما کان وما یکون جانتے تھے۔ لیکن آج کل کے انسانوں کو اس کے ماننے میں تامل ہے۔ واللہ الھادی۔

حدیث نمبر ۱۱

بخاری شریف میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

وَاللّٰہِ مَا یَخْفٰی عَلَیَّ رُکُوْعُکُمْ وَلَا خُشُوْعُکُمْ وَاِنِّیْ لَاَرَاکُمْ وَرَاءَ ظَہْرِیْ

خدا کی قسم مجھ پر تمہارا رکوع اور خشوع پوشیدہ نہیں میں پیٹھ کے پیچھے سے بھی تم کو دیکھتا ہوں۔"

یہ معجزہ ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ آپ آگے پیچھے یکساں دیکھتے تھے اور ظاہر ہے۔ کہ خشوع فعل قلب ہے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام سے لوگوں کے دلوں کی حالت بھی پوشیدہ نہ تھی (اللّٰھُمَّ صَلِّ علی سیدنا محمدٍ) ہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے۔ کہ یہ حکم مقتدیوں کو فرمایا۔ نہ صرف پہلی صف والوں کو جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کے اقتدا میں جتنی صفیں ہوتیں سب کے رکوع و خشوع کو آپ دیکھتے تھے۔ فللہ الحمد۔

حدیث نمبر ۱۲

بخاری مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ۔

ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ! میں ہلاک ہو گیا۔ کہ میں نے ماہ رمضان میں اپنی زوجہ سے جماع کیا۔ فرمایا غلام آزاد کر سکتا ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ فرمایا کہ دو مہینے کے روزے رکھ سکتا ہے؟ اس نے عرض کی۔ نہیں۔ فرمایا ساٹھ مساکین کو کھانا کھلا سکتا ہے؟ اُس نے عرض کی کہ نہیں۔ اتنے میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خرمے لائے گئے۔ فرمایا انہیں خیرات کر دے۔ اس نے عرض کی کہ مدینہ بھر میں مجھ سے

زیادہ کوئی محتاج نہیں۔ تو حضور علیہ السلام یہ سن کر ہنسے یہاں تک کہ دندان مبارک ظاہر ہو گئے اور فرمایا۔

اِذْهَبْ فَاطْعِمْهُ اَهْلَكَ ۔

جا اپنے گھر والوں کو کھلا دے۔

سبحان اللہ! یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت ہے کہ سزا کو انعام سے بدل دیا۔ اس نے تو قصور کیا اور بجائے سزا کے خرمائے کر آیا اور کفارہ بھی ادا ہو گیا بعض روایات میں آیا ہے، کہ یہ اسی کے لیے رخصت تھی۔ اگر آج کوئی ایسا کرے۔ تو کفارہ سے چارہ نہیں۔ (ابوداؤد عن الزہری)

حدیث نمبر ۱۳

بخاری شریف میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ وَكَّلَنِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحِفْظِ زَكٰوةِ رَمَضَانَ فَاَتَانِي اٰتٍ فَجَعَلَ يَحْثُوْ مِنَ الطَّعَامِ فَاَخَذْتُهٗ وَقُلْتُ لَاَرْفَعَنَّكَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنِّيْ مُحْتَاجٌ وَعَلَيَّ عِيَالٌ وَلِيْ حَاجَةٌ شَدِيْدَةٌ فَخَلَّيْتُ عَنْهُ وَ اَصْبَحْتُ فَقَالَ لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ مَا فَعَلَ اَسِيْرُكَ الْبَارِحَةَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ شَكَا حَاجَةً شَدِيْدَةً وَعِيَالًا فَرَحِمْتُهٗ وَ خَلَّيْتُ سَبِيْلَهٗ قَالَ اَمَا اِنَّهٗ قَدْ كَذَبَكَ وَسَيَعُوْدُ فَعَرَفْتُ اَنَّهٗ سَيَعُوْدُ فَرَصَدْتُهٗ فَجَاءَ يَحْثُوْا مِنَ الطَّعَامِ فَاَخَذْتُهٗ فَقُلْتُ لَاَرْفَعَنَّكَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ دَعْنِيْ فَاِنِّيْ مُحْتَاجٌ وَعَلَيَّ عِيَالٌ لَا اَعُوْدُ فَرَحِمْتُهٗ فَخَلَّيْتُ سَبِيْلَهٗ فَاَصْبَحْتُ فَقَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا فَعَلَ

اسیرک البارحة قلت یا رسول الله شکا حاجة وعیالا
فرحمته وخلیت سبیله قال اما انه قد کذبک
وسیعود فرصدته الثالثة فجاء یحثوا من الطعام فاخذته
فقلت لارفعنک الی رسول الله صلی الله علیه وسلم وهذا
اخر ثلث مرات تزعم انک لا تعود ثم تعود فقال دعنی
اعلمک کلمات ینفعک الله بها اذا اویت الی فراشک
فاقرء اٰیة الکرسی حتی تختمها فانه لن یزال علیک من
الله حافظ ولا یقربک شیطان حتی تصبح فاخبرت
النبی صلی الله علیه وسلم فقال اما انه قد صدقک
وهو کذوب تعلم من تخاطب منذ ثلث یا ابا هریرة
قلت لا قال ذلک شیطان۔ (بخاری شریف)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر کی محافظت کے لیے مقرر فرمایا۔ ایک آنے والا آیا۔ اس نے صدقہ لینا شروع کیا۔ میں نے اسے پکڑ لیا۔ اور کہا کہ میں تجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جاؤں گا۔ وہ کہنے لگا کہ میں محتاج صاحب عیال ہوں اور مجھے سخت حاجت ہے (اس لیے لیتا ہوں) تو میں نے اُسے چھوڑ دیا۔ صبح کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ابوہریرہ آج رات کے آنے والے تیرے قیدی نے کیا کیا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ اس نے سخت حاجت اور عیالداری بیان کی مجھے رحم آیا تو میں نے اُسے چھوڑ دیا۔ آپ نے فرمایا اس نے تجھے جھوٹ کہا وہ پھر آئے گا۔ مجھے یقین ہوا کہ وہ ضرور آئے گا۔ تو میں اس کے انتظار میں رہا۔ آخر آیا اور اسی طرح صدقہ (طعام) سے مٹھی بھر اٹھانے لگا۔ میں نے پکڑ لیا اور کہا کہ تجھے حضور علیہ السلام کے پاس ضرور لے جاؤں گا تو اس نے کہا مجھے چھوڑ دے۔ میں محتاج عیال دار ہوں۔ اب پھر نہیں آؤں گا۔ پھر مجھے رحم آیا اور

چھوڑ دیا۔ صبح کے وقت، پھر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ رات کے آنے والے نے کیا کیا۔ میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ اس نے سخت حاجت و عیال داری کی شکایت کی۔ تو میں نے اس پر رحم کیا۔ اور چھوڑ دیا۔ آپ نے فرمایا اس نے جھوٹ بولا۔ وہ پھر آئے گا۔ میں پھر اس کے انتظار میں رہا۔ تو وہ آیا اور صدقہ اٹھانے لگا۔ میں نے پھر پکڑ لیا اور کہا کہ اب ضرور تمہیں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاؤں گا۔ یہ تیسری بار ہے تو کہتا ہے کہ پھر نہ آؤں گا اور پھر آجاتا ہے اس نے کہا مجھے چھوڑ دے۔ میں تجھے ایسے کلمات سکھاتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ تجھے ان کلمات کے سبب نفع دے گا۔ جب تو اپنے فرش پر سونے کے لیئے آرام کرے۔ تو آیۃ الکرسی پڑھ کر سو جا۔ اللہ کی طرف سے ہمیشہ محافظ رہے گا اور شیطان تیرے نزدیک نہ پھٹکے گا۔ یہاں تک کہ تو صبح کرے گا میں نے یہ واقعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ اس نے سچ کہا ہے حالانکہ وہ بڑا جھوٹا ہے۔ کیا تو جانتا ہے اے ابا ہریرہ۔ کہ تو تین دن سے کس شخص کے ساتھ مخاطب رہا ہے۔ میں نے عرض کی کہ نہیں جانتا۔ فرمایا وہ شیطان تھا۔ (بخاری شریف)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کل کی بات بھی جانتے تھے۔ ابوہریرہ نے رات کے آنے والے کا ذکر نہیں کیا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پہلے ہی پوچھا کہ رات کے آنے والے نے کیا کیا۔ پھر فرمایا۔ کہ وہ پھر آئے گا۔ پھر تیسری بار بھی فرمایا کہ پھر آئے گا اور اسی طرح ہی ہوا۔ پھر یہ بھی فرما دیا۔ کہ وہ شیطان تھا۔ یہ ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم، اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بڑا جھوٹا بھی کبھی سچ بولتا ہے۔

محدثین نے اسی سے استدلال کیا ہے۔

ان الکذوب قد یصدق۔

معلوم ہوا کہ حدیث ضعیف میں احتمال ہے کہ ضعیف راوی نے سچ بولا ہو اس لیے وہ مطلقاً متروک نہیں ہوتی تاوقتیکہ کوئی صحیح حدیث اس کے معارض

نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف مقبول ہوتی ہے۔

حدیث نمبر ۱۴۱

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا اعْتَرَفَ آدَمُ الْخَطِيْئَةَ قَالَ يَا رَبِّ أَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ لِمَا غَفَرْتَ لِي فَقَالَ اللّٰهُ يَا آدَمُ وَكَيْفَ عَرَفْتَ مُحَمَّدًا وَلَمْ أَخْلُقْهُ قَالَ لِأَنَّكَ يَا رَبِّ لَمَّا خَلَقْتَنِي بِيَدِكَ وَنَفَخْتَ فِيَّ مِنْ رُوْحِكَ رَفَعْتُ رَأْسِي فَرَأَيْتُ عَلَى قَوَائِمِ الْعَرْشِ مَكْتُوْبًا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَعَلِمْتُ أَنَّكَ لَمْ تُضِفْ إِلَى اسْمِكَ إِلَّا أَحَبَّ الْخَلْقِ إِلَيْكَ فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالَى صَدَقْتَ يَا آدَمُ إِنَّهُ لَأَحَبُّ الْخَلْقِ إِلَيَّ وَإِذْ سَأَلْتَنِي بِحَقِّهِ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكَ وَلَوْلَا مُحَمَّدٌ لَمَا خَلَقْتُكَ ۔ (رواه البیہقی فی الدلائل والحاکم وصححہ)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی۔ تو آپ نے دعا کی کہ یا اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں مجھے بخش دے۔ (یعنی وہ خطا جس کے سبب سے میں جنت سے نکالا گیا معاف فرما) تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے آدم (علیہ السلام) تو نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے پہچانا حالانکہ میں نے اسے پیدا نہیں کیا۔ آدم علیہ السلام نے کہا۔ کہ اے رب جب تو نے مجھے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور اپنا روح مجھ میں پھونکا میں نے سر اٹھایا تو دیکھا عرش کے پایوں پر لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھا ہوا تھا۔ میں نے معلوم کیا۔ کہ جس شخص کے نام کو تو نے اپنے نام کے ساتھ ملایا ہے۔ یہ کوئی تیرے نزدیک سب خلقت سے زیادہ عزیز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ اے آدم تو نے سچ کہا۔

وہ مجھے سب خلقت سے زیادہ پیارا ہے۔ اب تو نے اس کے صدقہ میں دعا کی ہے، میں نے تجھے بخش دیا ہے اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کرنا نہ ہوتا۔ تو میں تجھے پیدا نہ کرتا۔

اس کو بیہقی نے دلائل میں اور حاکم نے مستدرک میں روایت کیا اور حاکم نے اس کو صحیح کہا اور طبرانی نے معجم صغیر میں بھی اس کو روایت کیا ہے۔

اس حدیث سے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوا کہ دعا میں وسیلہ پیش کرنا بالخصوص سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ صرف جائز ہے، بلکہ باعث قبولیت دعا ہے۔

حدیث نمبر ۱۵

عَنْ مَالِكِ الدَّارِ وَكَانَ خَازِنُ عُمَرَ قَالَ أَصَابَ النَّاسَ قَحْطٌ فِيْ زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَجَاءَ رَجُلٌ إِلَى قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِسْتَسْقِ لِأُمَّتِكَ فَإِنَّهُمْ قَدْ هَلَكُوْا فَأَتَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَنَامِ فَقَالَ اِيْتِ عُمَرَ فَاقْرِئْهُ السَّلَامَ وَاَخْبِرْهُ أَنَّهُمْ يُسْقَوْنَ وَقُلْ لَهٗ عَلَيْكَ الْكَيْسَ فَأَتَى الرَّجُلُ عُمَرَ فَأَخْبَرَهٗ فَبَكٰى عُمَرُ قَالَ يَا رَبِّ مَا آلُوْ إِلَّا مَا عَجَزْتُ عَنْهُ۔

مالک دار جو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خازن تھے کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قحط پڑا۔ تو ایک آدمی (یعنی بلال بن حارث صحابی رضی اللہ عنہ) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر آئے اور عرض کی یا رسول اللہ اپنی امت کے لیے پانی مانگیے۔ وہ ہلاک ہوئی جاتی ہے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو خواب میں فرمایا کہ عمر کے پاس جاؤ اور اسے سلام کہو اور اس کو خبر دو۔ کہ مینہ

برسے گا اور اُسے کہو کہ زیرکی کا التزام کرو۔ وہ شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور انہیں خبر دی۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ روئے اور کہا۔ اے پروردگار میں کوتاہی نہیں کرتا۔ مگر اس چیز میں کہ میں اس سے عاجز ہوں۔

اس حدیث کو بیہقی نے طریق اعمش عن ابی صالح عن مالک الدار سے روایت کیا ہے۔

علامہ نبہانی نے شواہد الحق ص۱۷۷ میں فرمایا کہ اس حدیث کو ابن ابی شیبہ نے بسند صحیح روایت کیا ہے اور تصریح کی کہ قبر شریف پر آکر عرض کرنے والا بلال بن حارث صحابی تھا رضی اللہ عنہ۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری جز ۴ ص۵۴۳ میں اس حدیث کی سند کو بروایت ابن ابی شیبہ صحیح فرماتے ہیں اور یہ بھی تصریح کرتے ہیں کہ وہ قبر پر آنیوالا اور خواب میں حضور علیہ السلام کو دیکھنے والا بلال بن حارث صحابی تھا۔

پس ایک صحابی کا حضور علیہ السلام کی قبر پر حاضر ہو کر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ندا کرکے عرض کرنا یا رسول اللہ اُمت کے لیے پانی مانگیے دلیل ہے اس امر کے جواز پر اور دلیل ہے حضور علیہ السلام کے سُن لینے پر اور دلیل ہے حضور علیہ السلام کے توسل سے حاجت کے پورا ہونے پر۔ صلی اللہ علیک وسلم یا رسول اللہ۔

حدیث نمبر ۱۶

حَدَّثَنِیْ اَبُوْ زَیْدٍ قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْفَجْرَ وَصَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا حَتّٰی حَضَرَتِ الظُّهْرُ فَنَزَلَ وَصَلّٰی ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا حَتّٰی حَضَرَتِ الْعَصْرُ ثُمَّ نَزَلَ فَصَلّٰی ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا حَتّٰی غَرَبَتِ الشَّمْسُ فَاَخْبَرَنَا

بِمَا کَانَ وَبِمَا هُوَ کَائِنٌ فَاَعْلَمُنَا اَحْفَظُنَا۔

ابوزید کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی۔ آپ منبر پر چڑھے اور ہمیں خطبہ دیا۔ یہاں تک کہ ظہر کا وقت ہوگیا تو آپ اترے اور نماز ظہر پڑھی۔ پھر منبر پر چڑھ گئے اور خطبہ پڑھا۔ یہاں تک کہ عصر ہوگئی۔ پھر اتر کر نماز پڑھی پھر منبر پر چڑھے اور خطبہ پڑھا۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا۔ پس خبر دی ہم کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھ اس خبر کے جو ہو چکی ہے اور جو آئندہ ہوگی۔ پس ہم میں سے زیادہ علم والا وہ شخص ہے جو ہم میں سے زیادہ یاد رکھنے والا ہے۔

اس کو مسلم نے روایت کیا۔

معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ماکان ومایکون کے عالم تھے۔

حدیث نمبر ۱۷

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ لَمَّا بَعَثَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَی الْیَمَنِ خَرَجَ مَعَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُوْصِیْہِ وَمُعَاذٌ رَاکِبٌ وَرَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَمْشِیْ تَحْتَ رَاحِلَتِہٖ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ یَا مُعَاذُ اِنَّکَ عَسٰی اَنْ لَّا تَلْقَانِیْ بَعْدَ عَامِیْ ھٰذَا اَوْ لَعَلَّکَ اَنْ تَمُرَّ بِمَسْجِدِیْ ھٰذَا وَقَبْرِیْ فَبَکٰی مُعَاذٌ جَشَعًا لِفِرَاقِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ الْتَفَتَ فَاَقْبَلَ بِوَجْھِہٖ نَحْوَ الْمَدِیْنَۃِ فَقَالَ اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِیَ الْمُتَّقُوْنَ مَنْ کَانُوْا وَحَیْثُ کَانُوْا (رواہ احمد)۔

(مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۰ مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۲۳۵)

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یمن کی طرف بھیجا۔ تو حضور علیہ السلام ان کے ساتھ وصیت فرماتے ہوئے

نکلے معاذ رضی اللہ عنہ سوار تھے اور حضور علیہ السلام ان کی سواری کے نیچے پیادہ چلتے تھے جب آپ فارغ ہوئے تو (یعنی وصیت سے) فرمایا اے معاذ قریب ہے کہ تو نہ ملے گا مجھے میرے اس سال کے بعد اور شاید تو میری مسجد اور میری قبر پر گزرے۔ یہ سن کر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کے فراق کے غم سے رونے لگے تو آپ نے ادھر سے التفات کر کے مدینہ طیبہ کی طرف منہ کیا اور فرمایا کہ میرے بہت قریب اور متصل وہ لوگ ہیں، جو متقی ہیں کوئی بھی ہوں اور جہاں بھی ہوں"

اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا۔

اس حدیث سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انکسار اور تواضع معلوم ہوا کہ آپ معاذ رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیادہ چل رہے تھے اور معاذ سوار تھے۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو اپنے وصال شریف کا علم تھا۔ اسی واسطے معاذ رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ شاید تو مجھے نہ ملے اور میری قبر پر آئے۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی زندگی کا بھی علم تھا کہ فرمایا کہ شاید تو میری مسجد اور قبر پر گزرے۔ یعنی میرے وصال کے بعد تو زندہ رہے گا اور میری قبر پر آئے گا چنانچہ آپ نے جو فرمایا ویسا ہی ہوا۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ حضور کے فراق میں رونے لگے۔ اس لیے کہ ان کو حضور علیہ السلام کی جدائی کا یقین ہو گیا۔

یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ متقی لوگ حضور علیہ السلام کے پاس ہی ہیں۔ اگرچہ صورتاً پاس نہ ہوں۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی بھی ہو اور کہیں بھی ہو۔ شام میں ہو یا روم میں، پنجاب میں ہو یا ہندوستان میں، جہاں بھی ہو۔ حضور علیہ السلام اس کے پاس ہی ہے۔ بشرطیکہ وہ متقی ہو۔ حضور علیہ السلام نے حضرت معاذ کو تسلی دی، کہ رونے کی ضرورت نہیں۔ تقویٰ اختیار کرو۔ پھر جہاں رہو، میرے پاس ہی ہو۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ۔

حدیث نمبر ۱۸

علامہ یوسف نبہانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب حجۃ اللہ علی العالمین کے صـ۷۱۳ میں لکھتے ہیں۔

روی الطبرانی عن ابی الدرداء قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثروا الصلوٰت علیّ یوم الجمعۃ فانہ یوم مشھود تشھدہ الملٰئکۃ لیس من عبد یصلی علیّ الا بلغنی صوتہ حیث کان قلنا وبعد وفاتک قال وبعد وفاتی ان اللہ عزوجل حرّم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء۔

فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو۔ دن جمعہ کے کیونکہ جمعہ کا دن مشہود ہے یعنی اس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور کوئی بندہ نہیں جو مجھ پر درود بھیجے مگر مجھے اس کی آواز پہنچتی ہے جہاں بھی وہ ہو۔ ہم نے عرض کی۔ کہ یا رسول اللہ آپ کی وفات کے بعد بھی۔ فرمایا۔ میری وفات کے بعد بھی۔ بیشک اللہ تعالےٰ نے زمین پر حرام کیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسم کو کھائے"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ درود شریف پڑھنے والا جہاں درود پڑھے حضور علیہ السلام کی خدمت میں اس کی آواز پہنچ جاتی ہے۔ وللہ الحمد۔

حدیث نمبر ۱۹

عن ابی ذر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی اریٰ مالا ترون واسمع مالا تسمعون الحدیث۔

(رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ مشکوٰۃ صـ۴۴۹)

ابوذر کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میں دیکھتا ہوں جو

تم نہیں دیکھتے اور سنتا ہوں جو کہ تم نہیں سنتے آخر حدیث تک اس کو احمد ترمذی ابن ماجہ نے روایت کیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کا سننا، ہماری طرح نہ تھا۔ بلکہ آپ وہ سب کچھ دیکھتے ہیں جیسے ہم نہیں دیکھتے اور وہ سنتے ہیں جیسے ہم نہیں سنتے ہم دور کی آواز نہیں سنتے، حضور سنتے ہیں، ہم پردہ میں کوئی چیز نہیں دیکھتے، حضور دیکھتے ہیں، جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی بشریت ہماری بشریت کی طرح نہیں ہے۔ اب جو لوگ حضور علیہ السلام کو اپنے جیسا سمجھ کر حضور علیہ السلام کی سمع و بصر کا انکار کرتے ہیں وہ اس حدیث میں غور کریں۔

حدیث نمبر ۲۰

مواہب لدنیہ جلد اوّل ص۹ اور حجۃ اللہ علی العالمین ص۲۸ میں بحوالہ عبد الرزاق جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ اَخْبِرْنِیْ عَنْ اَوَّلِ شَیْئٍ خَلَقَہُ تَعَالٰی قَبْلَ الْاَشْیَاءِ قَالَ یَا جَابِرُ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْیَاءِ نُوْرَ نَبِیِّکَ مِنْ نُوْرِہٖ فَجَعَلَ ذٰلِکَ النُّوْرَ یَدُوْرُ بِالْقُدْرَۃِ حَیْثُ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَلَمْ یَکُنْ فِیْ ذٰلِکَ الْوَقْتِ لَوْحٌ وَّلَا قَلَمٌ وَّلَا نَارٌ وَّلَا مَلَکٌ وَّلَا سَمَاءٌ وَّلَا اَرْضٌ وَّلَا شَمْسٌ وَّلَا قَمَرٌ وَّلَا جِنٌّ وَّلَا اِنْسٌ (الحدیث)۔

کہا جابر نے میں نے عرض کی یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ اللہ تعالےٰ نے سب چیزوں سے پہلے کس چیز کو پیدا کیا؟ مجھے اس کی خبر دیں۔ آپ نے فرمایا۔ اے جابر۔ اللہ تعالےٰ نے سب چیزوں سے پہلے تیرے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نور اپنے نور سے پیدا کیا۔ پھر وہ نور جہاں اللہ تعالےٰ

نے چاہا۔ قدرت سے پھرتا رہا اور اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم نہ جنت نہ دوزخ نہ فرشتہ تھا۔ نہ آسمان نہ زمین نہ سورج نہ چاند۔ نہ جن نہ انسان۔ آخر حدیث تک۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور پیدا ہوا۔ پھر سارا جہاں۔ اور یہ جو فرمایا ہے اپنے نور سے، یہ اضافت تشریفی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالےٰ نے معاذ اللہ اپنے ایک ٹکڑا کاٹ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بنایا۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ قدیم ہے، اس کا نور بھی قدیم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حادث ہیں آپ کا نور بھی حادث ہے۔

حدیث نمبر ۲۱

مشکوٰۃ شریف صہ۷۲ میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز میں دیر کی یہاں تک کہ قریب تھے ہم کہ سورج نکل آیا۔ تو آپ جلدی نکلے اور آپ نے نماز میں تخفیف کی نماز کے بعد آپ نے سب کو فرمایا کہ اپنی صفوں پر بیٹھے رہو۔ پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔

اَمَا اِنِّیْ سَاُحَدِّثُکُمْ مَاحَبَسَنِیْ عَنْکُمُ الْغَدَاۃَ اِنِّیْ قُمْتُ مِنَ اللَّیْلِ فَتَوَضَّأْتُ وَصَلَّیْتُ مَا قُدِّرَ لِیْ فَنَعَسْتُ فِیْ صَلٰوتِیْ حَتّٰی اسْتَثْقَلْتُ فَاِذَا اَنَا بِرَبِّیْ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی فِیْ اَحْسَنِ صُوْرَۃٍ فَقَالَ یَا مُحَمَّدُ قُلْتُ لَبَّیْکَ رَبِّ قَالَ فِیْمَا یَخْتَصِمُ الْمَلَاُ الْاَعْلٰی قُلْتُ لَا اَدْرِیْ قَالَهَا ثَلٰثًا قَالَ فَرَاَیْتُهٗ وَضَعَ کَفَّهٗ بَیْنَ کَتِفَیَّ حَتّٰی وَجَدْتُ بَرْدَ اَنَامِلِهٖ بَیْنَ ثَدْیَیَّ فَتَجَلّٰی لِیْ کُلُّ شَیْءٍ وَ عَرَفْتُ اور ایک روایت میں آیا ہے۔ فَعَلِمْتُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَقَالَ یَا مُحَمَّدُ قُلْتُ لَبَّیْکَ رَبِّ قَالَ فِیْمَ یَخْتَصِمُ

اَلْمَلَاُ الْاَعْلٰی قُلْتُ فِی الْکَفَّارَاتِ الحدیث۔)

کہ تم کو صبح کی نماز میں دیری کی وجہ بیان کرتا ہوں۔ میں نے رات کو قیام کیا۔ وضو کر کے جو مقدر تھا۔ نماز پڑھی پھر مجھے نماز میں اونگھ آگئی۔ یہاں تک کہ میں بوجھل ہوگیا ناگاہ مجھے پروردگار جل شانہٗ بہت اچھی صورت (بلا کیف) میں نظر آئے اور فرمایا اے محمدؐ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے عرض کی حاضر ہوں۔ اے میرے رب۔ فرمایا جماعت اعلیٰ کس امر میں جھگڑتی ہے۔ میں نے عرض کی کہ میں نہیں جانتا۔ اللہ تعالیٰ نے تین بار اسی طرح فرمایا۔ پھر حق سبحانہٗ تعالیٰ نے اپنا (بلا کیف) ہاتھ میرے کندھوں کے درمیان رکھا۔ یہاں تک کہ میں نے اپنے سینے میں اس مبارک ہاتھ کی ٹھنڈک محسوس کی۔ پھر میرے لیے ہر چیز ظاہر ہوگئی اور میں نے پہچان لیا (ایک روایت میں ہے کہ جو کچھ زمینوں آسمانوں میں تھا۔ میں نے معلوم کر لیا) پھر فرمایا۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے عرض کی کہ حاضر ہوں یارب، فرمایا کس چیز میں جھگڑتی ہے جماعت اعلیٰ۔ میں نے عرض کی کہ کفارات میں" آخر حدیث تک۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر چیز کا علم عطا ہوا۔ وللہ الحمد!

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ اشعۃ اللمعات میں اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔

"پس دانستم ہرچہ در آسمانہا و ہرچہ در زمین بود عبارتست از حصول تمامہ علوم جزوی و کلی و احاطہ آں"

پس جان لیا میں نے جو کچھ کہ آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔ عبارت ہے، تمام علوم جزوی و کلی کو حاصل کرنے اور اس کے احاطہ سے۔

حدیث نمبر ۲۲

مواہب صـ۱۹۲ میں بحوالہ طبرانی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت

ہے۔ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

اِنَّ اللّٰہَ تعالیٰ قَدْ رَفَعَ لِیَ الدُّنْیَا فَاَنَا اَنْظُرُ اِلَیْھَا وَ اِلٰی مَا ھُوَ کَائِنٌ فِیْھَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ کَاَنَّمَا اَنْظُرُ اِلٰی کَفِّیْ ھٰذِہٖ۔

یعنی اللہ تعالےٰ نے میرے لیے دنیا کو ظاہر فرمایا۔ پس میں دنیا کی طرف اور جو کچھ اس میں ہونے والا ہے۔ قیامت تک اس طرح دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کی طرف۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی کائنات کے ذرہ ذرہ پر نظر ہے۔

حدیث نمبر ۲۳

زرقانی شرح مؤطا کے صنہ میں بحوالہ بزار روایت ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

حَیَاتِیْ خَیْرٌ لَّکُمْ وَمَمَاتِیْ خَیْرٌ لَّکُمْ تُعْرَضُ عَلَیَّ اَعْمَالُکُمْ فَمَا کَانَ مِنْ حَسَنٍ حَمِدْتُ اللّٰہَ عَلَیْہِ وَمَا کَانَ مِنْ سَیِّئٍ اِسْتَغْفَرْتُ اللّٰہَ لَکُمْ (رواہ البزار باسناد جیّد)

کہ میری زندگی تمہارے لیے بہتر ہے اور میری وفات بھی تمہارے لیے بہتر ہے، تمہارے اعمال میرے اوپر پیش کیے جاتے ہیں۔ پس جو اچھے ہوتے ہیں میں اللہ کی حمد کرتا ہوں اور جو برے ہوتے ہیں تو تمہارے لیے استغفار کرتا ہوں۔"

علامہ نبہانی نے حجۃ اللہ علی العالمین ص۱۳ے میں اس حدیث میں زیادہ کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔ یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان یہ کیسے ہے تو آپ نے فرمایا میری زندگی تمہارے لیے اس لیے بہتر ہے

کہ مجھ پر وحی آتی ہے تو میں تمہیں حلال حرام کی خبر دیتا ہوں اور میری موت اسلیے بہتر ہے کہ ہر جمعرات کو تمہارے اعمال میرے اوپر پیش کیے جاتے ہیں پس جو اچھے ہوتے ہیں میں اللہ کی حمد کرتا ہوں اور جو بُرے ہوتے ہیں میں اللہ سے بخشش مانگتا ہوں۔"

معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام اس وقت بھی ہمارے حال سے بے خبر نہیں ہمارے اچھے کام دیکھ کر آپ خوش ہوتے ہیں اور بُرے دیکھ کر ہمارے لیے بخشش مانگتے ہیں۔ اس حدیث کو بزار نے سند جید کے ساتھ روایت کیا۔

حدیث نمبر ۲۴

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ لَیْلَةٍ اُضْحِیَانٍ فَجَعَلْتُ اَنْظُرُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَیْهِ حُلَّةٌ حَمْرَاءُ فَاِذَا هُوَ اَحْسَنُ عِنْدِیْ مِنَ الْقَمَرِ۔

(رواہ الترمذی والدارمی مشکوٰۃ ص ۵۱۰)

جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چاندنی رات میں دیکھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سُرخ رنگ کا حُلّہ تھا ناگاہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے نزدیک چاند سے بہت خوبصورت تھے۔ اِس کو ترمذی و دارمی نے روایت کیا۔

حدیث نمبر ۲۵

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَفِیْ یَدَیْهِ کِتَابَانِ فَقَالَ اَتَدْرُوْنَ مَا هٰذَانِ الْکِتَابَانِ

قُلْنَا لَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِلَّا اَنْ تُخْبِرَنَا فَقَالَ لِلَّذِیْ فِیْ یَدِہِ الْیُمْنٰی ھٰذَا کِتَابٌ مِنْ رَّبِّ الْعَالَمِیْنَ فِیْہِ اَسْمَاءُ اَھْلِ الْجَنَّۃِ وَاَسْمَاءُ اٰبَاءِھِمْ وَقَبَائِلِھِمْ ثُمَّ اُجْمِلَ عَلٰی اٰخِرِھِمْ فَلَا یُزَادُ فِیْھِمْ وَلَا یُنْقَصُ مِنْھُمْ اَبَدًا ثُمَّ قَالَ لِلَّذِیْ فِیْ شِمَالِہٖ ھٰذَا کِتَابٌ مِنْ رَّبِّ الْعَالَمِیْنَ فِیْہِ اَسْمَاءُ اَھْلِ النَّارِ وَاَسْمَاءُ اٰبَاءِھِمْ وَقَبَائِلِھِمْ ثُمَّ اُجْمِلَ عَلٰی اٰخِرِھِمْ فَلَا یُزَادُ فِیْھِمْ وَلَا یُنْقَصُ مِنْھُمْ اَبَدًا الحدیث۔ (ترمذی) (مشکوٰۃ صـ۱۳)

عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نکلے اور آپ کے ہاتھوں میں دو کتابیں تھیں، آپ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو۔ یہ دو کتابیں کیا ہیں؟ ہم نے عرض کی۔ یارسول اللہ! ہم نہیں جانتے بجز اس کے کہ آپ ہمیں خبر دیں۔ تو آپ نے اس کتاب کے متعلق فرمایا، جو آپ کے داہنے ہاتھ میں تھی، کہ یہ کتاب ہے رب العالمین کی طرف سے اس میں اہل جنت کے اور ان کے باپوں کے نام اور ان کے قبائل کے نام مذکور ہیں۔ پھر اس کے آخیر میں کل جمع کی میزان لکھی گئی۔ اس میں سے نہ کم ہوگا۔ نہ زیادہ کیا جائے گا۔ پھر فرمایا بائیں ہاتھ والی کتاب کو یہ کتاب ہے رب العالمین کی طرف سے اس میں دوزخیوں کے نام اور اُنکے باپوں کے نام اور قبیلوں کے نام درج ہیں۔ پھر آخیر میں کل جمع ہے، اس میں نہ زیادہ ہوگا نہ کم، آخر حدیث تک اس کو ترمذی نے روایت کیا۔ (مشکوٰۃ صـ۱۳)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر ایک جنتی اور دوزخی کا علم دیا گیا تھا، حضور علیہ السلام ہر ایک جنتی اور دوزخی کو اور اس کے باپ اور قبیلہ کو جانتے ہیں۔ یہ دونوں کتابیں اسی لیے آپ کو دی گئیں کہ جنتی اور دوزخی کا علم ہو جائے۔

لطیفہ

کوٹلی لوہاراں میں ایک منکرِ علم غیب نے حضور علیہ السّلام کے علم کے متعلق مجھ سے سوال کیا۔ کہ کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا علم بھی ہے کہ کوٹلی میں ایک فلاں نام کا آدمی ہوگا۔ میں نے کہا ہاں حضور علیہ السّلام کو نہ صرف تیرا بلکہ تیرے باپ اور تیرے قبیلہ کا بھی علم ہے۔ اس نے کہا کہ کس حدیث میں یہ پتہ درج ہے۔ میں نے مشکوٰۃ سے یہی حدیث دکھائی اور کہا کہ دونوں کتابیں جو حضور علیہ السّلام کے پاس تھیں۔ ان میں سے اگر داہنے ہاتھ والی میں تمہارا نام نہ ہوا تو بائیں ہاتھ والی میں ضرور ہوگا۔ وہ دونو کتابیں لاؤ۔ میں نکال دوں گا۔ تو وہ مبہوت ہو کر رہ گیا۔

ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ نے فتح الباری صـــ۱۸۷ جلد ۱۳ میں اس حدیث کی سند کو حسن فرمایا اور لکھا کہ یہ دونو کتابیں صحابہ کو نظر آتی تھیں۔ واللہ اعلم۔

حدیث نمبر ۲۶

عَنْ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ جِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ قَلَّبْتُ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا فَلَمْ اَجِدْ رَجُلًا اَفْضَلَ مِنْ مُحَمَّدٍ وَلَمْ اَرَ بَنِيْ اَبٍ اَفْضَلَ مِنْ بَنِيْ هَاشِمٍ قَالَ الحافظ ابن حجر لوائح الصحة ظاهرة اخرجه ابونعيم والطبراني۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جبرئیل علیہ السّلام سے روایت کرتے ہیں۔ کہا جبرئیل نے میں مشرق مغرب پھرا کسی شخص کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل نہیں پایا۔ اور کوئی قبیلہ بنی ہاشم سے افضل نہیں دیکھا۔ اس کو ابو نعیم و طبرانی نے

روایت کیا۔ ابن حجر فرماتے ہیں۔ کہ اس حدیث کے صحت کے آثار ظاہر ہیں۔
(حجۃ اللہ علی العالمین للنبہانی ص۲۹)

حدیث نمبر ۲۷

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حَبَسَ نَاسٌ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَجَ حَتّٰى دَنَا مِنْهُمْ سَمِعَهُمْ يَتَذَاكَرُوْنَ
قَالَ بَعْضُهُمْ اِنَّ اللّٰهَ اِتَّخَذَ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا وَقَالَ آخَرُ
مُوْسٰى كَلَّمَهُ تَكْلِيْمًا وَقَالَ آخَرُ فَعِيْسٰى كَلِمَةُ اللّٰهِ وَرُوْحُهُ
وَقَالَ آخَرُ آدَمُ اصْطَفَاهُ اللّٰهُ فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ قَدْ سَمِعْتُ كَلَامَكُمْ وَعَجَبَكُمْ
اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلُ اللّٰهِ وَهُوَ كَذٰلِكَ وَمُوْسٰى نَجِيُّ اللّٰهِ وَ
هُوَ كَذٰلِكَ وَعِيْسٰى رُوْحُهُ وَكَلِمَتُهُ وَهُوَ كَذٰلِكَ وَآدَمُ
اِصْطَفَاهُ اللّٰهُ وَهُوَ كَذٰلِكَ اَلَا وَاَنَا حَبِيْبُ اللّٰهِ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا
حَامِلُ لِوَاءِ الْحَمْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَحْتَهُ آدَمُ فَمَنْ دُوْنَهُ
وَلَا فَخْرَ وَاَنَا اَوَّلُ شَافِعٍ وَاَوَّلُ مُشَفَّعٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ وَ
اَنَا اَوَّلُ مَنْ يُحَرِّكُ حِلَقَ الْجَنَّةِ فَيَفْتَحُ اللّٰهُ لِيْ فَيُدْخِلُنِيْهَا
وَمَعِيَ فُقَرَاءُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا اَكْرَمُ الْاَوَّلِيْنَ وَالْآخِرِيْنَ
عَلَى اللّٰهِ وَلَا فَخْرَ۔ (رواہ الترمذی والدارمی)

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ
کرام بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نکلے۔ ان کے قریب
سُنا جو کہ مذاکرہ کر رہے تھے، بعض کہتے تھے۔ کہ اللہ تعا
کو خلیل بنایا۔ دوسرا کہتا تھا کہ اللہ تعالےٰ

ایک کہتا تھا۔ کہ عیسیٰ علیہ السّلام اللہ کے کلمہ اور روح ہیں، دوسرے نے کہا۔ آدم علیہ السّلام کو اللہ تعالےٰ نے چن لیا۔ حضور علیہ السّلام ان پر داخل ہوئے اور فرمایا کہ میں نے تمہارے کلام کو سُنا ہے۔ اور تمہارے تعجب کو بھی۔ بے شک ابراہیم علیہ السّلام اللہ کے خلیل ہیں اور موسیٰ نجی اللہ ہیں اور عیسیٰ اللہ کا کلمہ اور روح ہیں اور آدم کو اللہ تعالےٰ نے چن لیا۔ آگاہ ہو جاؤ کہ میں اللہ تعالےٰ کا حبیب ہوں اور کوئی فخر نہیں میں لواء الحمد کو قیامت کے دن اٹھانے والا ہوں اور آدم اور ماسوا اس کے سب میرے جھنڈے کے ماتحت ہوں گے اور اس میں کوئی فخر نہیں میں سب سے پہلے جنت کے دروازہ کو کھٹکھٹاؤں گا۔ تو اللہ تعالےٰ میرے لیے کھول دے گا اور مجھے سب سے پہلے جنت میں داخل کرے گا اور میرے ساتھ فقرا مومنین ہوں گے اور کوئی فخر نہیں (واقعی بات ہے) اور میں سب اولین و آخرین سے اکرم ہوں اور کوئی فخر نہیں" اس کو ترمذی و دارمی نے روایت کیا۔

حدیث نمبر ۲۸

رویٰ ابو داؤد عَنْ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنِّیْ سَاَلْتُ رَبِّیْ وَشَفَعْتُ لِاُمَّتِیْ فَاَعْطَانِیْ ثُلُثَ اُمَّتِیْ فَخَرَرْتُ سَاجِدًا شُکْرًا لِرَبِّیْ ثُمَّ رَفَعْتُ رَأْسِیْ فَسَاَلْتُ رَبِّیْ لِاُمَّتِیْ فَاَعْطَانِیْ ثُلُثَ اُمَّتِیْ فَخَرَرْتُ سَاجِدًا لِرَبِّیْ شُکْرًا ثُمَّ رَفَعْتُ رَأْسِیْ فَسَاَلْتُ رَبِّیْ لِاُمَّتِیْ فَاَعْطَانِیْ الثُّلُثَ الْاٰخِرَ فَخَرَرْتُ سَاجِدًا لِرَبِّیْ۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے سوال کیا اور اپنی اُمت کی سفارش کی تو اللہ تعالےٰ نے مجھے تیسرا حصہ اُمت کا دیا یعنی

تیسرا حصہ بخش دینے کا فرمایا۔ تو میں اپنے رب کے شکریہ میں سجدہ میں گرا پھر سر اٹھا کر امت کے لیے دعا کی۔ تو اللہ تعالےٰ نے تیسرا حصہ امت کا اور منظور فرمایا پھر میں سجدے میں گرا اور شکریہ ادا کیا۔ پھر سر اٹھایا اور پھر امت کے لیے دعا مانگی تو اللہ تعالےٰ نے اور تیسرا حصہ بھی منظور فرمایا۔ پھر میں اللہ کے لیے سجدہ میں گرا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی ساری امت انشاء اللہ بخشی جائے گی۔ اللّٰھم اجعلنا منھم آمین۔

(حجۃ اللہ علی العالمین ص۲۳)

حدیث نمبر ۲۹

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اِنَّ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اُتِیْتُ بِدَابَّۃٍ فَوْقَ الْحِمَارِ دُوْنَ الْبَغْلِ خَطْوُھَا عِنْدَ مُنْتَھٰی طَرْفِھَا فَرَکِبْتُ وَمَعِیَ جِبْرِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَامَ فَسِرْتُ فَقَالَ اَنْزِلْ فَصَلِّ فَفَعَلْتُ فَقَالَ اَتَدْرِیْ اَیْنَ صَلَّیْتَ بِطِیْبَۃَ وَاِلَیْھَا الْمُھَاجِرُ ثُمَّ قَالَ اَنْزِلْ فَصَلِّ فَفَعَلْتُ فَقَالَ اَتَدْرِیْ اَیْنَ صَلَّیْتَ صَلَّیْتَ بِطُوْرِ سَیْنَاءَ حَیْثُ کَلَّمَ اللہُ مُوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ ثُمَّ قَالَ اَنْزِلْ فَصَلِّ فَصَلَّیْتُ فَقَالَ اَتَدْرِیْ اَیْنَ صَلَّیْتَ صَلَّیْتَ بِبَیْتِ لَحْمٍ حَیْثُ وُلِدَ عِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ ثُمَّ دَخَلْتُ اِلٰی بَیْتِ الْمُقَدَّسِ فَجُمِعَ لِیَ الْاَنْبِیَاءُ عَلَیْھِمُ السَّلَامُ فَقَدَّمَنِیْ جِبْرِیْلُ حَتّٰی اَمَمْتُھُمْ ثُمَّ صَعِدَ بِیْ اِلَی السَّمَاءِ الدُّنْیَا فَاِذَا فِیْھَا اٰدَمُ عَلَیْہِ السَّلَامُ ثُمَّ صَعِدَ بِیْ اِلَی السَّمَاءِ الثَّانِیَۃِ فَاِذَا فِیْھَا اِبْنَا الْخَالَۃِ عِیْسٰی وَیَحْیٰی عَلَیْھِمَا السَّلَامُ ثُمَّ صَعِدَ بِیْ اِلَی السَّمَاءِ الثَّالِثَۃِ فَاِذَا

فِيْهَا يُوْسُفُ عَلَيْهِ السَّلَام ثُمَّ صَعِدَ بِيْ إِلَى السَّمَاءِ الرَّابِعَةِ
فَإِذَا فِيْهَا هَارُوْنُ عَلَيْهِ السَّلَام ثُمَّ صَعِدَ بِيْ إِلَى السَّمَاءِ الْخَامِسَةِ
فَإِذَا فِيْهَا اِدْرِيْسُ عَلَيْهِ السَّلَام ثُمَّ صَعِدَ بِيْ إِلَى السَّمَاءِ السَّادِسَةِ
فَإِذَا فِيْهَا مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَام ثُمَّ صَعِدَ بِيْ إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ
فَإِذَا فِيْهَا اِبْرَاهِيْمُ عَلَيْهِ السَّلَام ثُمَّ صَعِدَ بِيْ إِلٰى فَوْقِ سَبْعِ
سَمٰوٰتٍ فَأَتَيْنَا سِدْرَةَ الْمُنْتَهٰى فَغَشِيَتْنِيْ ضَبَابَةٌ فَخَرَرْتُ
سَاجِدًا فَقِيْلَ لِيْ إِنِّيْ يَوْمَ خَلَقْتُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ
فَرَضْتُ عَلَيْكَ وَعَلٰى اُمَّتِكَ خَمْسِيْنَ صَلَاةً فَقُمْ بِهَا اَنْتَ
وَاُمَّتُكَ فَرَجَعْتُ اِلٰى اِبْرَاهِيْمَ فَلَمْ يَسْئَلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ ثُمَّ
اَتَيْتُ عَلٰى مُوْسٰى فَقَالَ كَمْ فَرَضَ عَلَيْكَ وَعَلٰى اُمَّتِكَ قُلْتُ
خَمْسِيْنَ صَلَاةً قَالَ فَاِنَّكَ لَا تَسْتَطِيْعُ اَنْ تَقُوْمَ بِهَا اَنْتَ
وَلَا اُمَّتُكَ فَارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ التَّخْفِيْفَ فَرَجَعْتُ
اِلٰى رَبِّيْ فَخَفَّفَ عَنِّيْ عَشْرًا ثُمَّ اَتَيْتُ اِلٰى مُوْسٰى فَاَمَرَنِيْ
بِالرُّجُوْعِ فَرَجَعْتُ فَخَفَّفَ عَنِّيْ عَشْرًا ثُمَّ اَتَيْتُ مُوْسٰى
فَاَمَرَنِيْ بِالرُّجُوْعِ فَرَجَعْتُ فَخَفَّفَ عَنِّيْ عَشْرًا ثُمَّ رُدَّتْ
اِلٰى خَمْسِ صَلَوَاتٍ قَالَ فَارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ
التَّخْفِيْفَ فَاِنَّهُ فَرَضَ عَلٰى بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ صَلٰوتَيْنِ فَمَا
قَامُوْا بِهِمَا فَرَجَعْتُ اِلٰى رَبِّيْ عَزَّ وَجَلَّ فَسَاَلْتُهُ التَّخْفِيْفَ
فَقَالَ اِنِّيْ يَوْمَ خَلَقْتُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فَرَضْتُ عَلَيْكَ
وَعَلٰى اُمَّتِكَ خَمْسِيْنَ صَلٰوةً فَخَمْسٌ بِخَمْسِيْنَ فَقُمْ بِهَا
اَنْتَ وَاُمَّتُكَ فَعَرَفْتُ اَنَّهَا مِنَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ صِرًّى
فَرَجَعْتُ اِلٰى مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَام فَقَالَ ارْجِعْ فَعَرَفْتُ
اَنَّهَا عَزَّ وَجَلَّ صِرًّى يَقُوْلُ حَتْمٌ فَلَمْ اَرْجِعْ ـ

(رواہ النسائی ورواہ البخاری ومسلم مطولاً)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس ایک چوپایہ لایا گیا جو گدھے سے بڑا اور خچر سے کم تھا۔ اس کا قدم نظر کے منتہیٰ تک تھا۔ میں اس پر سوار ہو گیا۔ میرے ساتھ جبرئیل علیہ السلام تھے چلتے ہوئے ایک جگہ پر جبریل علیہ السلام نے کہا کہ اترو۔ نماز پڑھو۔ میں اترا اور نماز پڑھی۔ جبریل نے کہا۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ آپ نے کہاں نماز پڑھی۔ آپ نے طیبہ (مدینہ) میں نماز پڑھی۔ جہاں آپ کی ہجرت ہے۔ پھر چلے اور کہا اترو۔ نماز پڑھو۔ میں اترا اور نماز پڑھی۔ کہا آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے کہاں نماز پڑھی آپ نے طور سینا پر نماز پڑھی۔ جہاں موسیٰ علیہ السلام نے خدا کے ساتھ کلام کی ہے۔ پھر چلے اور کہا اترو نماز پڑھو۔ میں اترا نماز پڑھی۔ کہا کیا آپ جانتے ہیں آپ نے کہاں نماز پڑھی۔ آپ نے بیت لحم میں نماز پڑھی۔ جہاں عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے پھر میں بیت المقدس میں داخل ہوا۔ تو سب انبیا علیہم السلام میرے لیے جمع ہوئے۔ جبریل نے مجھے آگے کیا۔ میں نے ان سب کو نماز پڑھائی۔ پھر مجھے پہلے آسمان پر لے گیا۔ وہاں آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ پھر دوسرے پر عیسیٰ علیہ السلام و یحییٰ علیہما السلام سے ملاقات ہوئی۔ پھر تیسرے آسمان پر یوسف علیہ السلام اور چوتھے پر ہارون علیہ السلام اور پانچویں پر ادریس علیہ السلام، چھٹے پر موسیٰ علیہ السلام اور ساتویں پر ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ پھر جبریل مجھے ساتوں آسمانوں کے اوپر لے گئے۔ تو ہم سدرۃ المنتہیٰ میں پہنچے۔ پھر مجھے بادل نے ڈھانپ لیا پھر میں سجدہ میں گرا۔ تو مجھے کہا گیا کہ میں نے جب سے آسمان اور زمین پیدا کیے ہیں۔ تیرے اور تیری امت پر پچاس نمازیں فرض کی ہیں پس تو اور تیری امت اسے ادا کیا کرو۔ پھر میں ابراہیم علیہ السلام کے پاس واپس آیا۔ انہوں نے مجھ سے کچھ نہ پوچھا۔ پھر میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس آیا تو انہوں نے کہا کہ تجھ پر اور تیری امت پر کیا فرض ہوا۔ میں نے کہا پچاس نمازیں۔ انہوں

نے کہا کہ تو اسے ادا نہیں کر سکے گا اور نہ تیری اُمت ادا کر سکے گی۔ تو پھر اپنے رب کے پاس جا اور جا کر تخفیف کا سوال کر تو میں واپس اپنے رب کے پاس آیا۔ تو اللہ تعالےٰ نے دس نمازیں کم کر دیں۔ پھر میں نے آکر موسیٰ علیہ السلام سے ذکر کیا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ پھر جا اور کمی کا سوال کر۔ میں پھر گیا۔ تو اللہ نے دس اور کم کر دیں پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا۔ تو انہوں نے پھر کہا کہ پھر جا۔ میں پھر گیا پھر خدا نے دس اور تخفیف کیں۔ پھر بار بار جانے سے پانچ نمازیں رہ گئیں۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ پھر اپنے رب کے پاس جاؤ اور کمی کا سوال کرو۔ کیونکہ بنی اسرائیل پر صرف دو نمازیں فرض کی گئی تھیں۔ وہ دو بھی نہیں پڑھ سکے۔ پھر میں گیا اور تخفیف کا سوال کیا۔ تو اللہ نے فرمایا۔ میں نے جب سے آسمان و زمین پیدا کیے۔ تجھ پر اور تیری اُمت پر پچاس نمازیں فرض کی تھیں۔ پس اب پانچ نمازیں بجائے پچاس کے ہیں۔ یعنی ثواب پچاس ہی کا ملے گا۔ پس آپ اور آپ کی اُمت پانچ نمازیں قائم کرو۔ تو میں نے معلوم کر لیا کہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے یہی حکم عزیمت ہے۔ یعنی حتمی ہے۔ پھر میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا۔ انہوں نے پھر کہا کہ جاؤ اور تخفیف کراؤ۔ تو میں نے معلوم کر لیا۔ کہ یہ حکم اللہ کی طرف سے لازمی ہے۔ پھر میں نہ گیا۔ اس حدیث کو نسائی نے روایت کیا۔ بخاری و مسلم نے اس روایت کو مطول روایت کیا ہے۔

اس حدیث سے چند امور مستفاد ہوئے۔

(۱) یہ کہ حضور علیہ السلام کو معراج اسی جسم شریف کے ساتھ ہوا۔ کیونکہ براق پر سوار ہونا روح کا کام نہیں۔ یہ روح مع الجسم کا کام ہے۔

(۲) یہ کہ کسی متبرک مقام کی زیارت کے موقع پر اس مقام میں دو رکعت نفل پڑھنا جائز بلکہ مسنون ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طور سینا مدینہ طیبہ بیت اللحم اور بیت المقدس میں نفل پڑھے۔

(۳) یہ کہ حضور علیہ السلام امام الانبیاء ہوئے اور ظاہر ہے کہ امام مقتدیوں سے

افضل واعلم ہوتا ہے۔ اگر انبیاء علیہم السلام میں سے کوئی نبی یا رسول ہمارے
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہوتا تو وہی امام ہوتا چونکہ جبریل علیہ
السلام نے حضور علیہ السلام کو آگے کیا۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ہی سب
انبیاء سے افضل ہیں۔

(۴) یہ کہ انبیاء علیہم السلام سیر کرتے ہیں۔ چلتے پھرتے ہیں، ایک جگہ محبوس نہیں
ہیں۔ بیت المقدس میں پہلے حاضر ہوئے اور حضور علیہ السلام کے پیچھے نماز
پڑھی پھر آپ آسمانوں پر تشریف لے گئے تو وہاں ملے، کوئی پہلے آسمان پر
کوئی دوسرے پر کوئی تیسرے پر۔

(۵) یہ کہ ان کی سیر نہایت سریع ہے۔ بیت المقدس میں نماز پڑھی پھر حضور علیہ
السلام کے تشریف لے جانے سے پہلے آسمان پر پہنچ گئے۔

(۶) یہ کہ حضور علیہ السلام سب انبیاء سے اعلم ہیں۔ مخلوقات میں سے کوئی چیز
حضور علیہ السلام کے علم سے باہر نہیں۔ اعلم تو اس لیے کہ وہی امام ہوئے۔
اور امامت کا حق اعلم و اقرا کا ہے، جب یہ ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام کا علم
سب انبیاء سے زیادہ تھا۔ تو اب آدم علیہ السلام کا علم بھی ملاحظہ ہو۔ اللہ فرماتا
ہے۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تمام
اسماء کا علم عطا کیا۔ اسماء جمع ہے، پھر اس پر الف لام استغراق کا پھر کُلَّھا
اس کی تاکید ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ کوئی چیز جس کا کچھ نام ہے۔ آدم علیہ
السلام کے علم سے باہر نہیں ہے اور یہ نہیں کہ صرف نام سکھائے اور مسمیات
کا علم عطا نہیں کیا۔ کیونکہ جب ان اشیاء کو فرشتوں کے سامنے پیش
کیا گیا۔ تو انہوں نے اپنی لاعلمی بیان کی اور آدم علیہ السلام نے سب اشیاء
کے نام بتا دیئے۔ جس سے معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام کو تمام مسمیات کا
بھی علم تھا تو حضور علیہ السلام جن کو آدم علیہ السلام سے بھی زیادہ علم تھا ان سے کوئی چیز کیسے
پوشیدہ رہ سکتی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو علم آیت اُنَبِّئُكُمْ بِمَا

تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ سے ظاہر ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو ذخیرہ گھروں میں رکھتے ہو۔ میں تم کو اس کی خبر دیتا ہوں۔ یہ تو عیسیٰ علیہ السّلام کا علم ہے لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو ان سے اعلم ہیں اُن کے علم کا کیا کہنا۔

(۷) حضرت موسیٰ علیہ السّلام جو کہ حضور علیہ السّلام سے پہلے دنیا میں تشریف لائے اور وقت مقررۃ تک رہ کر ہم سے پوشیدہ ہو گئے۔ انہوں نے سب مسلمانوں کو یہ فائدہ پہنچایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بار بار اللہ تعالیٰ کے پاس بھیج کر پچاس نمازوں سے پانچ کرائیں۔ جس سے معلوم ہوا۔ کہ دنیا سے رحلت فرما جانے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کے مقبولین نفع پہنچا سکتے ہیں۔

حدیث نمبر ۳۰

حدیث شفاعت ہے کہ سب لوگ آدم علیہ السّلام کی خدمت میں بغرض شفاعت جائیں گے۔ وہ نوح علیہ السّلام کی طرف بھیجیں گے۔ وہ ابراہیم علیہ السّلام کی خدمت میں بھیجیں گے۔ وہ موسیٰ علیہ السّلام کی خدمت میں بھیجیں گے۔ موسیٰ علیہ السّلام فرمائیں گے کہ عیسیٰ علیہ السّلام کے پاس جاؤ۔ عیسیٰ علیہ السّلام کی خدمت میں آئیں گے تو حضور فرمائیں گے۔ اَنَا لَهَا میں شفاعت کے لیے ہوں۔ یعنی یہ کام میں کروں گا۔ حضور فرماتے ہیں۔

اَسْتَاذِنُ عَلٰی رَبِّیْ فَیُؤْذَنُ لِیْ وَیُلْهِمُنِیْ مَحَامِدَ اَحْمَدُهٗ بِهَا لَا تَحْضُرُنِی الْاٰنَ فَاَحْمَدُهٗ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ وَاَخِرُّ لَهٗ سَاجِدًا فَیُقَالُ یَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَاْسَكَ وَقُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَاَقُوْلُ یَا رَبِّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ فَیُقَالُ اِنْطَلِقْ فَاَخْرِجْ مَنْ كَانَ فِیْ

قَلْبِہٖ مِثْقَالَ شَعِيْرَةٍ مِنْ اِيْمَانٍ۔

(الحدیث متفق علیہ)

میں اپنے پروردگار سے اجازت مانگوں گا۔ پس مجھے اجازت دی جائے گی۔ اور مجھے اللہ تعالیٰ کے محامد (یعنی تعریفیں ایسے الہام ہوں گے جو آج مجھے مستحضر نہیں تو میں اُن محامد سے اللہ کی تعریف کروں گا اور میں سجدہ کروں گا تو اللہ تعالےٰ فرمائے گا۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر مبارک اٹھاؤ اور فرماؤ جو فرماؤ گے سُنا جائے گا۔ اور مانگو جو مانگو گے دیا جائے گا اور سفارش کرو تمہاری سفارش قبول کی جائے گی تو میں کہوں گا یا اللہ میری امت، میری امت۔ حکم ہو گا جاؤ۔ جس کے دل میں برابر جَو کے بھی ایمان ہے اسے نکال لو۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیامت کے روز سب لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے خواہاں ہوں گے اور حضور علیہ السّلام کی شفاعت سے جنت میں جائیں گے۔ جس سے ثابت ہوا کہ حضور علیہ السّلام کے وسیلہ کی بڑی ضرورت ہے۔ جو لوگ وسیلہ کے منکر ہیں انہیں چاہیے کہ اس روز بھی سیدھے خدا کی طرف جائیں۔ انبیاء علیہم السّلام کے دروازوں پر امداد و شفاعت کے لیے کیوں جائیں گے پس جب قیامت میں حضور کی خدمت میں جانا ہے تو آج ہی حضور علیہ السّلام کی امداد کے طالب رہیں ایسا نہ ہو کہ قیامت میں حضور فرمائیں۔ کہ تو میری امداد کا منکر تھا۔ پھر آج کیسے آگیا۔ ولنعم ما قیل۔

آج لے اُنکی پناہ آج مدد مانگ اُن سے ❊ کل نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

حدیث نمبر ۱۱۱

معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے:-

مَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَیْرًا یُّفَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ یُعْطِیْ ۔ (متفق علیہ)

کہ جس شخص کے حق میں اللہ تعالےٰ بہتری کا ارادہ کرتا ہے۔ اسے دین میں سمجھ دے دیتا ہے یعنی اسے شریعت وطریقت وحقیقت کا عالم بنا دیتا ہے اور سوائے اس کے نہیں میں تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ تعالےٰ دینے والا" اس کو بخاری ومسلم نے روایت کیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالےٰ ہر چیز دینے والا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تقسیم کرنے والے ہیں پس جو کچھ کسی کو اللہ تعالےٰ دیتا ہے وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم سے ملتا ہے۔ یہاں معطی کا مفعول مذکور نہیں جس سے معلوم ہوا کہ وہ ہر چیز جس کا دینے والا خدا ہے۔ اس کے تقسیم کرنے والے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ سبحان اللہ! کیا شان ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ مبارک ہیں وہ لوگ جنہوں نے حدیث کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قاسم مانا اور افسوس ہے ان لوگوں پر جنہوں نے آپ کو نہ پہچانا۔

حدیث نمبر ۳۲

عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ یَقُوْلُ قَامَ فِیْنَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَقَامًا فَاَخْبَرَنَا عَنْ بَدْءِ الْخَلْقِ حَتّٰی دَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ مَنَازِلَهُمْ وَاَهْلُ النَّارِ مَنَازِلَهُمْ حَفِظَ ذٰلِكَ مَنْ حَفِظَهٗ وَنَسِیَهٗ مَنْ نَسِیَهٗ ۔ (بخاری)

بخاری شریف میں طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہا انہوں نے میں نے سنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کہ فرماتے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان کھڑے ہوئے تو ابتدا خلقت سے بیان

فرماتے ہوئے یہاں تک بیان فرمایا کہ جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں اپنی اپنی جگہ پر پہنچے ہم میں سے جس نے یاد رکھا اس نے یاد رکھا جو بھول گیا وہ بھول گیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے، ابتداء آفرینش سے آخیر جنت و دوزخ کے دخول تک تمام حالات بیان فرمادیئے، کسی کو یاد رہے کسی کو بھول گئے۔ جس سے معلوم ہوا۔ کہ حضور علیہ السلام کو ابتداء آفرینش سے آخر دخول جنت و دوزخ تک سارے حالات معلوم تھے۔

ابن حجر فتح الباری جزو ۱۳ صفحہ ۱۸۷ میں فرماتے ہیں۔

ودل ذالك على انه اخبر فى المجلس الواحد بجميع احوال المخلوقات منذ ابتدائت الى ان تفنى الى ان تبعث فشمل ذالك الاخبار عن المبدأ والمعاش والمعاد وفى تيسير ايراد ذالك كله فى مجلس واحد من خوارق العادة امر عظيم۔

حضور علیہ السلام نے جو کہ تمام مخلوقات کے تمام حالات ایک مجلس میں فرمائے یہ آپ کا معجزہ تھا کہ تھوڑے وقت میں بہت کچھ بیان فرمادیا۔

حدیث نمبر ۳۳

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی الله علیه وَسَلَّمَ قَالَ بُعِثْتُ بِجَوَامِعِ الْکَلِمِ نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَبَیْنَا اَنَا نَائِمٌ رَاَیْتُنِیْ بِمَفَاتِیْحِ خَزَائِنِ الْاَرْضِ فَوُضِعَتْ فِیْ یَدَیَّ (متفق علیہ مشکوٰۃ ص ۵۰۲)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جوامع الکلم کے ساتھ مبعوث کیا گیا (یعنی مجھے کلمات جامعہ عطا کیے گئے جن کے الفاظ تھوڑے اور معانی بہت ہیں) رعب کے ساتھ مدد کیا گیا اور میں سویا ہوا تھا کہ اپنے آپ کو دیکھتا ہوں کہ میرے پاس زمین کے خزانوں کی کنجیاں لائی گئیں اور میرے ہاتھ میں رکھی گئیں۔ اس کو

بخاری مسلم نے روایت کیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زمین کے خزانوں کی کنجیاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک میں ہیں۔ چونکہ انبیاء علیہم السلام کا خواب بھی مثل وحی کے ہے۔ اس لیے یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ آپ مالک نے آپ کو مالک بنایا ہے۔

حدیث نمبر ۳۴

عَنْ ابنِ عَبَّاس قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صلی اللّٰہ علیہ وَسَلَّمَ یَوْمَ بَدْرٍ اَللّٰھُمَّ اَنْشُدُکَ عَھْدَکَ وَوَعْدَکَ اَللّٰھُمَّ اِنْ شِئْتَ لَمْ تُعْبَدْ فَاَخَذَ اَبُوْبَکْرٍ بِیَدِہٖ فَقَالَ حَسْبُکَ فَخَرَجَ وَھُوَ یَقُوْلُ سَیُھْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ۔ (بخاری شریف)

ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے دن دعا کی کہ یا اللہ میں تجھ سے تیرے عہد اور وعدہ کو مانگتا ہوں (جو تو نے فتح و نصرت کا وعدہ فرمایا ہے) اے خدا اگر تو چاہتا ہے (یعنی جماعت اہل اسلام کی ہلاکت) پھر تیری عبادت نہیں کی جائے گی (یعنی زمین میں پھر کوئی تیری پوجا نہ کرے گا۔ بلکہ ہمیشہ لوگ مشرک رہیں گے جو غیر اللہ کی پرستش کریں گے یہ آپ کو معلوم تھا کہ آپ خاتم النبیین ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں پس اگر آپ اور آپ کے ساتھی شہید ہو جاتے تو پھر اس شریعت کے مطابق اس زمین پر کون عبادت کرتا رہتی تو اور کوئی مبعوث نہیں ہونا تھا پھر کون لوگوں کو ایمان کی طرف بلاتا۔ تو ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے انہوں نے آکر حضور علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے پکڑ کر عرض کی۔ کہ یا رسول اللہ آپ کی مناجات اپنے رب کے ساتھ کافی ہو گئی۔ پھر نکلے اور یہ پڑھتے تھے کہ جلدی بھگائی جائے گی۔ یہ جماعت اور پھیر دیں گے پیٹھیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اس حدیث سے قبولیت دُعا کے علاوہ یہ امر قابل غور ہے کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ یا اللہ اگر یہ جماعت اہل اسلام کی تو ہلاک کر دے تو زمین میں تیری پرستش نہ ہوگی۔ کیا اللہ تعالےٰ کی پرستش انہیں چند لوگوں پر موقوف تھی نہیں حضور علیہ السلام نے اللہ تعالےٰ کے دربار میں ایک ناز کے انداز میں دُعا فرمائی اور اللہ تعالےٰ نے فرشتوں سے آپ کی امداد کی۔

حدیث نمبر ۳۵

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَاْتِیْ ابْنَ اٰدَمَ النَّذْرُ بِشَیْءٍ لَمْ اَكُنْ قَدَّرْتُهٗ۔ (بخاری شریف)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آدم کے بیٹے کو نذر کوئی شے نہیں لاتی جسے میں نے اس کی مقدر میں نہ کیا ہو۔ یعنی جو چیز اس کی تقدیر میں ہوتی ہے وہی ہوتی ہے"۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تقدیر کو بھی حضور علیہ السلام نے ہی مقدر کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ حدیث قدسی ہے۔ لیکن اس کی کسی سند اور روایت میں یہ تصریح نہیں آئی کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے، یہ حدیث ابوداؤد میں بھی ہے اس میں بھی اللہ تعالےٰ کی طرف اس کی نسبت نہیں۔ نیز نسائی میں بھی ہے اس میں بھی یہ نہیں کہ اللہ تعالےٰ نے ایسا فرمایا ہے۔ اس حدیث میں ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس چیز کو میں نے مقدر نہیں کیا وہ نذر سے حاصل نہیں ہوسکتی۔ اگر ہم محدثین کے قول کو مان لیں کہ یہ حدیث قدسی ہے تو اتنا ماننا بھی ضرور ہوگا کہ محدثین جو فرمائیں اگرچہ حدیث کے الفاظ میں نہ ہو وہی صحیح ہوگا حالانکہ بجز خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے کسی دوسرے کا قول ماننا ہم پر واجب نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

حدیث نمبر ۳۶

عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ غَابَ عَنَّا
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فَلَمْ يَخْرُجْ حَتّٰى ظَنَنَّا
اَنَّهٗ لَنْ يَخْرُجَ فَلَمَّا خَرَجَ سَجَدَ سَجْدَةً فَظَنَنَّا اَنَّ نَفْسَهٗ
قَدْ قُبِضَتْ مِنْهَا فَلَمَّا رَفَعَ رَاْسَهٗ قَالَ اِنَّ رَبِّيْ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى
اسْتَشَارَنِيْ فِيْ اُمَّتِيْ مَاذَا اَفْعَلُ بِهِمْ فَقُلْتُ مَا شِئْتَ اَيْ
رَبِّ هُمْ خَلْقُكَ وَعِبَادُكَ فَاسْتَشَارَنِي الثَّانِيَةَ فَقُلْتُ لَهٗ
كَذَالِكَ فَقَالَ لَا اُحْزِنُكَ فِيْ اُمَّتِكَ يَا مُحَمَّدُ وَبَشَّرَنِيْ اَنَّ
اَوَّلَ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ اُمَّتِيْ سَبْعُوْنَ اَلْفًا مَعَ كُلِّ اَلْفٍ
سَبْعُوْنَ اَلْفًا لَيْسَ عَلَيْهِمْ حِسَابٌ ثُمَّ اَرْسَلَ اِلَيَّ فَقَالَ اُدْعُ
تُجَبْ وَسَلْ تُعْطَ فَقُلْتُ لِرَسُوْلِهٖ اَوَمُعْطِيَّ رَبِّيْ سُؤْلِيْ فَقَالَ
مَا اَرْسَلَنِيْ اِلَيْكَ اِلَّا يُعْطِيْكَ وَلَقَدْ اَعْطَانِيْ رَبِّيْ عَزَّ وَجَلَّ
وَلَا فَخْرَ وَغَفَرَ لِيْ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِيْ وَمَا تَاَخَّرَ وَاَنَا اَمْشِيْ حَيًّا
صَحِيْحًا وَاَعْطَانِي الْكَوْثَرَ فَهُوَ نَهْرٌ مِنَ الْجَنَّةِ يَسِيْلُ فِيْ حَوْضِيْ
وَاَعْطَانِي الْعِزَّ وَالنَّصْرَ وَالرُّعْبَ يَسْعٰى بَيْنَ يَدَيْ اُمَّتِيْ شَهْرًا
وَاَعْطَانِيْ اِنِّيْ اَوَّلُ الْاَنْبِيَاءِ اَدْخُلُ الْجَنَّةَ وَطَيَّبَ لِيْ وَلِاُمَّتِي
الْغَنِيْمَةَ وَاَحَلَّ لَنَا كَثِيْرًا مِمَّا وَعَلٰى مَنْ قَبْلَنَا وَلَمْ يَجْعَلْ
عَلَيْنَا مِنْ حَرَجٍ (مسند امام احمد جلد ۵ ص۳۹۳)

اس حدیث کی سند میں ابن لہیعہ ہے جس کو مسند احمد کے اسی جلد کے ص۳۰۰
میں حسن فی حدیث لکھا ہے کہ وہ اپنی حدیث میں حسن ہے۔
حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز ہم سے
غائب ہو گئے اور ہم نے گمان کیا کہ وہ نہ آئیں گے تو جب آپ آ گئے تو آپ

نے ایک سجدہ کیا، یہاں تک لمبا سجدہ کیا کہ ہم نے گمان کیا کہ شاید آپ کی روح مبارک قبض کی گئی، جب آپ نے سر مبارک اٹھایا۔ تو فرمایا کہ میرے رب تعالیٰ نے مجھ سے میری امت کے بارہ میں مشورہ کیا اور پوچھا ہے کہ میں تیری اُمت کے ساتھ کیا معاملہ کروں۔ میں نے عرض کی کہ اے خداوہ تیرے بندے تیری مخلوق ہیں جو تو چاہے کر، پھر دوبارہ اللہ تعالےٰ نے مجھ سے مشورہ لیا۔ تو میں نے اسی طرح عرض کی کہ تیرے بندے ہیں، جو تو چاہے کر۔ تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تجھے تیری امت کے بارہ میں غمناک نہ کروں گا۔ اور مجھے اللہ نے خوشخبری دی کہ سب سے پہلے میری امت کے ستر ہزار اور ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار آدمی جنت میں داخل ہوں گے۔ ان پر کوئی حساب کتاب نہ ہوگا، پھر میری طرف قاصد بھیجا گیا اور فرمایا کہ دُعا کر تیری دعا قبول ہوگی اور مانگ تجھے دیا جائے گا تو میں نے قاصد کو کہا کہ اللہ تعالےٰ مجھے میرا سوال عطا کرے گا۔ اُس نے کہا کہ مجھے تیری طرف اسی لیے بھیجا کہ تجھے اللہ تعالےٰ عطا کرے (جو تو مانگے) اور مجھے اللہ نے دیا اور اس میں کوئی فخر نہیں یعنی میں فخر نہیں کرتا اور اللہ میرے اگلے پچھلے گناہ (جو حضور کی شان کے مطابق گناہ) ہے سب معاف فرمائے اور میں زندہ تندرست چلتا ہوں اور مجھے اللہ نے یہ بھی عطا کیا کہ میری امت بھوک کے عذاب سے ہلاک نہ ہو اور دکفار سے) مغلوب نہ ہو اور مجھے اللہ تعالےٰ نے کوثر عطا فرمائی اور مجھے اللہ تعالےٰ نے عزت اور نصرت عطا فرمائی اور ایک مہینہ کی مسافت سے میرا رعب پیدا کیا اور میں سب انبیاء سے پہلے جنت میں داخل ہوں گا اور میرے اور میری امت کے لیے مال غنیمت حلال کیا اور جو پہلے لوگوں پر سختیاں تھیں وہ ہم پر حلال کی گئیں اور اللہ نے ہم پر کوئی تنگی نہیں کی۔

اس حدیث کو امام احمد نے مسند میں روایت کیا۔ اس حدیث سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کا پتہ چلتا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ حضور علیہ السلام سے ان کی اُمت کے بارہ میں مشورہ لیتا ہے۔ پھر خوش خبری دیتا ہے کہ سب سے پہلے

آپ کی امت کے کئی ہزار لوگ بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے۔
(اللھم اجعلنا منہم)

حدیث نمبر ۳۷

سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ یَّضْمَنْ لِیْ مَا بَیْنَ لَحْیَیْہِ وَمَا بَیْنَ رِجْلَیْہِ اَضْمَنْ لَہُ الْجَنَّۃَ ۔ (بخاری شریف)

یعنی جو شخص میرے لیے اپنی زبان اور شرم گاہ کا ضامن ہوا۔ یعنی ان دونوں عضو سے میری نافرمانی نہ کرے گا تو میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوں۔

معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام خدا تعالےٰ کی تملیک سے جنت کے مالک ہیں اور کارخانہ الٰہی کے مختار ضمانتیں فرماتے ہیں اپنے ذمہ لیتے ہیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ ضمانت وہی دیتا ہے جس کا اختیار ہو۔ مالک ہو یا مالک کی طرف سے ماذون، ورنہ فضولی ہے جس کا عقد بے کار ہے۔

حدیث نمبر ۳۸

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَنَا اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ فَمَنْ مَاتَ وَعَلَیْہِ دَیْنٌ وَلَمْ یَتْرُکْ وَفَاءً فَعَلَیْنَا قَضَاؤُہٗ (رواہ البخاری) وفی روایۃ فَمَنْ تُوُفِّیَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فَتَرَکَ دَیْنًا فَعَلَیَّ قَضَاءُہٗ وَمَنْ تَرَکَ مَالًا فَلِوَرَثَتِہٖ

(بخاری شریف)

حضور علیہ السلام فرماتے ہیں میں مومنوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہوں (کنز الایمان ترجمہ اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہٗ) پس جو شخص مرجائے اور اس کے سر پر قرض ہو اور مال نہ ہو جس سے قرض ادا کیا جائے۔ تو آپ فرماتے ہیں کہ اس کا قرض میرے ذمہ ہے۔ (میں ادا کروں گا) اور جو شخص مال چھوڑ جائے وہ اس کے وارثوں کا حق ہے۔

سبحان اللہ! کوئی ایسا شفیق ہے جو میّت کا قرض اپنے ذمہ لے اور مال وارثوں کو دے دے۔ یہ حضور علیہ السلام کی ہی عنایت و شفقت ہے اور یہ جو فرمایا کہ میں مومنوں کی جانوں کا ان سے زیادہ مالک ہوں۔ اس کا مطلب یہ کہ دنیا اور دین کے تمام امور میں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم مسلمانوں پر نافذ اور آپ کی اطاعت واجب یا یہ معنی ہیں کہ نبی مومنین پر ان کی جانوں سے زیادہ رافت و رحمت اور لطف و کرم فرماتے ہیں اور نافع تر ہیں، یا یہ مطلب ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ حق رکھتے ہیں کہ آپ جس طرف بلائیں۔ اسی کو اختیار کیا جائے

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ جو مسلمان خدا تعالےٰ کا قرض ادا نہ کریں اور فوت ہو جائیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کا بھی تدارک فرمائیں گے۔ اگرچہ شفاعت سے ہو۔

حدیث نمبر ۳۹

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰی اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ۔ (متفق علیہ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سُنا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ کوئی شخص تم میں سے کامل مومن نہیں ہوتا۔ جب تک میں اسے اس کے باپ اور اولاد بلکہ سب لوگوں سے زیادہ پیارا نہ ہوں۔"

معلوم ہوا کہ اصل ایمان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے۔ اگر محبت نہیں تو کچھ نہیں۔ اگرچہ لمبی لمبی نمازیں پڑھے اور اگر محبت ہے تو یقیناً اپنے محبوب کے ساتھ اس کا حشر ہوگا اگرچہ اعمال میں قصور ہو۔

حدیث نمبر ۴۰

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ عُمَرَ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكِتَابٍ اَصَابَهٗ مِنْ بَعْضِ اَهْلِ الْكِتَابِ فَقَرَءَهٗ عَلَيْهِ فَغَضِبَ فَقَالَ لَقَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيْضَآءَ نَقِيَّةٍ لَا تَسْئَلُوْهُمْ عَنْ شَيْءٍ فَيُخْبِرُوْكُمْ بِحَقٍّ فَتُكَذِّبُوْا بِهٖ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ اَنَّ مُوْسٰى كَانَ حَيًّا مَا وَسِعَهٗ اِلَّا اَنْ يَّتَّبِعَنِيْ ۔ (رواہ الامام احمد)

جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک کتاب لے کر آئے۔ جو ان کو ایک اہل کتاب سے ملی، تو انہوں نے پڑھنا شروع کیا۔ تو حضور علیہ السلام ناراض ہوئے اور فرمایا کہ میں تمہارے پاس سفید اور ستھری شریعت لے کر آیا۔ تم ان سے کچھ نہ پوچھو۔ کہ وہ سچی بات کہیں تو تم تکذیب کرو، یا باطل کہیں تو تم تصدیق کرو، قسم ہے۔ اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو میرے تابعدار ہوتے۔" اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا۔ کہ دوسرے مذاہب کی کتابیں مطالعہ میں رکھنا

جائز نہیں۔ ممکن ہے کہ انسان بے علمی کے سبب کسی غلط مسئلہ کو صحیح سمجھ لے یا صحیح کو غلط۔ اس لیے اپنے مذہب کی کتاب کے سوا اور کسی بدعقیدہ و بد۔مذہب کی کتاب نہ دیکھے نہ سُنے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تورات کے اوراق پڑھنے پر ناراضگی فرمائی۔ دوسری کتاب کا کیا کہنا۔ یہاں بدمذہب لوگ دھوکا کھاتے ہیں کہ تحقیق کرنا چاہیے، یہ غلط ہے۔ آج تحقیق نہایت مشکل ہے عامی بے علم کیا تحقیق کرے گا۔ تحقیق نہایت دشوار ہے۔ جو اہل علم پر مخفی نہیں۔ واللہ اعلم۔

صحاحِ ستّہ سے ماخوذ جواہر پارے

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چند ارشادات جوہر انسان کے لیے دینی و دنیوی ترقی اور فلاحِ دارین کے ضامن ہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۱۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّات۔

اعمال کا مدار نیتوں پر ہے۔

۲۔ اَلْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِّنَ الْاِیْمَان۔

حیاء ایمان کا حصہ ہے۔

۳۔ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ۔

مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمانوں کو رنج نہ پہنچے۔

۴۔ مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَاَبْغَضَ لِلّٰہِ۔

کامل ایمان والا وہ شخص ہے جو خدا واسطے دوستی اور خدا واسطے دشمنی رکھے گویا اس کے ہر عمل میں رضائے حق مقصود ہو۔

۵۔ لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَۃَ لَہٗ۔

جو امانت دار نہیں وہ ایماندار بھی نہیں۔

۶۔ وَلَا دِیْنَ لِمَنْ لَّا عَھْدَ لَہٗ۔

جو وعدے کا پابند نہیں وہ دیندار بھی نہیں۔

۷۔ اِذَا سَرَّتْکَ حَسَنَتُکَ وَسَاءَتْکَ سَیِّئَتُکَ فَاَنْتَ مُؤْمِنٌ۔

تو نیک کام کرنے سے خوش اور برا کام کرنے سے رنجیدہ ہو تو جان لے کہ تو مومن ہے۔

۸۔ لَا یَزْنِی الزَّانِیْ حِیْنَ یَزْنِیْ وَھُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا یَسْرِقُ السَّارِقُ حِیْنَ

يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِيْنَ يَشْرَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَغُلُّ اَحَدُكُمْ حِيْنَ يَغُلُّ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَقْتُلُ حِيْنَ يَقْتُلُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ ۔

زانی زنا کرنے کے وقت، چور چوری کرنے کے وقت، شرابی شراب پینے کے وقت، خائن خیانت کرنے کے وقت اور قاتل قتل کرنے کے وقت ایمان والا نہیں ہوتا۔ گویا جو مومن ہے وہ نہ زنا کرتا ہے نہ چوری کرتا ہے نہ شراب پیتا ہے نہ خیانت کرتا ہے اور نہ قتل کرتا ہے۔

۹۔ اَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَمَنْ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتّٰى يَدَعَهَا۔ اِذَا اُؤْتُمِنَ خَانَ وَاِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ ۔

وہ شخص پورا منافق ہے جو امانت میں خیانت کرے اور جھوٹ بولے اور بات کہہ کر پھر جائے اور تکرار میں گالیاں دے اور جو ان چاروں میں سے ایک خصلت رکھتا ہو۔ جب بھی اس میں منافق کی نشانی ہے جب تک اسے نہ چھوڑے۔

۱۰۔ كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ ۔

وہ آدمی جھوٹا ہے۔ جو سنی ہوئی باتیں جن کا جھوٹ سچ معلوم نہ ہو کہتا پھرے۔

۱۱۔ مَنْ دَلَّ عَلٰى خَيْرٍ فَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِ فَاعِلِهٖ ۔

جو کسی کو نیک کام بتائے اسے اس کام کے کرنے والے کے برابر ثواب ملتا ہے۔

۱۲۔ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ

(علم کی تلاش ہر مسلمان مرد اور عورت کے لئے ضروری ہے۔)

۱۳۔ مَنْ اَشَارَ عَلٰى اَخِيْهِ بِاَمْرٍ يَعْلَمُ اَنَّ الرُّشْدَ فِيْ غَيْرِهٖ فَقَدْ خَانَهٗ ۔

جو جان بوجھ کر نیکی و صلاح کے برخلاف فساد کی راہ بتائے وہ خیانت کار ہے۔

۱۴۔ نَهٰی عَنِ الْاُغْلُوْطَاتِ۔

پیچیدہ باتیں کرنے سے باز رہو۔ ایسے پیچیدہ مسائل اپنی فوقیت دکھلانے کے لیے بیان کرنا جن سے سننے والے مغالطہ میں پڑ جائیں، منع ہیں۔

۱۵۔ لَا تُقْبَلُ صَلٰوةٌ بِغَيْرِ طُهُوْرٍ وَلَا صَدَقَةٌ مِنْ غُلُوْلٍ۔

ناپاک حالت میں نماز قبول نہیں ہوتی اور مال حرام سے خیرات قبول نہیں ہوتی۔

۱۶۔ اِتَّقُوا الْمَلَاعِنَ الثَّلَاثَةَ الْبَرَازُ فِي الْمَوَارِدِ وَقَارِعَةِ الطَّرِيْقِ وَالظِّلِّ۔

تین قابل لعنت باتوں سے بچو۔ رفع حاجت کرنا اس جگہ جہاں آدمی پانی دیکھ کر ٹھہرتے ہوں، راستہ میں اور سائے میں۔

۱۷۔ مُرُوْا صِبْيَانَكُمْ بِالصَّلٰوةِ وَهُمْ اَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِيْنَ وَاضْرِبُوْهُمْ اَبْنَاءَ عَشْرِ سِنِيْنَ۔

اپنی اولاد کو سات برس کی عمر میں نماز کے لیے کہو اور دس برس کی عمر میں اس پر عمل نہ کرنے سے سزا کے طور پر انہیں مارو۔

۱۸۔ كُلُّ عَيْنٍ زَانِيَةٌ وَاِنَّ الْمَرْاَةَ اِذَا اسْتَعْطَرَتْ فَمَرَّتْ بِالْمَجْلِسِ فَهِيَ كَذَا وَكَذَا۔

بدنظری بدکاری ہے جو عورت خوشبو لگا کر لوگوں میں پھرے وہ حرام کار ہے۔

۱۹۔ خُذُوْا مِنَ الْاَعْمَالِ مَا تُطِيْقُوْنَ۔

اتنے ہی نیک کام کرو جتنے ہو سکیں۔

۲۰۔ اَحَبُّ الْاَعْمَالِ اِلَى اللّٰهِ اَدْوَمُهَا وَاِنْ قَلَّ۔

خدا کو وہ نیک کام بڑے پسند ہیں جو ہمیشہ کیے جائیں اگرچہ تھوڑے ہی ہوں۔

۲۱۔ اَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَعُوْدُوا الْمَرِيْضَ ۔

بھوکے کو کھلاؤ اور بیمار کی غمخواری کرو ۔

۲۲۔ کُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيْبٌ اَوْعَابِرُ سَبِيْلٍ ۔

دنیا میں مسافر کی مانند رہو یا جو رستہ چل رہا ہو ۔

۲۳۔ اَكْثِرُوا هَادِمَ اللَّذَّاتِ الْمَوْتَ ۔

موت جو لذتوں کو مٹانے والی ہے اُسے بہت یاد کرتے ہو ۔

۲۴۔ اَلْبِسُوا مِنْ ثِيَابِكُمُ الْبَيَاضَ فَاِنَّهٗ مِنْ خَيْرِ ثِيَابِكُمْ ۔

سفید کپڑا تمام کپڑوں میں اچھا ہے۔ اسے ہی پہننا چاہیے جس میں سادگی ہو ۔

۲۵۔ اُذْكُرُوا مَحَاسِنَ مَوْتَاكُمْ وَكُفُّوا عَنْ مَسَاوِيْهِمْ ۔

مرے ہوؤں کی نیکیوں کو بیان کرو اور ان کی برائی سے رکو ۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نجدیوں سے نفرت

شیخ نجدی کون ہے؟

غیاث اللغات ص۲۹۳ میں لکھا ہے!

شیخ نجدی شیطان کا لقب ہے، کفار مکہ نے جب حضور علیہ السلام کے قتل کا مشورہ کیا تو اس میں شیطان ایک بوڑھے نجدی کی شکل میں آکر شریک مشورہ ہو گیا۔

"چوں پرسیدند کہ کیستی"؟

کفارِ مکہ نے جب پوچھا۔ "تم کون ہو"؟

"گفت کہ من شیخم از ملک نجد آمدہ ام"۔

تو شیطان بولا کہ میں شیخ ہوں، ملک نجد سے آیا ہوں۔ پھر شیطان خود کہنے لگا"

"و دریں مشورہ با شما شریکم"۔

قتل کے اس مشورہ میں تمہارے ساتھ برابر کا شریک ہوں۔

معلوم ہوا کہ نجدی حضور کے برخلاف تھے۔ اسی لیے شیطان نے اس گروہ اور اس سرزمین کا نام لیا جس کی نسبت کفار کو یقین تھا کہ نجدی لوگ ہمارے ساتھی ہیں۔

معلوم ہوا کہ نجد کے ساتھ شیطان کا گہرا تعلق ہے اس تعلق کی نشان دہی خود مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دی تھی۔

هناك الزلازل والفتن وبها يطلع قرن الشيطان

وہاں (نجد میں) زلزلے اور فتنے ہوں گے اور وہیں سے شیطان کا سینگ نکلے گا۔

یہی وجہ تھی کہ حضور نے نجد کے حق میں دعائے خیر نہ فرمائی تھی۔

صدق رسول الله صلى الله عليه وسلم وقع

كما اخبر

نجد کہاں واقع ہے ؟

نجد، عرب میں ایک ملک کا نام ہے۔ مجمع البحار میں لکھا ہے۔

ھو اسم خاص لما دون الحجاز مما یلی العراق

ماسوائے حجاز کو، جو عراق سے متصل ہے، نجد کہتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ عراق اور نجد مختلف ہیں۔ عراق اور ہے اور نجد اور۔ دونوں ایک نہیں۔ ہاں نجد عراق سے متصل ضرور ہے۔

حافظ ابن حجر فتح الباری ص۵۴۳ پ ۲۹ میں بحوالہ خطابی لکھتے ہیں:

اصل النجد ما ارتفع من الارض وھو خلاف الغور فانہ ما انخفض منھا وتھامۃ کلھا من الغور ومکۃ من تھامہ۔

'نجد' اصل میں بلند جگہ کو کہتے ہیں اور وہ 'غور' کی ضد ہے۔ غور پست جگہ کو کہتے ہیں۔ اور تہامہ سب کا سب غور سے ہے اور مکہ تہامہ سے ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ تہامہ، نجد نہیں بلکہ غور ہے اور مکہ بھی تہامہ سے ہے۔

لیکن مولوی ابراہیم صاحب سیالکوٹی نے اپنی رسالہ "آنحضرت کی نجدیوں سے محبت" میں تہامہ کو بھی نجد میں داخل کیا ہے۔ اسی طرح ایڈیٹر اہل حدیث امرتسر نے بھی تہامہ اور یمن کو داخل نجد سمجھا ہے۔ یہ دونوں باتیں صحیح نہیں۔ کیوں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یمن وشام کے لیے دعا فرمائی تو ایک نجدی نے کہا تھا۔

'وفی نجدنا' اور ہمارے نجد کے حق میں بھی دعا فرمائیے! تو اس کے جواب میں حضور فرما دیتے کہ یمن وشام بھی تو نجد ہے۔ جب میں یمن وشام کے لیے دعا کرتا ہوں تو نجد کے لیے بھی دعا ہو گئی۔

اگر فی الواقع حجاز کے ماسوا، سب نجد تھا تو آپ صرف نجد کے لیے دعا

فرما دیتے تو سب ملک اسی میں آجاتا۔ حالانکہ حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ آپ نے یمن و شام کے لیے دعا فرمائی، لیکن نجد کے لیے نہیں۔

عراق اور تہامہ، نجد میں داخل نہیں

غیاث اللغات

"نجد نام ملکے از عرب میان حجاز و عراق و میانِ بصرہ و مکہ کہ زمین آں بلند است بہ نسبت یمامہ و حجاز"

نجد، عرب کے ایک ملک کا نام ہے، جو حجاز و عراق اور بصرہ و مکہ کے درمیان ہے۔ اور یمامہ و حجاز کی نسبت اس کی زمین بلند ہے۔

معلوم ہوا کہ نجد، عراق نہیں ہے۔

منتہی الارب

"نجد بالفتح زمین بلند۔ انجد کافلس و نجار ککتاب و نُجُدا کُکُتُب جمع راہ روشن بربالا۔

و از بلادِ عرب و آں چہ برخلافِ غور است کہ تہامہ باشد و گاہے یمن را ضمہ دہندہ۔

اعلائے نجد تہامہ و یمن است و اسفل آں عراق و شام و اوّل آں از جانب حجاز ذات عرق۔"

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ تہامہ نجد میں سے نہیں، اس کی ایک طرف تہامہ و یمن ہے اور دوسری طرف عراق و شام۔ یعنی تہامہ، یمن، شام، حجاز اور عراق سب کے سب نجد میں سے نہیں۔ ان تمام ملکوں سے نجد الگ ہے جو آج کل سعودی عرب کا صوبہ ہے۔

قاموس

النجد ما اشرف من الارض والطریق الواضح المرتفع وما خالف الغور ویضم جیم مذکر اعلاہ تہامہ والیمن و اسفلہ العراق والشام واولہ من جہۃ الحجاز ذات عرق۔

اس عبارت کا مطلب وہی ہے جو منتہی الارب کا ہے۔

خود صاحب قاموس نجد کی تعریف میں۔

"ما خالف الغور یعنی تہامہ" کہتا ہے۔

یعنی نجد وہ ہے جو تہامہ کے خلاف ہے اور تہامہ غور ہے۔

پھر "اعلاہ تہامہ" سے یہ سمجھنا کہ "تہامہ" بھی نجد ہے۔ اور "اسفلہ العراق" سے عراق کو بھی داخل نجد سمجھنا۔ توجیہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ کے قبیل سے ہے۔

پس معلوم ہوا کہ تہامہ اور اعراق نجد میں داخل نہیں۔ نجد ان دونوں سے الگ ہے۔

صراح

"نجد ایضاً من بلاد العرب وھو خالف الغور والغور ھو تہامۃ وکل ما ارتفع من تہامۃ الی ارض العراق فھو نجد۔

نجد بلاد عرب سے ہے اور وہ غور کے خلاف ہے اور غور تہامہ ہے۔ تہامہ سے لے کر عراق تک جو زمین اونچی ہے وہ نجد ہے۔

صاحب صراح نے صاف ظاہر کر دیا کہ تہامہ سے لے کر عراق تک جو اونچی زمین ہے، وہ نجد ہے، معلوم ہوا کہ تہامہ اور عراق نجد نہیں۔

نواب صدیق حسن بھوپالوی

اپنی کتاب ہدیۃ المسائل کے ص۱۲۳ میں لغات کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔
"مراد دریں جا بنجد، بلاد عرب ما دون حجاز متصل عراق است
محمد بن عبدالوہاب نجدی ہماجا بود"۔
اس جگہ نجد سے مراد عرب کا وہ علاقہ ہے جو ماسوائے حجاز کے عراق سے متصل ہے۔ محمد بن عبدالوہاب نجدی اسی جگہ کا تھا۔

اپنے گھر کی گواہی تو مان جائیے

نواب صدیق حسن بھوپالوی جو کہ وہابیوں کے لیئے نزل الابرار اور ہدیۃ المسائل جیسی کتابیں مرتب کرنے والے ہیں۔ وہ خود لکھ رہے ہیں کہ نجد اور عراق دو الگ ملک ہیں۔ نجد کا جو حصہ عراق سے متصل ہے، محمد بن عبدالوہاب اسی جگہ کا تھا۔

حضور علیہ السلام کا فیصلہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا میقات، اہل نجد کے لیے قرن منازل مقرر فرمایا (دیکھئے بخاری شریف) اہل یمن کے لیے یلملم، اہل شام کے لیے جحفہ اور اہل مدینہ کے لیے ذوالحلیفہ۔
اور دار قطنی میں ہے۔
اہل عراق کے لیے ذات عرق کو حج کا میقات مقرر فرمایا۔
معلوم ہوا کہ نجد، الگ ملک ہے جس کا میقات بھی الگ مقرر فرمایا گیا۔ اگر عراق بھی نجد ہی ہوتا تو عراق کا میقات الگ مقرر نہ کیا جاتا۔

حدیث قرن شیطان

جو لوگ حدیث قرن شیطان میں نجد سے مراد عراق لیتے ہیں ان کو لازم ہے

کہ عراق کے کسی فتنہ کو قبیلہ مضر یا ربیعہ سے ثابت کریں۔ کیونکہ بخاری کی حدیث میں 'فی ربیعۃ ومضر' آیا ہے۔ کہ وہ قرن شیطان ربیعہ اور مضر کے لوگوں میں ہوگا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ محمد بن عبدالوہاب نجدی اور ابن سعود دونوں قبیلہ مضر سے ہیں۔ ان دونوں کے سوا، حدیث کا مصداق اور کون ہو سکتا ہے۔

جب یہ ثابت ہو چکا

کہ یمن اور عراق، نجد نہیں ہیں تو اب یمن کی تعریف میں احادیث کا پیش کرنا ابن سعود کے حق میں مفید نہیں۔ کیونکہ ابن سعود یمنی نہیں اور عراق کی تعریف میں احادیث پیش کرنا محمد بن عبدالوہاب کے حق میں مفید نہیں۔ کیوں کہ وہ عراقی نہ تھا۔

ابن سعود قبیلہ مضر سے ہے یا تمیم سے؟

حامیان ابن سعود ایڑی چوٹی کا زور لگا کر ابن سعود کو قبیلہ بنی تمیم سے ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بنی تمیم سے محبت رکھنا ضروری ہے۔

میں کہتا ہوں کہ نواب صدیق حسن ہدیۃ المسائل ص۱۱۴ میں لکھتے ہیں۔

"محمد بن عبدالوہاب بن سلیمان ... از مضر یا از بنی تمیم است"

نواب صاحب نے محمد بن عبدالوہاب کو یا تو قبیلہ مضر سے یا بنی تمیم سے لکھا ہے۔ اب ملاحظہ فرمائیے۔ یہ دونوں قبیلے حدیث اور تاریخ کی روشنی میں۔

قبیلہ مضر

قبیلۂ مضر کے متعلق بخاری شریف میں حدیث ہے کہ حضور مضر کے بارے میں بد دعا فرمایا کرتے تھے۔

اللھم اشدد وطاتك علی مضر واجعلھا علیھم سنین

کسنی یوسف (بخاری پ ۳)

اور حدیث میں آیا ہے۔

اهل المشرق یومئذٍ من مضر مخالفون لهٗ

قبیلۂ مضر سے اہل مشرق کے لوگ، ان دنوں حضور کے مخالف تھے۔

پس اگر یہ نجدی قبیلۂ مضر سے ہے تو مضر کو اس حدیث میں اہل مشرق فرمایا گیا اور اسی قبیلہ کو حضور کا مخالف کہا گیا، معلوم ہوا کہ یہ قبیلہ شروع سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مخالف رہا اور اسی کو اہل مشرق فرمایا گیا۔ پھر اسی مشرق کی جانب اشارہ کر کے فرمایا گیا۔

'الفتنه ها هنا' فتنہ وہیں ہو گا۔ اور اسی کے متعلق فرمایا۔

'راس الکفر المشرق' کفر کا سرغنہ مشرق ہے۔ کیا اب بھی شک باقی رہا کہ ابن سعود اور اس کے آبا، حدیثِ قرنِ شیطان کے مصداق نہیں۔

حدیث کے الفاظ

بخاری شریف کے پارہ ۱۳ میں حدیث قرن الشیطان اس طرح آئی ہے۔

حیث یطلع قرنا الشیطان فی ربیعة ومضر'

یعنی قرن شیطان ربیعہ اور مضر کے لوگوں سے نکلے گا۔

پس قبوں کو گرانے والے، رسول کے دربار سے ہٹانے والے بات بات پر مسلمانوں کو مشرک بنانے والے، اور مسلمانوں کے خون کو بے دریغ بہانے والے ابن سعود اور اس کے حواری بھی قبیلۂ مضر سے ہیں۔

فوقع کما اخبر النبی صلی الله علیه وسلم۔

قبیلۂ مضر کی رسول دشمنی

قبیلۂ مضر کے لوگ قدیم سے ہی لوگوں کو رسولِ پاک کی حاضری سے روکا

کرتے تھے، چنانچہ بخاری شریف پ ایک حدیث وفد عبد القیس آئی ہے اس وفد نے حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم آپ تک بڑی دقت سے پہنچے ہیں کیونکہ

بیننا وبینک ھذا الحی من کفار مضر

آپ کے اور ہمارے درمیان کفار مضر ہیں۔

قبیلۂ بنی تمیم

ابن عبد الوہاب ابن سعود کو اگر قبیلۂ بنی تمیم سے کہا جائے تو ملاحظہ فرمائیے کہ۔

قبیلۂ بنی تمیم مضر ہی کی شاخ ہیں

حافظ ابن حجر فتح الباری پ۱۴ ص۳۰۶ میں فرماتے ہیں۔

ان الذین ذکروا فی مقابلھم وھم تمیم واسد غطفان

وھوازن جمیعھم من مضر بالاتفاق۔

جن لوگوں کا ان کے مقابلہ میں ذکر ہوا ہے یعنی تمیم، اسد غطفان، اور ہوازن یہ سب کے سب بالاتفاق قبیلہ مضر سے ہیں۔

معلوم ہوا کہ تمیم بالاتفاق قبیلہ مضر سے ہیں۔ لہذا ابن عبد الوہاب اور ابن سعود کا تمیمی ہونا بھی ان کا قبیلہ مضر سے ہونا ہے۔ لطف کی بات تو یہ ہے کہ حدیث میں قرنا الشیطان آیا ہے۔ "قرنان" تثنیہ ہے۔ اضافت کی وجہ سے نون ساقط ہوا ہے، جس کا معنی ہے، شیطان کے دو سینگ، جو کہ ابن عبد الوہاب اور ابن سعود ہی ہیں۔

بنو تمیم گستاخ اور بے عقل تھے۔

وہ بنو تمیم ہی تو تھے جن کو خدا نے فرمایا۔

اکثرھم لا یعقلون۔

ان کی اکثریت بے عقل ہے۔
حافظ ابن حجر فتح الباری پ ۲ صـ ۳۳۹ میں فرماتے ہیں کہ آیت:
ان الذین ینادونك من وراء الحجرات الخ روی الطبری عن
طریق مجاهد قال هو اعراب بنی تمیم،
طبری نے روایت کیا ہے، مجاہد کہتے ہیں کہ یہ آیت بنو تمیم کے اعراب کے
حق میں ہے۔
فتح الباری کے صـ ۳۳۸ میں ہے۔
قال ابن عطیة الصحیح ان سبب نزول هذه الآیة کلام
جفاة الاعراب وجفاة الاعراب الذین نزلت فیهم هم
من بنی تمیم
ابن عطیہ نے کہا کہ صحیح یہی ہے کہ آیت کے نزول کا سبب جفاۃ الاعراب
کا کلام ہے۔ اور ظالم بدوی جن کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی وہ بنو تمیم تھے۔
معلوم ہوا کہ بنو تمیم میں سے کچھ لوگ ایسے تھے جو آداب رسول صلی اللہ علیہ
وسلم سے ناواقف تھے۔ اسی وجہ سے انہوں نے حضور کا ادب نہ کیا تو اللہ تعالیٰ
نے فرمایا۔
اکثرهم لا یعقلون
بنو تمیم کی بے ادبی اور گستاخی ابن عبدالوہاب اور ابن سعود کو ورثہ
میں منتقل ہوئی۔

بنو تمیم نے رسول پاک کو ناراض کیا

صحیح بخاری میں ایک حدیث ہے۔
جاء نفر من بنی تمیم الی النبی صلی الله علیه وسلم فقال
یا بنی تمیم البشروا، فقالوا البشرتنا فاعطنا (فی روایة

ھوتین، فتغیر وجھہٗ فجاءہٗ اھل الیمن فقال یا اھل الیمن اقبلوا البشریٰ اذ لم یقبلھا بنو تمیم، قالوا اقبلنا۔

بنو تمیم کی ایک جماعت حضور کی بارگاہ میں آئی۔ تو حضور نے فرمایا۔ اے بنو تمیم خوش ہو جاؤ، انہوں نے کہا، آپ نے بشارت تو دی پس ہمیں کچھ دو (ایک روایت میں دو بار کا لفظ آیا ہے) تو آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا۔

پھر یمن کے لوگ آئے تو آپ نے فرمایا۔ اے اہل یمن! خوش خبری قبول کرو، بنو تمیم نے اس کو قبول نہیں کیا۔ اہل یمن نے عرض کیا کہ ہم نے قبول کی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور نے بنو تمیم کو بشارت دینا چاہی لیکن انہوں نے قبول نہ کی۔ تو حضور ناراض ہو گئے اور اہل یمن نے وہ بشارت قبول کر لی، یہ بھی ثابت ہوا کہ اہل یمن بنو تمیم نہیں۔

پس اگر ابن سعود نجدی بنو تمیم سے ہے تو صاف ظاہر ہے کہ وہ اہل یمن سے نہیں، کیونکہ اس حدیث میں اہل یمن اور بنو تمیم کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے۔ لہٰذا جو حدیثیں اہل یمن کی فضیلت میں آئی ہیں وہ ابن سعود پر کیسے منطبق ہو سکتی ہیں؟ البتہ وہ بنو تمیم کی اس جماعت سے ضرور ہے جس نے رسول پاک کو "اِعدل" کہا تھا۔

حضور کو 'اِعدل' کہنے والا کون تھا؟

بخاری شریف کی وہ حدیث جس میں ایک شخص نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا تھا۔

اِعدل — انصاف کیجئے۔

تو حضرت عمر نے حضور سے اجازت چاہی تھی کہ یہ شخص گستاخ ہے مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کو قتل کر ڈالوں،

توحضور نے فرمایا تھا۔

اے عمر! اس کو چھوڑ دو۔ اس کی نسل سے ایسے لوگ ہوں گے کہ تم اپنی نمازوں اور روزوں کو ان کے آگے حقیر سمجھو گے۔

وہ لوگ دین سے ایسے نکلے ہوں گے جیسے کہ تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔

وہ گستاخ انسان جس نے حضور کی گستاخی کی تھی اور حضرت عمر نے اس کے قتل کی اجازت چاہی تھی، بخاری کی حدیث میں تصریح موجود ہے کہ وہ شخص بنو تمیم میں سے تھا۔

معلوم ہوا کہ بنو تمیم میں شروع سے ہی ترکِ ادب تھا۔

بنو تمیم کے حق میں

ابوالقاسم بنارسی نے اہل حدیث ۳۰ نومبر ۱۹۲۵ء میں لکھا ہے۔

"بنو تمیم قوم رسول اللہ ہیں اور بنو تمیم اولادِ اسماعیل ہیں۔"

میں کہتا ہوں کہ بالکل بجا ہے کہ بنو تمیم مضر سے ہیں اور مضر اور ربیعہ بیشک اولادِ اسماعیل ہیں۔ لیکن حضور نے جس "قرن شیطان" کے ظہور کی خبر دی تھی وہ بھی قبیلۂ ربیعہ اور مضر سے ہی نمودار ہونا تھا چنانچہ وہ ہو کر رہا۔ صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

البتہ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ربیعہ و مضر کا اولادِ اسماعیل ہونا متفق علیہ ہے البتہ یمن کا بنی اسماعیل سے ہونا مختلف فیہ ہے (دیکھو فتح الباری) تو اس سے بھی معلوم ہوا کہ ابن سعود یمنی نہ تھا۔ بلکہ تمیمی نجدی تھا۔ چونکہ حامیان ابن سعود اسکو بنو تمیم اور اولادِ اسماعیل سے مانتے ہیں اس لیے ثابت ہوا کہ وہ یمن کا باشندہ نہ تھا۔

اور سنیے! صحیح بخاری پ۱۴ میں حضور نے قبیلہ [illegible]، مزینہ، اسلم اور غفار کے بارے میں فرمایا۔

هو خیر من بنی تمیم و من بنی اسد

کہ بنو تمیم اور بنو اسد سے (جہنیہ، مزنیہ، اسلم اور غفار کے لوگ) بہتر ہیں۔

ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ حضور کے اس ارشاد کا مفہوم آپ کے وصال کے بعد ظاہر ہو گیا کہ قبیلۂ بنو تمیم کے لوگ سجاح کے ساتھ مرتد ہو گئے۔

علامہ عینی ج ۴ ص ۲۷ میں فرماتے ہیں۔

وارتدت عامة بنی تمیم

بنو تمیم کی اکثریت مرتد ہو گئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نجدیوں سے نفرت

آخر میں ہم فتح الباری پ ۱۷ ص ۸۰ سے ایک حدیث نقل کرتے ہیں۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لعیینة بن حصین ای الرجال خیر؟ قال اهل نجد۔ قال کذبت بل هو اهل الیمن

حضور علیہ السلام نے عیینہ بن حصین سے دریافت فرمایا کہ کون لوگ بہتر ہیں۔ اس نے عرض کیا اہل نجد۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے جھوٹ کہا وہ (بہتر) اہل یمن ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یمنی، نجدی نہیں اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اہل نجد بہتر نہیں۔ بلکہ جس نے بہتر کہا حضور نے اسے فرمایا: "کذبت۔ تم نے جھوٹ کہا۔ آج بھی جو لوگ نجدیوں کی تعریفوں میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہیں ہم انہیں بھی کہیں گے، تم جھوٹ کہتے ہو کیونکہ جنہیں رسول خدا فرمائیں کہ بہتر نہیں وہ لوگ کس طرح بہتر ہو سکتے ہیں۔

قابلِ غور

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ رسول کریم سائل کا سوال رد نہ فرمایا کرتے

تھے، مگر جب نجدی نے تین دفعہ نجد کے حق میں دعا کا سوال کیا تو حضور نے انکار فرمایا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور کو نجدیوں سے نفرت تھی، حالات نے ثابت کر دیا ہے کہ حضور نے نجدیوں سے نفرت کیوں فرمائی؟ وہ کون لوگ تھے جنہوں نے مکہ اور مدینہ پر لشکر کشی کی؟ وہ کون تھے جنہوں نے روضۂ رسول پاک کو صنم اکبر کہا؟ وہ کون تھے جنہوں نے اکابر صحابہ و اہل بیت کے مزارات کو پامال کیا؟

ایک علامت

اس قوم کی ایک علامت حضور نے بیان فرمائی ہے۔ فتح الباری پ ۱۱ ص ۶۵ میں ہے۔

یقتتلون اہل الاسلام ویدعون اہل الاوثان

وہ مسلمانوں کے ساتھ تو جنگ تو کریں گے لیکن بت پرستوں کو چھوڑ دینگے۔

اہل نظر انصاف کریں کہ وہ نجدی ہی تو تھے، جنہوں نے مسلمانوں کے خون کو بے دریغ بہایا اور انگریز سے صلح رکھی۔

اللھم خرب دیار النجدیین وشتت شملھم وخرق جمعھم وطھر ارض الحرمین الشریفین عن نجاسۃ اقدامھم

امین یارب العالمین

اِبَاحَۃُ السَّلَفِ الْبِنَاءَ عَلٰی قُبُوْرِ الْمَشَائِخِ وَالْعُلَمَاءِ

اولیاء اور علماء کے مزارات پر قبے بنانے کے جواز میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

اما بعد فقیر ابو یوسف محمد شریف حنفی نقشبندی کوٹلوی اہل اسلام کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ مکہ معظمہ میں جب سے نجدیوں نے مزارات محترمہ و مساجد متبرکہ و دیگر متبرک مقامات کی بے حرمتی کی، قبے گرائے اور قتل و غارت سے زمین حرم کو پامال کیا ہے۔ اسلامی دنیا میں ایک شور عظیم پیدا ہوا ہے۔ ملک نے اس کام کو حقارت کی نظر سے دیکھا اور جابجا نجدیوں کی مخالفت میں جلسے ہوئے۔ ریزولیوشن پاس ہوئے۔ مگر وہ لوگ جو اس حادثہ فاجعہ سے پہلے نجدیوں سے اپنی برّیت ظاہر کیا کرتے تھے۔ ان کو مقلد مذہب حنبلی[1] کہہ کر حنفیہ کرام کے چچازاد بھائی سمجھتے تھے۔ اور ان کے مزاج کی شدت اور ان کے قتل بے گناہ وغیرہ افعال کو بُری نگاہ سے دیکھتے تھے۔ آج ان کو موحد متبع سُنّت مان کر اُن کے غلبہ پر بغلیں بجاتے اور خوشیاں مناتے ہیں اور اُن کے ہر ایک کام کو موافق سنت سمجھ کر اُن کی حمایت[2] امداد میں کئی صورتیں اختیار کرتے ہیں۔ کوئی تو اُن مشاہد و مزارات و مساجد کو جو ان

---

[1] دیکھو اخبار اہلحدیث ۱۸ر جنوری ۱۹۰۷ء ص۵ و ۳ر مئی ۱۹۰۷ء ص۴ و ۲۸ر دسمبر ۱۹۰۶ء ص۹ و ۲۸ر اپریل ۱۹۲۲ء و ۲۸ر مارچ ۱۹۲۴ء و میں لکھتا ہے، ہمارے نزدیک جیسے حنفی ویسے نجدی۔ ۲۶ر ستمبر ۱۹۲۴ء میں لکھا ہے:۔ ہم نجدی (غیر مقلد) تک نہیں ہم حنبلی ہیں۔ ۲۸ر مارچ ۱۹۲۴ء میں ابوالقاسم بنارسی لکھتا ہے۔ فرقہ وہابیہ قدیم زمانہ خارجیوں کا ایک فرقہ تھا۔ نواب صدیق حسن بھی ترجمان وہابیہ میں ایسا ہی اپنی برّیت ظاہر کرتا ہے۔ [2] دیکھو ہدایت السائل مؤلفہ صدیق حسن ص۱۱۴ ۱۲ منہ ۔ دیکھو اہل حدیث ۲۰ر نومبر ۱۹۲۵ء ص۳ اور تحریک وہابیت ص۳ ۱۲ منہ۔

سعود نے گرائی ہیں۔ فرضی قرار دینے پر زور لگاتا ہے۔ کوئی مکہ فنڈ کھول کر چندہ جمع کر کے اُس کے ظلم میں امداد دیتا ہے کوئی قبوں کے گرانے کے ثبوت میں مضامین لکھ رہا ہے۔ کوئی قبوں کے بنانے کی ممانعت میں اشتہار اور رسالے شائع کر رہا ہے۔ کوئی دعائیں مانگ رہا ہے کہ ابن سعود ہندوستان بھی آئے اور آکر وہی مظالم شروع کرے۔ غرض ایڑی چوٹی تک اُس کی امداد میں زور لگا رہے ہیں۔ مگر افسوس کہ قتل بے گناہ، لوٹ مار، ہدم مساجد وہدم قبہ مولد النبی علیہ السلام کے جواز پر کسی صاحب نے کچھ نہیں لکھا۔ اگر ابن سعود کی امداد کا بیڑا اٹھایا تھا تو اس کا دامن ان آلودگیوں سے بھی پاک کرنا لازم تھا۔ جیسا کہ ہدم مقابر میں اس کو حق بجانب سمجھا گیا۔ یا اظہار اللحق اس کے ان افعال پر ملامت کرتے۔ مگر ایسا نہیں کیا گیا۔ جس سے ہوسکا اُس نے صرف مزارات صلحاء کے قبوں کے گرانے پر ہی زور دیا اور ابن سعود کے اِس فعل کو کبھی تو اُس کے لشکر کا فعل سمجھ کر اس کو بُرا ہی کیا گیا۔ کبھی قبوں کو مندرسومنات سے تشبیہ دے کر گرانے کو عین اتباع سنت سمجھ کر ابن سعود کو معذور سمجھا گیا۔ مگر افسوس ان مدعیان سنت نے یہ نہ سوچا کہ ابن سعود نے اپنے اس فعل میں کتنی احادیث صحیحہ کا خلاف کیا ہے۔

پہلی حدیث

يَا عَائِشَةُ لَوْلَا اَنَّ قَوْمَكِ حَدِيْثُ عَهْدٍ بِجَاهِلِيَّةٍ لَاَمَرْتُ بِالْبَيْتِ فَهُدِمَ فَاَدْخَلْتُ فِيْهِ مَا اُخْرِجَ مِنْهُ وَاَلْزَقْتُهُ بِالْاَرْضِ وَجَعَلْتُ لَهٗ بَابَيْنِ بَابًا شَرْقِيًّا وَبَابًا غَرْبِيًّا۔

(بخاری شریف پ ۶ ص ۲۵)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا کہ اے عائشہ اگر تیری قوم زمانۂ جاہلیت کے قریب نہ ہوتی تو میں بیت اللہ شریف کے گرانے کا حکم دیتا اور گرایا جاتا اور جو زمین اس سے نکالی گئی اس کو اس میں داخل کرتا اور زمین کے ساتھ اس کو اس کے دروازہ کو پست کرتا ملا دیتا اور اس کے

دروازے کر دیتا۔ ایک دروازہ شرقی دوسرا غربی۔
دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال مبارک تھا کہ مکہ معظمہ گرا کر وہ جگہ کہ خارج کی گئی ہے، یعنی حطیم اس کو داخل بیت کیا جاوے اور دروازہ زمین کے قریب لگے اور دو دروازے ہوں ایک شرقی دوسرا غربی۔ لیکن حضور علیہ السلام نے اس لیے یہ کام نہ کیا کہ قوم کے خیالات نہ بگڑ جائیں اور یہ خیال نہ کریں کہ ایسا رسول آیا ہے جس نے خدا کے گھر کو ڈھا دیا ہے یا اس کو اس کے بنانے میں اپنے فخر کا خیال ہے۔

حافظ ابن حجر فتح الباری صفحہ ۲۰۱ جلد ۶ میں لکھتے ہیں۔

فِیْهِ اِجْتِنَابُ وَلِیِّ الْاَمْرِ مَا یَتَسَرَّعُ النَّاسُ اِلٰی اِنْکَارِہٖ وَمَا یُخْشٰی مِنْهُ تَوَلُّدُ الضَّرَرِ عَلَیْهِمْ فِیْ دِیْنٍ اَوْ دُنْیَا۔

کہ اس حدیث میں دلیل ہے کہ حاکم ایسے امر کے کرنے میں پرہیز کرے جس کے انکار پر لوگ جلدی کریں اور جس سے ان کے دین اور دنیا میں ان پر ضرر پیدا ہونے کا خوف ہو۔

پس اگر ابن سعود کے مذہب میں قبہ جات کا گرانا ہی ضروری تھا تو اتنی جلدی کیا تھی۔ ایسے موقعہ میں جہاں قوم میں کسی مفسدہ کے پیدا ہونے کا احتمال ہو وہاں ایسے امور کا ترک ہی اتباع سنت ہے۔ لیکن اس نے تو یہی سوچا کہ میں شاید کس وقت حرمین شریفین سے نکالا جاؤں۔ سب سے پہلے جو مجھ سے بے ادبی ہو سکے کر لوں۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

دوسری حدیث

لَنْ یَسْتَحِلَّ هٰذَا الْبَیْتَ اِلَّا اَهْلُهٗ فَاِذَا اسْتَحَلُّوْهُ فَلَا تَسْئَلْ عَنْ هَلَکَةِ الْعَرَبِ ثُمَّ تَجِیْءُ الْحَبَشَةُ فَیُخْرِجُوْنَهٗ خَرَابًا لَا یَعْمُرُ بَعْدَهٗ اَبَدًا (مسند احمد)

بیت اللہ شریف (کے حرم شریف) کو اہل قبلہ ہی حلال کریں گے۔ پس

جب حلال کرلیں گے اس کو تو نہ پوچھو عرب کی ہلاکت سے پھر حبشی آویں گے اور اس کو ایسا خراب کریں گے کہ اس کے بعد وہ تعمیر ہی نہیں ہوگا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مکہ شریف کی بے حرمتی کرنے والے اہل قبلہ ہی ہوں گے تو ابن سعود کا اہل قبلہ ہونا کیا مفید ہو سکتا ہے۔ اگر ابن سعود اس حدیث کو خیال میں لاتا تو ہرگز بیت اللہ شریف کی بے حرمتی پر مستعد نہ ہوتا۔

تیسری حدیث

لَمْ یَحِلَّ الْقِتَالُ فِیْهِ لِاَحَدٍ قَبْلِیْ وَلَمْ یَحِلَّ لِیْ اِلَّا سَاعَۃً مِّنْ نَّھَارٍ فَھُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَۃِ اللّٰہِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ۔

(صحیح بخاری جزء ۷ صفحہ ۱۴۹)

حضور نے فرمایا کہ مکہ معظمہ میں مجھ سے پہلے کسی کو جنگ کی اجازت نہیں ہوئی اور میرے لیے بھی ایک ساعت دن میں سے لڑائی حلال ہوئی۔ اور وہ (مکہ) قیامت تک اللہ تعالے کی حرمت سے حرام ہے۔

ابن سعود نے اس حدیث کا بھی خلاف کیا۔ مکہ شریف جس کو قیامت تک رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام فرمایا۔ اس نے اس کی حرمت کو توڑا۔

چوتھی حدیث

لَا یَحِلُّ لِاَحَدِکُمْ اَنْ یَّحْمِلَ بِمَکَّۃَ السِّلَاحَ

(رواہ مسلم صفحہ ۴۳۹ مشکوٰۃ صفحہ ۲۳۰) مشکوٰۃ صفحہ ۲۳۰)

کسی آدمی کو حلال نہیں کہ مکہ شریف پر ہتھیار اٹھادے۔

ابن سعود نے اس حدیث کا بھی خلاف کیا۔ کہ اس نے مکہ معظمہ پر ہتھیار اٹھائے فالی اللہ المشتکی۔

پانچویں حدیث

اِنِّیْ حَرَّمْتُ الْمَدِیْنَۃَ حَرَامًا مَا بَیْنَ مَازِمَیْھَا اَنْ لَّا یُھْرَاقَ فِیْھَا دَمٌ وَّلَا یُحْمَلُ فِیْھَا سِلَاحٌ لِقِتَالٍ وَّلَا تُخْبَطُ فِیْھَا شَجَرَۃٌ

اِلاَّ یُعْلَفَ (مسلم ص۴۴۳ جلد ۱)

حضور نے فرمایا کہ میں نے مدینہ کو حرام کیا اس کے دونوں پہاڑوں کے درمیان اس میں کوئی خونریزی نہ کی جائے۔ کوئی ہتھیار نہ اٹھایا جائے۔ کوئی درخت نہ جھاڑا جائے مگر واسطے چارے کے۔

ابن سعود نے اس حدیث کا بھی خلاف کیا کہ مدینہ شریف میں خونریزی کی ہتھیار اٹھائے، محاصرہ کیا۔

چھٹی حدیث

لَا یَکِیْدُ اَھْلَ الْمَدِیْنَۃِ اَحَدٌ اِلَّا انْمَاعَ کَمَا یَنْمَاعُ الْمِلْحُ فِی الْمَاءِ

(بخاری پ۷ صفحہ ۲۵۲)

فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مدینہ شریف والوں کے ساتھ جو شخص برا ارادہ کرے گا اس کو اللہ تعالےٰ اس طرح گلائیگا جس طرح نمک پانی میں گل جاتا ہے۔

ساتویں حدیث

مَنْ اَرَادَ بِاَھْلِھَا بِسُوْءٍ اَذَابَہُ اللّٰہُ کَمَا یَذُوْبُ الْمِلْحُ فِی الْمَاءِ

(مسلم ص۴۴۵)

جو شخص مدینہ والوں کے ساتھ برا ارادہ کرے گا اس کو اللہ تعالےٰ ایسا گلائے گا جس طرح نمک پانی میں گل جاتا ہے۔

ابن سعود نے ان دونوں حدیثوں کا بھی خلاف کیا اور کچھ پرواہ نہ کی، محاصرہ کر کے اہل مدینہ پر آنا جانا کھانا وغیرہ بند کر دیا، جس سے وہ لوگ نہایت تنگ ہوئے اور انہوں نے اپنی تنگی اور تکالیف کی ہندوستان میں تاریں بھیجیں مگر اس موحد اور متبع سنت نے ان لوگوں کو تکلیف پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔

آٹھویں حدیث

من اَخَافَ اَھْلَ الْمَدِیْنَۃِ ظَالِمًا لَھُمْ اَخَافَہُ اللّٰہُ وَکَانَتْ

عَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ ۔ (نسائی شریف فتح الباری پ ۷ صفحہ ۲۳۵)
فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص اہل مدینہ کو ڈرائے۔ درآنحال کہ اُن پر ظلم کرنے والا ہو۔ اللہ تعالےٰ اس کو ڈراتا ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوگی۔
ابن سعود نے اس حدیث کا بھی خلاف کیا ہے۔ چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے فعل والے پر لعنت کی ہے۔ اس لیے بعض اخبارات نے بھی اُس پر ایسے ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

نویں حدیث

اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّيْ دِمَاءَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ (متفق علیہ)
فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے لوگوں کے ساتھ لڑائی کرنے کا امر کیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں پس جب انھوں نے ایسا کیا تو انھوں نے مجھ سے اپنا خون اور مال بچا لیا۔ مگر اسلامی حق کے ساتھ اور حساب اُن کا اللہ پر ہے۔
اس حدیث کی رو سے مکہ و مدینہ کے رہنے والوں سے بلکہ کسی مسلمان کے ساتھ جو نماز پڑھتا ہو۔ زکوٰۃ دیتا ہو۔ لڑائی کرنے کی اجازت نہیں تو ابن سعود نے مسلمانوں پر چڑھائی کر کے اس حدیث کا خلاف کیا۔

دسویں حدیث

مَنْ صَلّٰى صَلٰوتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَاَكَلَ ذَبِيْحَتَنَا فَذٰلِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِيْ لَهٗ ذِمَّةُ اللهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ (مشکوٰۃ)
فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص ہماری نماز پڑھے اور ہمارے قبلہ کی

طرف منہ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے۔ وہ ایسا مسلمان ہے جو اللہ اور اُس کے رسول کی پناہ میں ہے۔ پس اللہ کی پناہ کو نہ توڑو۔

ابن سعود نے اس حدیث کا بھی خلاف کیا۔

گیارھویں حدیث

صحیح مسلم کے صفحہ ۱۶۶ جلد ا میں ہے کہ حضور علیہ السّلام اگر کسی گاؤں میں اذان کی آواز سنتے تو وہاں لوٹ مار نہ کرتے۔

ابن سعود نے اس حدیث کا بھی خلاف کیا۔

بارھویں حدیث

صحیح مسلم صفحہ ۱۲۸ جلد ۲ میں ہے کہ حضور علیہ السّلام نے امراء وخلفاء پر بسبب ظلم وفسق خروج منع فرمایا ہے صحابہ کرام نے ایسے امراء کے بارہ میں جہاد کی اجازت طلب کی تو حضور علیہ السّلام نے فرمایا لَا مَا صَلَّوْا یعنی جب تک وہ نماز پڑھتے ہیں ان پر خروج کی اجازت نہیں۔

ابن سعود نے اِس حدیث کا بھی خلاف کیا۔

تیرہویں حدیث

كُلُّ ذَنْبٍ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّغْفِرَہٗ اِلَّا الرَّجُلُ یَمُوْتُ مُشْرِکًا اَوْ یَقْتُلُ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا۔ (ابو داؤد و ابن حبان ترغیب ص۴۵۳)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہر گناہ کے بخشا جانے کی امید ہے مگر جو شخص مشرک مرگیا یا جس نے کسی مومن کو عمداً قتل کیا اس کے بخشا جانے کی بالکل امید نہیں،

ابن سعود نے اس حدیث کا بھی خلاف کیا کہ طائف میں بے گناہ مردوں عورتوں بلکہ بچوں کو ذبح کیا۔

قرآن مجید

پہلی آیت

وَمَنْ یُّرِدْ فِیْہِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْہُ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ۔

جو شخص مکہ شریف میں ظلم کے ساتھ الحاد کا ارادہ کرے گا ہم اس کو دردناک عذاب چکھاویں گے۔

ابن سعود نے اس آیت کی بھی پرواہ نہیں کی۔

دوسری آیت

مَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا۔

جو شخص مکہ معظمہ میں داخل ہوا وہ امن میں آگیا۔

ابن سعود نے اس آیت کی بھی پرواہ نہ کرتے ہوئے اہالیٔ مکہ کو بے امن کیا۔

ان آیات واحادیث کے ہوتے ہوئے معلوم نہیں کہ نجدیوں کو باوجود دعویٰ عمل بالحدیث کیوں اتنی جرأت پیدا ہوئی کہ انہوں نے حرمین شریفین کی توہین روا رکھی۔

نجدی کہتے ہیں کہ قبوں کا بنانا خلاف شرع اور ناجائز ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی منع فرمایا۔ اس لیئے قبور پر سے قبے اتارے گئے۔

میں کہتا ہوں، صرف قبور کا پختہ بنوانا اور اس پر گنبد تعمیر کرانا خلاف شرع ہے یا مطلقًا مکانات کا پختہ بنانا ہی منع ہے۔ اگر ہر مکان کا خواہ وہ سکونتی ہو پختہ بنانا منع ہے۔ تو مکہ شریف و مدینہ شریف کے کل مکانات گرائے ہوتے۔ بلکہ بیت اللہ شریف بھی (خاکم بدہن) گرادیا جاتا کہ وہ بھی پختہ ہے۔ اور اگر صرف قبور کا ہی پختہ بنانا منع ہے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مولد مبارک کو کیوں تہ وبالا کیا گیا؟ مقام ولادت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور مسجد جن، مسجد بلال، مسجد جبل ابوقبیس مسجد کوثر مقام شق قمر مقام شرح

صدر وغیرہ مقامات متبرکہ کو کیوں بے نشان کیا۔
نجدی کہتے ہیں کہ ان مقامات میں شرک ہوتا تھا اور بعض کہتے ہیں اس لیے گرائے گئے کہ مصنوعی تھے۔
میں کہتا ہوں لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شیطان ناامید ہوگیا ہے کہ اب جزیرہ عرب میں اس کی پرستش ہو چنانچہ صحیح مسلم کے صفحہ ۲۷۶ جلد دوم میں حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں۔

اِنَّ الشَّیْطَانَ قَدْ اَیِسَ اَنْ یَّعْبُدَہُ الْمُصَلُّوْنَ فِیْ جَزِیْرَۃِ الْعَرَبِ وَلٰکِنْ فِی التَّحْرِیْشِ بَیْنَھُمْ (مسلم) اور فرمایا۔

اِنِّیْ وَاللّٰہِ مَا اَخَافُ عَلَیْکُمْ اَنْ تُشْرِکُوْا بَعْدِیْ (صحیح بخاری صفحہ ۱۷۹ جلد ۱)
یعنی مجھے خوف نہیں کہ تم میرے بعد شرک کروگے۔

یہ لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیش گوئی کے برخلاف کہتے ہیں کہ ان مقامات پر شرک ہوتا تھا۔ بفضلہ تعالیٰ یہ خاکسار ۲ دو مرتبہ مکہ معظمہ کی زیارت سے مشرف ہوا ہے۔ دونوں دفعہ ان مقامات متبرکہ میں کوئی شرک کرتا نہیں دیکھا۔ یہ باروں کا خانہ ساز شرک ہے اور ابن سعود کی بے جا حمایت۔ العیاذ باللہ۔
جن قبور کے قبے گرائے گئے اگر وہ مصنوعی قبور تھیں۔ فی الحقیقت وہ قبور نہ تھیں تو ان پر جو بنا تھی وہ بنا علی القبور نہ ہوئی۔ جب بناء علی القبور نہ ہوئی۔ تو منع بھی نہ ہوئی۔ پھر قبوں کو کیوں منہدم کیا گیا؟ غائتہ ما فی الباب اگر منہدم کرنا تھا تو قبروں کا نشان مٹا دیا جاتا اور وہ قبے چار دیواری باقی رہنے دیتے۔ حالانکہ ابن سعود نے ایسا نہیں کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ اس کا منشا محض بے حرمتی کرنا تھا اور بس۔

قبوں کے بنانے کا جواز

میں آگے چل کر بفضلہ تعالیٰ مفصل بیان کروں گا کہ قبوں کا گرانا اور مزارات کا ڈھانا بے ثبوت ہے، قرآن شریف یا حدیث صحیح میں ان کے گرانے کا کوئی حکم نہیں بلکہ قبور

مسلمین کی توہین ہے جو بالاتفاق ممنوع ہے۔
سر دست قبّوں کے بنانے کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مزار صالحین پر قبّے بنانا جائز بھی ہے یا نہیں۔ لیکن اس سے پہلے کہ میں اصل مسئلہ پر کچھ عرض کروں اس مسئلہ کو صاف کرنا چاہتا ہوں۔ کہ زمانہ اور مکان کے تغیر سے احکام متغیر ہو جاتے ہیں یا نہیں۔
پس سنیئے فقہاء علیہم الرحمۃ نے اس مسئلہ کو صراحتاً ذکر فرمایا ہے چنانچہ فتاویٰ عالمگیری جلد ۴ کے صفحہ ۱۲۳ میں لکھا ہے۔

كَمْ مِنْ شَيْءٍ كَانَ اِحْدَاثًا وَهُوَ بِدْعَةٌ حَسَنَةٌ وَكَمْ مِنْ شَيْءٍ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الزَّمَانِ وَالْمَكَانِ۔ کذا فی جواہر الاخلاطی

یعنی بہت چیزیں ہیں کہ نئی پیدا کی گئی ہیں اور وہ بدعت حسنہ ہیں اور بہت چیزیں زمانہ اور مکان کے اختلاف سے بدل جاتی ہیں جیسا کہ جواہر الاخلاطی میں ہے۔
علامہ شامی ردالمحتار صفحہ ۲۷۰ جلد پنجم میں لکھتے ہیں۔

وَكَمْ مِنْ شَيْءٍ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الزَّمَانِ وَالْمَكَانِ كَمَا لبسطه الزيلعي وغيره۔

یعنی بہت شے بسبب اختلاف زمان و مکان مختلف ہو جاتی ہیں۔ زیلعی وغیرہ نے اس کو بسط سے بیان کیا ہے۔
علامہ عبدالحئی لکھنوی نفع المفتی میں بحوالہ تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق لکھتے ہیں۔

وَلَا يُنْكَرُ تَغَيُّرُ الْاَحْكَامِ بِتَغَيُّرِ الزَّمَانِ كَغَلْقِ الْمَسَاجِدِ يَجُوْزُ فِيْ زَمَانِنَا عَلٰى مَا يَاتِيْ بَيَانُهُ (نفع المفتی)

بسبب تغیر زمان احکام کے متغیر ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ جیسے مساجد کے دروازوں کا بند کرنا کہ ہمارے زمانہ میں جائز ہے اور اس کا بیان آگے آئے گا۔
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

اَنْتُمْ فِیْ زَمَانٍ مَنْ تَرَکَ مِنْکُمْ عُشْرَ مَا اُمِرَ بِہٖ ھَلَکَ ثُمَّ یَاْتِیْ زَمَانٌ مَنْ عَمِلَ مِنْھُمْ بِعُشْرِ مَا اُمِرَ بِہٖ نَجَا۔ (رواہ الترمذی مشکوٰۃ ص۲۳)

تم لوگ (یعنی صحابہ) ایسے زمانہ میں ہو جو شخص تم میں سے مامورات کا دسواں حصہ بھی چھوڑ دے گا ہلاک ہوگا۔ پھر ایک زمانہ آئے گا۔ جو شخص ان میں سے مامورات کا دسواں حصہ بھی بجالائے گا نجات پاجائے گا۔

اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بسبب تغیّر زمان حکم متغیّر ہو جاتا ہے۔

علامہ ابن القیم اعلام الموقعین جلد۲ صفحہ ۱۵ میں اس مسئلہ میں خاص فصل لکھتے ہیں اور فرماتے ہیں۔

فَصْلٌ فِیْ تَغْیِیْرِ الْفَتْوٰی وَاخْتِلَافِھَا بِحَسْبِ تَغْیِیْرِ الْاَزْمِنَۃِ وَالْاَمْکِنَۃِ وَالْاَحْوَالِ وَالنِّیَّاتِ وَالْعَوَائِدِ وَھٰذَا فَصْلٌ عَظِیْمُ النَّفْعِ جِدًّا الخ

یہ فصل اس بیان میں ہے کہ فتویٰ بسبب تغیر زمان اور مکان کے اور بسبب تغیر احوال ونیّات وفوائد مختلف ومتغیّر ہو جاتا ہے اور یہ فصل بہت عظیم النفع ہے۔

علامہ موصوف نے اس فصل میں کئی مثالیں لکھی ہیں۔ جو مفصل دیکھنا چاہے۔ وہ اعلام الموقعین کو دیکھے۔ مختصراً ہم بھی چند مثالیں لکھتے ہیں تاکہ واضح ہو جائے کہ زمان یا مکان کے تغیر سے احکام متغیّر ہو جاتے ہیں۔

پہلی مثال۔ مسجدوں کا چونہ گچ کرنا اور انہیں سرخ زرد رنگ کرنا صدر اول میں نہ تھا امام بخاری فرماتے ہیں۔

اَمَرَ عُمَرُ بِبِنَاءِ الْمَسْجِدِ اَکِنَّ النَّاسَ مِنَ الْمَطَرِ وَاِیَّاکَ اَنْ تُحَمِّرَ اَوْ تُصَفِّرَ فَتَفْتِنَ النَّاسَ (بخاری باب بنیان المسجد)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کی بنا کا حکم فرمایا اور فرمایا کہ میں لوگوں کو بارش سے چھپاتا ہوں۔ پھر بنانے والے کو یا اپنے نفس کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ سرخ یا زرد کرنے سے بچنا کہ تو ایسا کرنے سے لوگوں کو فتنہ میں ڈال دے گا

یا لوگ فتنہ میں پڑ جائیں گے یعنی صرف بارش سے بچنے کے لیے معمولی چھت چاہیے سرخ زرد رنگ سے نمازیوں کے حضور وخشوع میں فرق آجائے گا۔

(۲) امام بخاری فرماتے ہیں۔

قَالَ ابن عباس لَتُزَخْرِفُنَّهَا كَمَا زَخْرَفَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى

(بخاری شریف)

کہا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے البتہ تم مسجدوں کو مزخرف (منقش و آراستہ) کرو گے جیسے کہ یہود و نصاریٰ نے کیا۔ اس حدیث کو ابوداؤد و ابن حبان نے بھی روایت کیا ہے۔

(۳) ابوداؤد میں ہے۔ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

مَا اُمِرْتُ بِتَشْيِيْدِ الْمَسَاجِدِ اَیْ بِرَفْعِهَا وَاِعْلَاءِ بِنَائِهَا اَوْ تَجْصِيْصِهَا لِاَنَّهَا زَائِدَانِ عَلٰى قَدْرِ الْحَاجَةِ (مرقاۃ صفحہ ۴۵۹ جلد اول)

مجھے مساجد کے پختہ کرنے کا امر نہیں کیا گیا۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اسکی شرح میں تشیید کے معنے کرتے ہیں کہ مساجد کا رفع اور اس کی بناء کا بلند کرنا یا چونہ گچ کرنا کہ یہ کام قدر حاجت سے زائد ہیں۔ اس لیے رفع بنا و تجصیص مساجد کا امر نہیں کیا گیا۔

(۴) ملا علی قاری نے مرقاۃ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک حدیث لکھی ہے کہ انہوں نے فرمایا۔

نُهَانَا اَوْ نُهِيْنَا اَنْ نُصَلِّيَ فِیْ مَسْجِدٍ مُشْرِفٍ

ہم منع کیے گئے ہیں کہ مسجد بلند میں نماز پڑھیں۔

(۵) مرقاۃ کے اسی صفحہ میں ہے۔

مَرَّ ابْنُ مَسْعُوْدٍ بِمَسْجِدٍ مُزَخْرَفٍ فَقَالَ لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ فَعَلَ هٰذَا (مرقاۃ)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ ایک مسجد میں گذرے جو کہ مزخرف یعنی مزین و آراستہ تھی۔ فرمایا خدا تعالیٰ اس شخص پر لعنت کرے جس نے یہ کام کیا یعنے جس نے مسجد کو

مزین و آراستہ کیا۔

(۶) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

اَرَاکُمْ تُشَرِّفُوْنَ مَسَاجِدَکُمْ بَعْدِیْ کَمَا شَرَّفَتِ الْیَهُوْدُ کَنَائِسَهَا وَکَمَا شَرَّفَتِ النَّصَارٰی بِیَعَهَا (ابن ماجہ ص۵۴)

میں دیکھتا ہوں تم کو کہ تم میرے بعد اپنی مسجدوں کو بلند کرو گے جیسے کہ یہود نے اپنے کنیسے اور نصاریٰ نے اپنے گرجے بلند کیے۔

(۷) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا انہوں نے فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

مَا سَاءَ عَمَلُ قَوْمٍ قَطُّ اِلَّا زَخْرَفُوْا مَسَاجِدَهُمْ (ابن ماجہ ص۵۴)

کسی قوم کا عمل برا نہیں ہوا۔ مگر اس نے اپنی مسجدوں کو مزخرف کیا۔

اور صدیق حسن بھوپالوی ہدایۃ السائل میں تشیید مساجد کو بدعت لکھتے ہیں۔

ان احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ مساجد کی آرائش اور رفع بنا اور سونے چاندی کا نقش و نگار اور چونہ گچ کرنا صدر اول میں نہ تھا۔ یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے باوجود وسعت مال کے مسجد نبوی کو اسی ہیئت پر جو زمانہ نبوی میں تھی بنا کیا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ذرا منقوش پتھر لگائے اور ساج کا چھت بنایا۔ جو زخرفہ کی حد تک نہ تھا۔ پھر بھی بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے انکار کیا۔ چنانچہ حافظ ابن حجر فتح الباری جزو ثانی ص۲۷ میں فرماتے ہیں۔

لَمَّا اَرَادَ عُثْمَانُ بِنَاءَ الْمَسْجِدِ کَرِهَ النَّاسُ ذٰلِکَ وَاَحَبُّوْا اَنْ یَدَعُوْهُ عَلٰی هَیْئَتِهٖ اَیْ فِیْ عَهْدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ (فتح الباری پ۲)

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کے بنانے کا ارادہ فرمایا۔ تو لوگوں نے اس کو اچھا نہ سمجھا۔ بلکہ یہ خواہش کی کہ مسجد نبوی کو اسی حالت پر چھوڑا جائے جس حالت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھی۔

پھر آگے فرماتے ہیں کہ علامہ بغوی نے شرح السنۃ میں فرمایا ہے کہ شاید صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت عثمان کے منقوش پتھر لگانے پر کراہت ظاہر فرمائی۔ صرف وسیع کرنے پر کراہت نہ تھی۔

باوجود ان دلائل کے جو اوپر بیان ہوئے پھر بھی زمانہ کے تغیر کے سبب کہ ظاہری تزک و احتشام ہی قلوبِ عامہ پر اثرِ تعظیم پیدا کرتا ہے۔ آئمہ دین نے جواز کا حکم دیا۔ چنانچہ ہدایہ شریف میں ہے۔

لَا بَأْسَ بِاَنْ يُّنَقَّشَ الْمَسْجِدُ بِالْجَصِّ وَالسَّاجِ وَمَاءِ الذَّهَبِ۔

مسجد کو چونہ اور آبنوس اور سونے کے پانی کے ساتھ منقش کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

علامہ ابن الہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں۔

قولہ قِيْلَ هُوَ قُرْبَةٌ لِمَا فِيْهِ مِنْ تَعْظِيْمِ الْمَسْجِدِ (فتح القدیر)

کہا گیا ہے کہ وہ ثواب ہے اس لیے کہ اس میں (یعنی چونہ وغیرہ سے منقش کرنے میں) مسجد کی تعظیم ہے۔

پھر آگے اختلاف نقل کرکے فرماتے ہیں

وَعِنْدَنَا لَا بَاْسَ بِهٖ

کہ ہمارے نزدیک اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

تبیین الحقائق شرح کنز میں ہے۔

لَا يُكْرَهُ نَقْشُ الْمَسْجِدِ بِالْجَصِّ وَمَاءِ الذَّهَبِ۔

مسجد کو چونہ اور سونے کے پانی سے منقش کرنا مکروہ نہیں۔

اسی طرح فتاوی عالمگیری جلد ۴ صفحہ ۱۲۰ میں ہے۔

اَمَّا التَّجْصِيْصُ فَحَسَنٌ لِاَنَّهٗ اِحْكَامٌ لِلْبِنَاءِ كَذَا فِى الْاختيار شرح المختار

چونہ گچ کرنا اچھا ہے اس لیے کہ وہ بناء کا مضبوط کرنا ہے۔ ایسا ہی اختیار شرح مختار میں ہے۔

علامہ ابن المنیر شرح جامع صحیح میں فرماتے ہیں۔

اُسْتُنْبِطَ مِنْهُ كَرَاهِيَةُ زَخْرَفَةِ الْمَسَاجِدِ لِاشْتِغَالِ قَلْبِ الْمُصَلِّي بِذَالِكَ اَوْ لِصَرْفِ الْمَالِ فِي غَيْرِ وَجْهِهٖ ـ نَعَمْ اِذَا وَقَعَ ذٰلِكَ عَلٰى سَبِيْلِ تَعْظِيْمِ الْمَسْجِدِ وَلَمْ يَقَعِ الصَّرْفُ عَلَيْهِ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ فَلَا بَاْسَ بِهٖ وَلَوْ اَوْصٰى بِتَشْيِيْدِ مَسْجِدٍ وَتَحْمِيْرِهٖ وَتَصْفِيْرِهٖ نَفَذَتْ وَصِيَّتُهٗ لِاَنَّهٗ قَدْ حَدَثَ لِلنَّاسِ فَتَاوٰى بِقَدْرِ مَا اَحْدَثُوْا وَقَدْ اَحْدَثَ النَّاسُ مُؤْمِنُهُمْ وَكَافِرُهُمْ تَشْيِيْدَ بُيُوْتِهِمْ وَتَزْيِيْنَهَا وَلَوْ بَنَيْنَا مَسَاجِدَنَا بِاللَّبِنِ وَجَعَلْنَا مُتَطَامِنَةً بَيْنَ الدُّوْرِ الشَّاهِقَةِ وَرُبَّمَا كَانَتْ لِاَهْلِ الذِّمَّةِ لَكَانَتْ مُسْتَهَانَةً ـ

اس حدیث سے مستنبط ہے کہ مسجدوں کی زینت و آرائش مکروہ ہے کہ نمازی کا دل اس طرف مشغول ہوگا۔ یا اس لیے کہ مال بے وجہ خرچ ہوگا۔ ہاں اگر مساجد کی تعظیم کے لیے آرائش ہو اور خرچ بیت المال سے نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔ اگر کوئی شخص وصیت کرے کہ اس کے مال سے مسجد کی گچکاری یا سرخ زرد رنگ کریں تو وصیت نافذ ہوگی۔ کیونکہ لوگوں میں جس طرح کہ نئی نئی باتیں پیدا ہوئیں اسی طرح اُن کے لیے فتاویٰ بھی نئے ہوئے۔ مسلمان اور کافر سب نے اپنے گھروں کی گچکاری شروع کر دی۔ اگر ہم مساجد کو بڑے بڑے گھروں کے درمیان کچی اینٹ سے اُن سے پست بنائیں تو مساجد کی بے وقعتی ہوگی۔

پس حامیانِ ابن سعود کو لازم ہے کہ بڑی بڑی مساجد جو گچکاری اور طرح طرح کے رنگوں سے مزین ہیں سب کی سب گرا کر صاف کر دیں اور ایسی مسجدیں تیار کریں جو عہدِ نبوی میں تھیں۔ جب یہ کام کر چکیں تو پھر مزارات صلحاء کے گرانے کا فکر کریں۔ دونہ خرط القتاد۔ وَاِلَّا فَاِنَّمَا هُوَ جَوَابُكُمْ عَنْ تَجْصِيْصِ الْمَسَاجِدِ وَتَشْيِيْدِهَا وَزَخْرَفَتِهَا فَهُوَ جَوَابُنَا عَنْ تَجْصِيْصِ الْقُبُوْرِ ـ

دوسری مثال

حدیث شریف میں آیا ہے فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

اِبْنُوا الْمَسَاجِدَ جُمًّا (رواہ ابن ابی شیبہ والبیہقی)

مسجدیں منڈی بناؤ۔ یعنی ان میں کنگرے اور منارنہ رکھو۔

مگر اب بڑے بڑے منارے اور کنگرہ دار مسجدیں رائج ہیں محض اسلیے کہ اس میں مساجد کی تعظیم ہے فلیکن بناء القبور کذالك۔

تیسری مثال

لَا تَمْنَعُوْا اِمَاءَ اللّٰهِ مَسَاجِدَ اللّٰهِ (صحیح مسلم)

اللہ تعالیٰ کی باندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے منع نہ کرو۔

یعنے عورتیں اگر مسجدوں میں نماز پڑھنے کے لیے جانا چاہیں تو منع نہ کرو، پھر بھی آئمہ دین نے نظر بحال زمانہ جو حکم فرمایا وہ اہل علم سے مخفی نہیں۔

علامہ ابن الہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں۔

عَمَّمَ الْمُتَاَخِّرُوْنَ الْمَنْعَ لِلْعَجَائِزِ وَالشَّوَابِّ فِی الصَّلٰوتِ کُلِّهَا لِغَلَبَةِ الْفَسَادِ فِیْ سَائِرِ الْاَوْقَاتِ۔ (فتح القدیر ج ۱ ص۱۵۳)

متاخرین نے عام طور پر ممانعت کر دی ہے بوڑھی یا جوان کوئی بھی کسی نماز میں نہ نکلے۔ اس لیے کہ سب وقتوں میں فساد کا غلبہ ہے۔ پھر اس کے آگے لکھتے ہیں وَالْمُعْتَمَدُ مَنْعُ الْکُلِّ فِی الْکُلِّ یعنی معتمد (معتبر) یہی ہے کہ سب عورتیں سب نمازوں میں حاضر نہ ہوں یعنی کسی عورت کو کسی نماز کے لیے بھی نکلنے کی اجازت نہ دی جائے۔ تو اس سے بھی ثابت ہوا کہ زمانہ کے تغیر کے سبب حکم بھی متغیر ہو گیا۔ لِاَنَّ الْاَحْکَامَ تَدُوْرُ مَعَ الْعِلَّةِ۔

چوتھی مثال

گھروں میں نماز پڑھنے سے مسجدوں میں نماز کا زیادہ ثواب ہونا۔ مسجد نبوی مسجد حرام میں اس سے بھی زیادہ ثواب کا ہونا اس امر پر بیّن دلیل ہے کہ مکان متغیر ہونے

سے حکم بھی متغیر ہو جاتا ہے۔

پانچویں مثال

رمضان شریف میں اعمال صالحہ بہ نسبت دوسرے مہینوں کے کیوں فضیلت رکھتے ہیں اسی واسطے کہ بہ سبب تغیر زمان حکم متغیر ہو جاتا ہے۔

چھٹی مثال

ابتدائے اسلام میں قرآن مجید کو بلا حرکات و علامات رکوع وغیرہ لکھنا ضروری تھا۔ پھر برعایت عجم حرکات و سکنات کا لکھنا و علامات رکوع و علاماتِ آیات کا لکھنا ضروری ہو گیا۔

ساتویں مثال

ابتدا میں قرآن مجید کو فروخت کرنا اور اس کے لکھنے کی اُجرت لینا بُرا سمجھا جاتا تھا۔ مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اخیر زمانہ میں سب جواز کے قائل ہو گئے (عزیزی) اس میں بھی بسبب تغیر زمانہ حکم متغیر ہو گیا۔

آٹھویں مثال

تعلیم قرآن و اذان و امامت کی اجرت متقدمین ناجائز سمجھتے تھے۔ متاخرین نے بسبب تغیر زمانہ جواز کا فتویٰ دیا۔ كَمَا هُوَ مَبْسُوْطٌ فِیْ كُتُبِ الْفِقْهِ۔

نویں مثال

تثویب قبل اذان فجر بعد زمانہ صحابہ رضی اللہ عنہم بسبب تغیر حالات علمائے کوفہ نے شروع کی۔ پھر امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے سب نمازوں کے واسطے بسبب تغیر زمانہ اجازت دیدی۔

دسویں مثال

اذان اوّل بروز جمعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بسبب تغیر زمانہ زیادہ کی تو معلوم ہوا کہ احکام بسبب تغیر زمانہ متغیر ہو جاتے ہیں۔

گیارہویں مثال:۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ انصاف میں فرماتے

ہیں کہ سلف حدیثوں کو لکھا نہیں کرتے تھے۔ لیکن آج کتابت حدیث واجب ہوگئی اور علماء سلف نحو ولغت میں مشغول نہیں ہوتے تھے۔ لیکن آج معرفت لغت عربیہ واجب ہے۔ پھر فرماتے ہیں وشواھدا مانحن فیہ کثیر جدا یعنی اس کے بہت شواہد ہیں۔

بارہویں مثال

علامہ ابن القیم اعلام الموقعین میں فرماتے ہیں کہ تین طلاقیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک ہوتی تھیں۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بسبب تغیر زمانہ وبسبب تغیر حالات تین طلاقوں کو تین ہی شمار کیا گیا۔

جب یہ ثابت ہوگیا کہ احکام بسبب تغیر زمانہ وتغیر مکان بدل جاتے ہیں تو اب مسئلہ بناء علی القبور کو بھی اسی طرح سمجھئے کہ ابتداءً بناء علے القبور کی ممانعت ہوئی۔ مگر اب بسبب تغیر زمانہ اجازت ہوگئی۔ اس وقت قبور کی عزت واحتشام ہر ایک کے دل میں تھی۔ کوئی قبور کو پامال نہیں کرتا تھا۔ آج زندوں کی عزت وتوقیر دلوں سے اٹھ گئی ہے تو مردوں کی کون کرے۔ بندگانِ دین ومشائخ وعلماء کی قبور بھی اسی طرح روندی جاتی ہیں جس طرح کہ عوام کی۔ اس لیے نظرِ بحال زمانہ متاخرین نے بناء کے جواز کا فتویٰ دیا[1]۔ تاکہ عوام کے دلوں میں مقبور کی حرمت وعزت رہے اور اسلام کی شوکت نمایاں ہو۔ اس تقریر سے ان احادیث وعبارات فقہیہ کا جواب بھی آسان ہوگیا جو حامیانِ ابن سعود پیش کرتے ہیں۔

بعض لوگ یہ شبہ کرتے ہیں کہ اگر زمانہ کے تغیر سے احکام متغیر ہوجاتے ہیں تو چاہیے کہ زنا وسرقہ بھی جائز ہوجائے اور نماز روزہ بھی معاف ہوجائے۔

میں کہتا ہوں اس کے یہ معنی نہیں کہ آج کسی شخص کو احکام بدلنے کی اجازت ہے۔ بلکہ زمان ومکان کے تغیر سے حکم کے تغیر کی اجازت بھی شریعت نے ہی دی

---

[1] یہ فتاوی واجازتیں آگے لکھی گئی ہیں۔

ہے لان الاحکام تدا ور مع العلۃ پس زنا وسرقہ جس علت کے سبب ممنوع ہوا، وہ علت آج بھی موجود ہے۔ اس میں کوئی تغیر نہیں ہوا۔ اس لیے حکم بھی متغیر نہیں۔ بخلاف بناء علی القبور کے کہ ابتداء میں لوگوں کے دلوں میں قبور کی عزت و حرمت بہت تھی۔ نیز اس وقت پیسہ کی کمی اور ضرورتیں بیشمار تھیں۔ اشاعت اسلام و جہاد کفار سے ہی فرصت نہیں ملتی تھی۔ پھر ایسے وقت میں ان کے لیے یہی مناسب تھا کہ اپنے گھروں کو بھی معمولی بنائیں جو گرمی سردی کو روک سکیں اور مسجدوں کو بھی معمولی بنانے کا ارشاد تھا۔ اسی طرح قبروں کو بھی معمولی پتھروں سے نشان کر دینے کی اجازت تھی۔ لیکن آج نہ تو قبور کی عزت و حرمت ہے نہ پیسہ کی کمی۔ نہ جہاد وغیرہ کے لیے کوئی خرچ کی ضرورت اس لیے بسبب تغیر حالات زمانہ آج قبور کی عزت و حرمت برقرار رکھنے کے لیے قبور کے گرد چار دیواری اور اس پر قبہ بنانا اسی طرح جائز ہے۔ جس طرح مساجد کو بلند و چونہ گچ کرنا اور گھروں کی عالیشان عمارتیں بنانا۔

درصورت عدم تغیر بعض فقہاء نے حدیث جابر رضی اللہ عنہ میں جو نہی آئی ہے یا امام اعظم رحمہ اللہ سے جو کراہت بنا مروی ہے اس کو ظاہر پر حمل کر کے عدم جواز بناء کا فتویٰ دیا ہے۔ اور بعض نے بنا سے مراد بنا للسکونۃ مراد لی ہے کہ اپنی سکونت کے لیے قبور پر گھر وغیرہ بنا لینا درست نہیں۔ کہ اس میں اہل اسلام کی قبور کی اہانت ہے اور بعض نے علاء کے حقیقی معنوں کے لحاظ سے نفس قبر پر بنا منع سمجھی ہے۔ نہ حول قبر اور ظاہر ہے کہ قبے حول قبر پر ہوتے ہیں۔ نہ نفس قبر پر۔ اور بعض نے اسی نہی کو قبور عوام مسلمین پر حمل کیا۔ اور مشائخ و علماء صالحین کے قبور کو اس سے مستثنیٰ سمجھا اور وہ بھی بہ نیت فخر و تکبر و زینت و اظلال ہیئت ہو۔ تو منع۔ اور اگر زائرین و قارئین کی استراحت کے لیے یا علامت کے لیے ہو۔ کہ لوگوں کو صلحاء کی مزار کا پتہ لگ جائے تو جائز و درست ہے اور بعض نے بنا سے وہ بنا مراد لی ہے جو مشرکین قبور صالحین پر بناتے تھے۔ جن میں تصاویر ہوتی تھیں۔ اس قول کی صحیح بخاری کی حدیث سے تائید ہوتی ہے۔ جس میں حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ:-

اِذَا مَاتَ فِیْهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلٰی قَبْرِهٖ مَسْجِدًا وَصَوَّرُوْا فِیْهِ تِلْكَ الصُّوَرَ۔ (بخاری)

جب ان میں کوئی مرد صالح مرجاتا تو اس کی قبر پر مسجد تعمیر کرتے اور اس میں تصویریں بناتے۔

یہ حدیث اس حدیث کی تفسیر ہے جس میں بنا کی ممانعت ہے۔ انسی بنا سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اور اسی بناء پر حضور علیہ السلام نے یہود ونصاریٰ پر لعنت فرمائی۔ نہ وہ بنا جو کہ مشائخ وعلماء کی قبور پر بنائی جاتی ہیں۔ نہ اس میں تصویریں ہوتی ہیں۔ نہ کوئی مسلمان قبروں کی عبادت کرتا ہے۔ بلکہ یہ قبّے اور بنائیں محض بطور علامت ہوتے ہیں کہ لوگوں پر اہل اللہ کی قبور کا نشان رہے اور علامت کا رکھنا حدیث سے ثابت ہے اور آیت شریفہ ذٰلِكَ اَدْنٰی اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ کی حکمت جلیلہ پر غور کیا جاوے تو صاف سمجھ آجاوے کہ بنائے قبہ جات بھی اسی لیے ہے کہ اہل اللہ کا مزار پہچانا جائے اور روندا نہ جائے۔ علاوہ اس کے احادیث میں بیشتر نواہی ایسے وارد ہیں جو محض تنزیہی ہیں اور کئی ایسے امور ہیں جو بلفظ نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احادیث میں نہی آئی ہے لیکن محدثین میں سے کسی نے ان امور کو ناجائز وحرام نہیں کہا۔ مثلاً روزانہ کنگھا کرنا۔ جائے غسل میں پیشاب کرنا۔ کمر پر ہاتھ رکھنا۔ کھڑے ہو کر پانی پینا۔ گرم طعام کھانا۔ پیاز لہسن کچا کھانا اسی طرح بناء علے القبور ناجائز یا حرام نہیں۔ غاتہ مافی الباب مکروہ تنزیہی کہو گے اور مکروہ تنزیہی جواز کے مخالف نہیں۔

(۱) علامہ علی قاری رحمہ اللہ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ثانی صفحہ ۳۷۲ میں لکھا ہے۔

قَدْ اَبَاحَ السَّلَفُ الْبِنَاءَ عَلٰے قَبْرِ الْمَشَائِخِ وَالْعُلَمَاءِ الْمَشْهُوْرِیْنَ لِیَزُوْرَهُمُ النَّاسُ وَیَسْتَرِیْحُوْا بِالْجُلُوْسِ فِیْهِ (مرقاۃ)

علماء ومشائخ مشہورین کی قبور پر تعمیر بنا، اس لیے کہ لوگ زیارت کریں اور استراحت کریں۔ سلف اس کی اباحت کے قائل ہوئے ہیں۔ صاحب[له]

له مولانا عبد الحلیم لکھنوی والد مولانا عبد الحی نے اپنے رسالہ نور الایمان میں اسی طرح لکھا ہے ۱۲۰

مجمع البحار نے جلد ۲ ص۱۸۷ میں اور تکملہ ص۱۴۰ میں علمائے سلف سے اسکی اباحت نقل کی۔ فانظر ثمہ۔

(۲) امام بخاری صحیح میں لکھتے ہیں۔

لَمَّا مَاتَ الْحَسَنُ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ ضَرَبَتِ امْرَأَتُهُ الْقُبَّةَ عَلٰى قَبْرِهٖ سَنَةً ثُمَّ رُفِعَتْ فَسَمِعَتْ صَائِحًا يَقُوْلُ اَلَا هَلْ وَجَدُوْا مَا فَقَدُوْا فَاَجَابَهُ اٰخَرُ بَلْ يَئِسُوْا فَانْقَلَبُوْا (بخاری شریف)

جب امام حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہم فوت ہوئے تو اس کی زوجہ (فاطمہ بنت حسین رضی اللہ عنہا) نے اس کی قبر پر قُبّہ بنایا۔ ایک سال کے بعد اٹھا دیا۔ تو ہاتف سے آواز سنا کہ کیا انہوں نے جو کچھ گم کیا تھا پالیا۔ دوسرے نے جواب دیا بلکہ نومید ہوئے اور واپس ہو گئے۔

اس حدیث سے قبر پر قبہ لگانا جائز ثابت ہوتا ہے۔ اگر منع ہوتا تو امام حسین علیہ السلام کی دختر یہ کام ہرگز نہ کرتی اور ہاتف کا پکار کر کہنا منع کی دلیل نہیں بلکہ تسلی وصبر کے لیے ہے کہ سال بھر قبر پر ڈیرہ لگانے سے کیا حاصل ہوا۔ آخر ناکام واپس ہونا پڑا۔ جو مردہ تھا وہ تو واپس نہ آسکا۔

(۳ و ۴) علامہ عینی شرح صحیح بخاری میں اس حدیث کے تحت میں لکھتے ہیں۔

وَضَرَبَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَلٰى قَبْرِ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ (عینی جلد ۴ ص۱۴۹)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زینب بنت جحش رض کی قبر پر خیمہ[1] لگایا۔ پھر آگے فرماتے ہیں۔

وَضَرَبَتْ عَائِشَةُ عَلٰى قَبْرِ اَخِيْهَا فَنَزَعَهُ ابْنُ عُمَرَ۔

---

[1] مستدرک حاکم میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ زینب بنت جحش کی قبر کھودنے والوں پر گزرے وہ گرمی میں قبر کھود رہے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ اگر میں ان پر خیمہ لگادوں (تو بہتر ہوگا) اور یہ پہلا خیمہ تھا جو بقیع میں قبر پر لگایا گیا۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ کسی ضرورت کے لیے قبر پر خیمہ لگانا درست ہے۔ ۱۲

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی کی قبر پر خیمہ لگایا۔ تو ابن عمر نے اتار دیا۔

میں کہتا ہوں حضرت صدیقہ علم و اجتہاد میں بدرجہا افضل ہیں اُن کے قول و فعل کو ابن عمر کے قول و فعل پر ترجیح ہے۔

(۵) اسی عینی شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے۔

وَضَرَبَهُ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَنَفِيَّةِ عَلَى قَبْرِ ابْنِ عَبَّاسٍ۔

محمد بن حنفیہ نے حضرت ابن عباس کی قبر پر قبہ بنایا۔

توقبور پر قبے بنانا امام حسین علیہ السلام کی دختر فاطمہ کے فعل اور حضرت عمر و عائشہ صدیقہ و محمد بن حنفیہ کے فعل سے اس کا جواز ثابت ہوا۔ اور وہ جو بحوالہ مجمع البحار و مرقاۃ سلف سے بنا علی القبور کی اباحت نقل کی گئی ہے۔ شاید اس سے یہی آثار مراد ہوں چونکہ علامہ قاری و صاحب مجمع و شیخ عبد الحق دہلوی ؒ ایسے شخص نہیں کہ سلف سے بغیر ثبوت کے اباح السلف کہدیں۔ اس لیے ممکن ہے کہ ان آئمہ کے فعل کو انہوں نے اباح السلف سے تعبیر کیا ہو۔ یا ان کے سوا کسی اور سلف سے منقول ہو۔

شیخ عبد الغنی نابلسی رحمہ اللہ اپنے رسالہ کشف النور عن اصحاب القبور میں فرماتے ہیں۔

فَبِنَاءُ الْقُبَابِ عَلَى قُبُوْرِ الْعُلَمَاءِ وَالْاَوْلِيَاءِ وَالصُّلَحَاءِ اَمْرٌ جَائِزٌ اِذَا قُصِدَ بِذٰلِكَ التَّعْظِيْمُ فِيْ عَيْنِ الْعَامَّةِ حَتّٰى لَا يَحْتَقِرُوْا صَاحِبَ هٰذَا الْقَبْرِ (روح البیان ص ۸۷۹ جلد ۱)

قبوں کا علما، و اولیا و صلحا کی قبور پر بنانا جائز امر ہے۔ جبکہ اس میں عام لوگوں کی نظروں میں تعظیم کا قصد ہو تاکہ لوگ اس قبر والے کو حقیر نہ سمجھیں۔

(۶) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں۔

اِذَا اَعْلَى الْقَبْرَ لِغَرَضٍ صَحِيْحٍ لَا بِقَصْدِ الْمُبَاهَاةِ جَازَ (فتح الباری ص ۷۹۹ پ ۵)

اگر قبر غرض صحیح کے لیے بلند کرے فخر و مباہات کا قصد نہ ہو تو جائز ہے۔

(۷) علامہ شامی ردالمحتار جلد اوّل صفحہ ۶۶۱ میں فرماتے ہیں۔

وَفِي الْاَحْكَامِ عَنْ جَامِعِ الْفَتَاوٰى وَقِيْلَ لَا يُكْرَهُ الْبِنَاءُ اِذَا كَانَ الْمَيِّتُ مِنَ الْمَشَائِخِ وَالْعُلَمَاءِ وَالسَّادَاتِ الخ قُلْتُ لٰكِنْ هٰذَا فِي غَيْرِ الْمَقَابِرِ الْمُسَبَّلَةِ كَمَا لَا يَخْفٰى (شامی)

احکام میں جامع الفتاویٰ سے ہے کہ کہا گیا ہے کہ جب میت مشائخ وعلماء وسادات سے ہو تو (اُن کی قبور پر) بنا مکروہ نہیں۔ میں کہتا ہوں لیکن یہ حکم قبرستان موقوفہ کے غیر میں ہے جیسا کہ مخفی نہیں۔

(۸) امام شافعی کتاب الام میں فرماتے ہیں۔

فَاِنْ كَانَتِ الْقُبُوْرُ فِي الْاَرْضِ يَمْلِكُهَا الْمَوْتٰى فِي حَيَاتِهِمْ اَوْ وَرَثَتُهُمْ بَعْدَهُمْ لَمْ يُهْدَمْ شَيْءٌ اَنْ يُبْنٰى فِيْهَا وَاِنَّمَا يُهْدَمُ اِنْ هُدِمَ مَا لَا يَمْلِكُهُ اَحَدٌ فَهَدْمُهُ لِئَلَّا يُحْجَرَ عَلَى النَّاسِ مَوْضِعُ الْقَبْرِ فَلَا يُدْفَنُ فِيْهِ اَحَدٌ فَيَضِيْقُ ذٰلِكَ بِالنَّاسِ (کتاب الام صفحہ ۲۴۵)

اگر قبریں ایسی زمین میں ہوں جس کے مالک موتیٰ یا اُن کے ورثہ ہوں تو پھر قبر پر جو کچھ زیادتی ہے وہ منہدم نہ کی جائے گی۔ انہدام کا حکم وہاں ہے جس کا کوئی مالک نہ ہو اور یہ انہدام وہاں بھی اس لیے ہے کہ لوگوں پر تنگی واقع نہ ہو کہ پھر ان کو قبر کی جگہ نہ ملے۔

معلوم ہوا کہ امام شافعیؒ کے نزدیک بھی قبروں کے گرانے کا مطلقاً حکم نہیں بلکہ قبرستان موقوفہ میں ہے جہاں قبور پر عمارت بنانے سے لوگوں کی تنگی ہو اور اُن کے مُردوں کے دفن کے لیے جگہ نہ ہو۔ اگر کوئی شخص اپنی مملوکہ زمین میں اپنا مردہ دفن کرے اور اس پر قبہ بنائے تو وہ نہیں توڑا جائے گا۔

اور یہ جو شامی نے کہا ہے۔

اَمَّا الْبِنَاءُ عَلَيْهِ فَلَمْ اَرَ مَنِ اخْتَارَ جَوَازَهُ

تو مراد اس سے یا تو مقابر موقوفہ ہے کہ قبرستان موقوفہ میں بنا نہ کرنا چاہیے۔

تاکہ دوسرے اموات کے لیے جگہ تنگ نہ ہو جائے یا مراد بنا سے وہ بنا ہے جو اپنی سکونت کے لیے بنائے یا وہ بنا جو بہ نیت فخر وریا ہو۔ ورنہ خود علامہ شامی جامع الفتاوی سے قول عدم کراہت بنا نقل کر چکے ہیں کما مر۔ پھر ان کا لم ار من اختار جوازہ کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے ہاں اگر لم ار سے نفی رویت بصری مراد ہو تو ممکن ہے اسلیے کہ علامہ شامی متاخرین میں اور جواز بنا متقدمین سے منقول ہے چونکہ علامہ شامی نے سلف کو جواباحت کے قائل ہیں نہیں دیکھا اس لیے لم ار فرما دیا۔ واللہ اعلم

(۹) امام بخاری صحیح میں فرماتے ہیں۔

قَالَ خَارِجَةُ بْنُ زَیْدٍ رَأَیْتُنِیْ وَنَحْنُ شُبَّانٌ فِیْ زَمَنِ عُثْمَانَ وَ اِنَّ اَشَدَّنَا وَثْبَةً اَلَّذِیْ یَثِبُ قَبْرَ عُثْمَانَ بْنَ مَظْعُوْنٍ حَتّٰی یُجَاوِزَہٗ (بخاری صفحہ ۱۸۱ جلد ۱)

یعنی خارجہ بن ثابت انصاری تابعی فرماتے ہیں میں نے اپنے آپ کو دیکھا اور ہم جوان تھے۔ زمانہ عثمان میں اور ہم میں سے بڑا چھلانگ مارنے والا وہ شخص ہوتا تھا جو عثمان بن مظعون کی قبر کو چھلانگ مار کر تجاوز کر جائے۔

معلوم ہوا کہ عثمان بن مظعون کی قبر بہت اونچی تھی جس پر سے چھلانگ مار کر تجاوز کر جانا بڑے جوان کا کام تھا اور یہ وہی عثمان ہیں جن کی قبر پر حضور علیہ السلام نے بڑا بھاری پتھر نشان کے لیے رکھا تھا۔

علامہ ابن حجر اس کی شرح میں فرماتے ہیں۔

فِیْہِ جَوَازُ تَعْلِیَةِ الْقَبْرِ وَرَفْعِہٖ عَنْ وَجْہِ الْاَرْضِ (فتح الباری ص ۹۲۹ پ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قبر کو بلند کرنا اور زمین سے اونچا کرنا جائز ہے

پھر آگے دو سطر کے بعد لکھتے ہیں۔

قَالَ ابْنُ الْمُنِیْرِ فِی الْحَاشِیَةِ اَرَادَ الْبُخَارِیُّ اَنَّ الَّذِیْ یَنْفَعُ اَصْحَابَ الْقُبُوْرِ ھِیَ الْاَعْمَالُ الصَّالِحَةُ وَ اِنَّ عُلُوَّ الْبِنَاءِ وَالْجُلُوْسَ عَلَیْہِ وَ غَیْرَ ذٰلِكَ لَا یَضُرُّ بِصُوْرَتِہٖ وَ اِنَّمَا یَضُرُّ بِمَعْنَاہُ اِذَا تَکَلَّمَ الْقَاعِدُوْنَ عَلَیْہِ بِمَا یَضُرُّ مَثَلًا (فتح الباری)

کہا ابن منیر نے حاشیہ میں کہ بخاری نے ارادہ کیا کہ اہل قبور کو ان کے اعمال صالحہ نفع دیتے ہیں (قبور پر) بنا کا اونچا کرنا اور اس پر بیٹھنا وغیرہ صورتاً مضر نہیں۔ البتہ اس کے معنے کے لحاظ سے مضر ہے جبکہ بیٹھنے والے اس پر بیہودہ باتیں کریں۔

معلوم ہوا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک بھی قبر پر بنا صورتاً مضر نہیں ہے۔

(۱۰) مولانا سلامت اللہ نے براہین لائحہ میں بحوالہ تحقیق الحق المبین مولفہ شاہ احمد سعید رح لکھا ہے۔

"پختہ ساختن قبر از بالا جائز است بلا کراہت کما فی الدر المختار و شرحہ و تعمیر نمودن گنبد را نیز صاحب در المختار علیہ رحمۃ اللہ العزیز الغفار فتویٰ دادہ است و فی شرحہ المسمے بطوالع الانوار آید قولہ ایضا حیث قال وَلَا یُرْفَعُ عَلَیْہِ بِنَاءٌ وَقِیلَ لَا بَاسَ بِہٖ اَیْ بِالتَّطْیِیْنِ وَالْبِنَاءِ اَمَّا الْاَوَّلُ فَلِمَا فِی الْخُلَاصَۃِ وَلَا بَاسَ بِالتَّطْیِیْنِ وَاَمَّا الثَّانِیْ فَلِمَا نُقِلَ فِی الْاِمْدَادِ عَنِ الْفَتَاوٰی الْکُبْرٰی مَا نَصُّہٗ وَالْیَوْمَ اِعْتَادُوا التَّسْنِیْمَ بِاللَّبِنِ صِیَانَۃً لِلْقَبْرِ عَنِ النَّبْشِ وَرَاَوْا ذٰلِکَ حَسَنًا وَقَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ مَا رَاٰہُ الْمُسْلِمُوْنَ حَسَنًا فَھُوَ عِنْدَ اللّٰہِ حَسَنٌ وَاِنْ خِیْفَ مَعَ التَّسْنِیْمِ وَرَشِّ الْمَاءِ عَلَیْہِ فَلَا بَاسَ بِحَجَرٍ یُوْضَعُ اَوْ اٰجُرٍ فَالْاٰجُرُ لَا یُکْرَہُ عَلَی الظَّاھِرِ وَفِی الْغِیَاثِیَۃِ وَعَلَیْہِ الْفَتْوٰی۔

قبر کو اوپر سے پختہ کرنا بلا کراہت جائز ہے جیسا کہ در المختار اور اس کی شرح میں ہے اور صاحب در المختار علیہ الرحمۃ نے گنبد بنانے کا بھی فتویٰ دیا ہے اور طوالع الانوار میں بھی اس قول کی تائید ہے، چنانچہ فرمایا ہے کہ اس پر رفع بنا نہ کیا جائے اور بعض نے کہا ہے کہ کوئی مضائقہ نہیں یعنی کہگل اور بنا کرنے میں۔ کہگل میں اس لیے کہ خلاصہ میں ہے کہ کہگل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور بنا اس لیے کہ امداد میں فتاویٰ کبریٰ سے منقول ہے کہ لوگوں نے قبر کو اکھڑ جانے سے محفوظ رکھنے کے لیے کچی اینٹ سے کوہان شتر کی طرح بنانے کی عادت کرلی ہے اور اس کو اچھا سمجھا ہے اور حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ مسلمان جس بات کو اچھا سمجھیں وہ اللہ

کے نزدیک بھی اچھی ہوتی ہے اور اگر کوہان کی طرح بنانے اور اس پر پانی چھڑکنے کے باوجود بھی خوف اکھڑ جانے کا ہو۔ تو کوئی ہرج نہیں۔ کہ پتھر یا پختہ اینٹ رکھی جائے اور پختہ اینٹ ظاہر قبر پر مکروہ نہیں غیاثیہ میں اسی پر فتویٰ ہے۔

علامہ شامی نے بحوالہ فتاویٰ کبریٰ ایسا ہی لکھا ہے۔

(۱۱) مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر پر بڑا بھاری پتھر اٹھا کر رکھا اور فرمایا۔

اُعْلِمُ بِهَا قَبْرَ اَخِیْ وَ اُدْفِنُ اِلَیْهِ مَنْ مَاتَ مِنْ اَهْلِیْ

میں اس پتھر کے ساتھ اپنے بھائی کی قبر کا نشان کرتا ہوں اور جو میرے اہل سے فوت ہوگا اس کے پاس اس کو دفن کر دوں گا۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے مشکوٰۃ شریف کی شرح میں ایک روایت لکھی ہے۔ جس سے دو پتھروں کا رکھنا ثابت ہوتا ہے۔ ایک سر کی طرف۔ ایک پائنتی کی طرف بہر حال اس حدیث سے قبر پر نشان رکھنا کہ پہچانی جاوے۔ مستحب یا کم سے کم جائز ثابت ہوتا ہے اور جو لوگ کہتے ہیں کہ قبر سے جو مٹی نکلے اس سے زائد مٹی قبر پر ڈالنا جائز نہیں۔ وہ اس حدیث میں خیال کریں کہ جب بڑا بھاری پتھر جو قبر کی مٹی سے یقیناً زائد ہے۔ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود قبر پر رکھا تو زائد مٹی کیوں منع ہو گی۔ افسوس آج یہ قبر جس کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے پتھر رکھ کر نشان قائم کیا تھا بے نشان کر دی گئی۔ اے خدا تو ان ظالموں کو بے نشان کر دے آمین۔ نیز علماء و صلحاء کی مزارات پر قبر یا گنبد بنوانا عرف میں شعار و علامت ہو گیا ہے۔ جس سے صلحاء کی پہچان ہوتی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ مشائخ مشہورین و علماء صالحین کے مزارات پر قبہ بنانا بے اصل نہیں۔ ان قبوں کا یہ بھی فائدہ ہے کہ کوئی اجنبی شخص کسی شہر میں گیا وہاں گنبد دار روضہ دیکھا تو وہ نو وارد بھی خیال کریگا کہ یہ کسی ولی اللہ کی مزار ہے چلو زیارت سے مشرف ہو آئیں۔ وہ آئے گا فاتحہ پڑھے گا اس لیے یہ بھی اعلم بها قبر اخی کے فرد میں داخل ہے۔

(۱۲) تیسیر القاری ترجمہ صحیح بخاری میں ہے۔

گویند تجویز غلانیدن جریدہ بر گور رابے نمود کہ گور را از زمین بلند آوردن و خیمہ بر وے زدن روا باشد۔

حدیث جریدہ سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ قبر کو زمین سے بلند کرنا اور اس پر خیمہ لگانا جائز ہو۔

کیونکہ جب جریدہ کی تسبیحات میت کے لیے فائدہ کرتی ہیں تو خیمہ یا خانقاہوں میں بیٹھ کر جو لوگ قرآن شریف یا دوسرے وظائف پڑھیں گے تو بطریق اولیٰ میت کے لیے نفع پہنچے گا۔ تو قارئین کرام کے دھوپ یا بارش سے بچنے کے لیے قبر پر خیمہ یا قبہ بنا لیا جائے تو بہتر ہے۔ تاکہ زائرین آرام سے درود شریف، قرآن شریف پڑھنے کے لیے بیٹھ سکیں۔

(۱۳) جذب القلوب میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے۔

عمر بن عبدالعزیز بحکم ولید بن عبدالملک آنرا ہدم کردہ بحجارہ منقوشہ برآورد و بر ظاہر آں خطیرہ دیگر بنا کرد۔

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ولید بن عبدالملک کے حکم سے حجرہ شریفہ کو شہید کر کے عمدہ عمدہ منقش پتھروں سے گنبد اطہر تعمیر کرایا۔

یہ تو ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ شریف پر گنبد عالی بنا ہوا ہے اور یہ بھی مخفی نہیں کہ حجرہ شریفہ کی تعمیر صحابہ کے زمانہ میں ہوئی اس وقت کسی صحابی یا تابعی سے انکار مروی نہیں۔ نہ کسی نے حدیث منع بنا کی پیش کی۔ اگر روضہ شریف کو اس حکم سے مستثنیٰ کیا جاتا ہے تو اس استثنا کی کوئی دلیل چاہیے۔ اگر اس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہو تو سیدنا ابوبکر و سیدنا عمر رضی اللہ عنہما بھی تو اسی حجرہ شریفہ میں مدفون ہیں۔ ان کے لیے اس بنا، علی القبر کو کیوں جائز رکھا گیا۔ معلوم ہوا کہ صلحاء کی قبور پر قبے بنانا منع نہیں۔ اگر منع ہوتا تو صحابہ و تابعین و تبع تابعین ضرور منع فرماتے۔ بلکہ ہرگز بننے نہ دیتے۔ اگر یہ کہا جاوے کہ حجرہ شریفہ کی

عمارت دفن سے پہلے بنی ہوئی تھی اور ممنوع وہ ہے جو دفن کے بعد ہو۔
میں کہتا ہوں بخاری شریف میں ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ولید بن عبدالملک کے عہد میں جبکہ روضۂ مطہرہ کی دیوار گری۔ تو اس کی تعمیر کرنے لگے تو ایک قدم ظاہر ہوا۔ لوگ گھبرا گئے کہ یہ قدم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ کوئی پہچاننے والا نہ تھا۔ حضرت عروہ نے کہا کہ یہ قدم مبارک حضرت عمر کا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں ہے (صحیح بخاری ص۱۸۶ جلد ۱)
اس روایت سے ثابت ہوا کہ دیوار گرنے کے بعد از سرِ نو تعمیر ہوئی یہ قبر پر بنا ہے اور یہ بنا بعد دفن ہوئی اور اس کے ناظم حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ راشد تھے۔
(۱۴) شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح سفر السعادات میں فرماتے ہیں۔
کہ در آخر زمان بجہت اقتصار نظر عوام بر ظاہر مصلحت در تعمیر و ترویج مشاہد و مقابر مشائخ و عظماء رضی اللہ عنہم اجمعین دیدہ چیزہا افزودند تا از آنجا ابہت وشوکت اسلام و ارباب صلاح پدید آید، خصوصاً در دیار ہندوستان کہ اعدائے دین از ہنود و کفار بسیار اند و ترویج اعلاء اہل اسلام ایں مقامات متبرکہ را کہ باعث رعب و انقیاد ایشان است و لبسا اعمال ہا و افعال و اوضاع کہ در زمان سلف از مکروہات بودہ اند۔ در زمان از مستحسنات گشتہ۔
ترجمہ اس عبارت کا یہ ہے کہ ہندوستان میں اعدائے دین کفار بہت ہیں اس لیے کہ شوکت اسلام ظاہر ہو ان مقامات متبرکہ کو بلند کرنا باعث رعب ہے اور سلف کے زمانہ میں بہت اعمال و افعال جو کہ مکروہات میں تھے۔ اخیر زمان میں مستحسنات میں سے ہوئے، چونکہ ہم پیچھے لکھ آئے ہیں کہ بسبب تغیر زمان احکام متغیر ہو جاتے ہیں پس اس لحاظ سے اگر کسی زمانہ میں قبوں کا مزارات پر بنانا مکروہ سمجھا گیا تو اس زمانہ میں اس لیے کہ شوکت اسلام ظاہر ہو مستحسن ہوا۔
(۱۵) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰہِ فَاِنَّھَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ

کہ جو شخص شعائر اللہ کی تعظیم کرے پس تحقیق وہ تقویٰ قلوب سے ہے۔

امام نووی نے مقدمہ شرح مہذب میں اور علامہ نورالدین علی سمہودی نے جواہر العقد میں لکھا ہے کہ علمائے دین اعظم شعائر اللہ میں سے ہیں۔ اوالمرادُ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰہِ اَعْلَامُ دِیْنِہٖ وَھُوْمِنْ اَعْظَمِ حُرُمَاتِ دِیْنِہٖ۔

حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ نے الطاف القدس میں یہی معنے لکھے ہیں۔ چنانچہ فرمایا۔

شعائر اللہ عبارت از قرآن وپیغامبر وکعبہ واولیاء اللہ ست وہرچہ منتسب بخدا بود۔ انتہیٰ۔

معلوم ہوا کہ حضرات علماء ومشائخ شعائر اللہ میں داخل ہیں اور شعائر اللہ کی تعظیم مطلوب ہے۔

(۱۶) شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوت جلد اول ص۲۲۳ میں فرماتے ہیں۔

درمطالب المومنین گفتہ است کہ مباح داشتہ اند سلف کہ بنا کردہ شود بر قبر مشائخ وعلمائے مشہور تا زیارت کنند ایشان را مردم واستراحت یابند دراں ونشینند درسایہ آں۔ ونقل کردہ است آنرا از مفاتیح شرح مصابیح وگفتہ است کہ دیدم بہ بخارا قبور کہ عمارت کردہ شدہ است بخشتہائے تراشیدہ، وہ تجویز کرد آنرا اسمٰعیل زاہد کہ از مشاہیر فقہاء است۔ انتہیٰ۔

مطالب المومنین میں ہے کہ سلف نے مشائخ وعلمائے مشہورین کے قبور پر بنا کرنا مباح رکھا ہے تاکہ لوگ زیارت کریں اور آرام پائیں اور اس کے سایہ میں بیٹھیں۔ نقل کیا اس نے مفاتیح شرح مصابیح سے۔ اور کہا کہ میں نے بخارا میں دیکھا کہ اینٹوں کے ساتھ قبریں عمارت کی ہوئی ہیں۔ اس کو اسمٰعیل زاہد نے جو کہ مشاہیر فقہاء سے ہے جائز رکھا ہے۔

(۱۷) کفایہ حاشیہ ہدایہ مطبوعہ مصر کے صفحہ ۱۰۰ میں ہے۔

وَاِنْ اُهِيْلَ التُّرَابُ عَلَيْهِ لَا بَاسَ بِالْحَجَرِ وَالْاٰجُرِّ وَكَذَا اعْلَى الْقَبْرِ اِنْ اُحْتِيْجَ اِلَى الْكِتَابَةِ وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ بِقَاضِيْ خَان وَلَا بَاسَ بِكِتَابَةِ شَيْئٍ اَوْ يُوْضَعُ الْاَحْجَارُ عَلَى الْقَبْرِ لِيَكُوْنَ عَلَامَةً۔

اگر قبر پر مٹی ڈالی جائے پھر کوئی ڈر پتھر اور اینٹ پختہ لگانے کا نہیں اسی طرح قبر پر (کوئی ڈر نہیں) اگر کچھ لکھنے کی حاجت ہو۔ جامع صغیر قاضی خاں میں ہے کہ قبر پر لکھنے اور پتھروں کے رکھنے کا کوئی مضائقہ نہیں تاکہ علامت رہے۔

(۱۸) اللہ تعالیٰ اصحاب کہف کے حال میں فرماتا ہے۔

اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَسْجِدًا

اصحاب کہف کا حال ظاہر ہونے پر لوگ اُن کے بارہ میں جھگڑنے لگے کہ اُن کے غار پر عمارت بنا دو۔ ان کا پروردگار اُن کے حال سے خوب واقف ہے۔ جو لوگ ان کے معاملہ میں غلبہ رکھتے تھے انہوں نے کہا کہ ہم ان کے غار پر مسجد بنائیں گے۔

آیت کا مضمون صاف ہے قبور پر بنا کی اجازت نکلتی ہے۔

علامہ شہاب خفاجی حاشیہ بیضاوی میں لکھتے ہیں۔

وَكَوْنُهُ مَسْجِدًا يَدُلُّ عَلٰى جَوَازِ الْبِنَاءِ عَلٰى قُبُوْرِ الصُّلَحَاءِ وَنَحْوِهِمْ كَمَا اَشَارَ اِلَيْهِ فِي الْكَشَّافِ وَجَوَازِ الصَّلٰوةِ فِيْ ذٰلِكَ الْبِنَاءِ

اس کے مسجد ہونے سے سمجھا جاتا ہے کہ صلحاء کی قبور پر بنا جائز ہے جیسا کہ کشاف میں اس کی طرف اشارہ ہے اور یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ اس بناء میں نماز جائز ہے۔

جس حدیث میں قبور کو مسجد بنانے کی ممانعت ہے وہ نفس قبور کو سجدہ گاہ بنانے کے بارہ میں ہے نہ یہ کہ صلحاء کے جوار میں بھی مسجد نہ بنائی جائے۔

(۱۹) مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی نے بستان المحدثین صہ ۱۱۳ میں علامہ کرمانی شارح صحیح بخاری کے حالات میں لکھا ہے۔

کہ در ایامِ حیاتِ خود برائے خود قبرے و عافیت خانہ در جوار قبر حضرت شیخ شیخ ابواسحاق شیرازیؒ درست ساختہ بود و بالائے آں قبہ عالی ترتیب کردہ۔ در ہماں مقام مدفون شد

علامہ موصوف نے اپنی زندگی میں اپنے لیے قبر بنوائی اور اس پر عالیشان قبہ بنوایا پھر اسی میں مدفون ہوئے۔ نَثْبَتَ مَا قُلْنَا۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے بناء علی القبور کا جواز

وَمِنْ ذٰلِكَ قَوْلُ الْاَئِمَّةِ الثَّلَاثَةِ اَنَّ الْقَبْرَ لَا يُبْنٰى وَلَا يُجَصَّصُ مَعَ قَوْلِ اَبِىْ حَنِيْفَةَ بِجَوَازِ ذٰلِكَ (میزان شعرانی جلد اول صہ ۱۱۱)

بعض ان اختلافی مسائل سے قول ائمہ ثلاثہ کا ہے کہ قبر (پر) بنا نہ کی جائے نہ چونہ گچ کی جائے اور قول ابی حنیفہ کا اس کے جواز میں ہے۔

وَلَا تُبْنٰى الْقُبُوْرُ وَلَا تُجَصَّصُ عِنْدَ الثَّلَاثَةِ وَجَوَّزَ ذٰلِكَ اَبُوْحَنِيْفَةَ (رحمۃ الامۃ بر حاشیہ میزان)

قبر پر بنا نہ کی جائے نہ گچ کی جاوے تینوں اماموں کے نزدیک اور ابوحنیفہؒ نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔

اسی طرح بدایۃ المجتہد جلد اوّل کے صفحہ ۱۹۴ میں ہے۔

كَرِهَ مَالِكٌ وَالشَّافِعِىُّ تَجْصِيْصَ الْقُبُوْرِ وَاَجَازَ اَبُوْحَنِيْفَةَ

امام مالک و شافعی نے قبروں کا گچ کرنا مکروہ جانا اور ابوحنیفہؒ نے جائز رکھا

یہ عبارت زمیندار ۳۰ ستمبر ۱۹۲۵ء سے نقل کی گئی ہے۔ ان تینوں شہادتوں سے ثابت ہوا کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے جواز بنا کی روایت موجود ہے تو اب مقلدین نجدین کا عمل اپنے امام کے قول پر رہا۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک ::

مسئلہ ہدم قباب یعنی قبوں کا گرانا

اخیر میں حسب وعدہ اس مسئلہ کو بھی صاف کر دینا چاہتا ہوں کہ قبوں کا گرانا جائز ہے یا نہیں۔ اخبار الفقیہ مورخہ ۷ر اکتوبر ۱۹۲۵ء میں ایک مضمون فقیر کی طرف سے شائع ہوا تھا۔ یہاں اسی کا نقل کر دینا کافی سمجھتا ہوں۔ وہ یہ ہے۔

جب سے ابن سعود نجدی نے مکہ معظمہ پر قبضہ کیا ہے اسلامی دنیا میں ایک فتنہ برپا ہو گیا ہے۔ طائف اور مکہ شریف میں اس کے مظالم کی کوئی حد نہیں رہی۔ سو سال کے بعد ان سرکشوں نے پھر سر اٹھایا ہے، مزارات کے قبے گرائے گئے وہ مکان جو مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے جہاں حضور علیہ السلام عالم دنیا میں تشریف لائے اس کی بے حرمتی کی گئی۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جن کو ہند کے وہابی بھی حکیم الامت مانتے ہیں وہ جس مکان میں زمین سے آسمان تک رحمت اور برکت کے انوار مشاہدہ کریں آج نجدیوں نے اسے پامال کر دیا اور وہابیان ہند ان کی حمایت میں اس مکان کا مولد النبی علیہ السلام ہونا ہی مشکوک سمجھ رہے ہیں۔ شاید کعبۃ اللہ و روضہ نبوی کو بھی مشکوک کہدیں تو عجب نہیں۔ فانا لِلّٰہِ وانا الیہ راجعون۔

ایڈیٹر اہلحدیث نے تو یہاں تک غلو کیا کہ ابن سعود کو سلطان محمود غزنوی علیہ الرحمۃ سے مشابہت دی اور لکھا کہ محمود غزنوی نے سومنات کے بت کو توڑا۔ اگر سلطان غزنوی کا فعل شرعاً جائز تھا تو سلطان نجد یا ان کی افواج کا یہ فعل (قبوں کا گرانا) بھی جائز ہے۔ اگر غزنوی کا فعل ناجائز تھا تو یہ بھی ناجائز ہے۔

(اہلحدیث ۲۴ مورخہ ۴ر ستمبر ۱۹۲۵ء)

میں کہتا ہوں کہ اہل ہنود کی طرف سے سلطان غزنوی علیہ الرحمۃ کی بُت شکنی کا بدلہ اس مسلم نما وہابی نے اس طرح لیا کہ مسلمانوں کی مقدس یادگاروں کے قبے توڑ کر اہل اسلام کے دلوں کو صدمہ پہنچایا۔ افسوس اگر اس کو شوق جہاد تھا تو کیا مسلمان

اور وہ بھی حرمین شریفین کے سکان ہی اس کی گولبوں کے نشانہ رہ گئے تھے۔ کچھ تو کعبۃ اللہ کا پاس ہوتا۔ ہائے وہ شہر جس کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ھُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ اِلٰی يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔ جس کا کانٹا درخت کاٹنا بھی درست نہیں۔ جس میں کسی کو حمل سلاح حلال نہیں۔ جس میں خونریزی حرام ہے۔ جس میں حضور علیہ السّلام کو صرف ایک ساعت کے لیے قتال کی اجازت ہوئی پھر کسی کو اجازت نہیں ہوئی۔ آج اس شہر میں نجدیوں کے ہاتھوں جو مظالم ہوئے وہ اہل علم سے مخفی نہیں۔

اہل ہنود تو سومنات کے بت کی پرستش کرتے تھے بخلاف اہل اسلام کے کہ وہ نہ قبوں کی پرستش کرتے ہیں نہ عبادت۔ صرف یہ قبے ایک علامت تھے۔ جن سے صاحب قبر کی عظمت وعزت معلوم ہوتی تھی۔ اور بس۔ اور علامت کا رکھنا حدیث اُعْلِمُ بِهَا قَبْرَ اَخِيْ سے ثابت ہے۔ (ابوداؤد)

بقول ایڈیٹر اہلحدیث اگر وہاں کوئی چڑھاوے چڑھانا تھا تو وہ قبر بلا قبہ پر بھی چڑھا سکتا ہے۔ کیونکہ چڑھاوا مقبور کے ثواب رسانی کے لیے ہوتا ہے۔ نہ قبر کے لیے۔ پھر قبوں کے گرانے میں بجز توہین قبور اور کیا فائدہ ہوا۔ ہاں اگر چڑھاوے بند کرنا مقصود تھا تو قبروں پر پہرہ بٹھا دیا جاتا۔ کہ کوئی چڑھاوا نہ چڑھائے۔ صرف قبے گرانے سے چڑھاوے بند نہیں ہو سکتے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درخت کاٹنے کی مثال بھی صحیح نہیں۔ اس لیے کہ وہ درخت جس کے نیچے حضور علیہ السلام نے صحابہ کرام کو بیعت کیا، خود صحابہ پر مخفی ہو گیا۔ چنانچہ بخاری شریف میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ کہا انہوں نے۔

رَجَعْنَا مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ فَمَا اجْتَمَعَ مِنَّا اِثْنَانِ عَلٰی شَجَرَةِ الَّتِيْ
بَايَعْنَا تَحْتَهَا كَانَتْ رَحْمَةً مِنَ اللّٰهِ۔

ہم آئندہ سال اس جگہ آئے جہاں بیعت الرضوان ہوئی تھی، تو دو آدمی بھی

اس درخت پر متفق نہ ہوئے۔ جس کے نیچے ہم نے بیعت کی یعنی اس درخت کا صحیح پتہ کسی کو نہ رہا اور وہ درخت یا اس کا اخفا خدا تعالےٰ کی رحمت تھا۔ اسی طرح مسیب فرماتے ہیں۔

لَقَدْ رَاَیْتُ الشَّجَرَۃَ ثُمَّ اَتَیْتُھَا بَعْدُ فَلَمْ اَعْرِفْھَا۔

میں نے وہ درخت دیکھا۔ پھر میں آیا۔ تو میں پہچانتا نہ تھا کہ کونسا درخت ہے۔

دوسری روایت میں ہے۔

نَسِیْنَاھَا وَلَمْ نَقْدِرْ عَلَیْھَا۔

ہم اس کو بھول گئے اور اس پر قادر نہ ہو سکے کہ کونسا درخت ہے،

سعید بن مسیب فرماتے ہیں۔

اِنَّ اَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمْ یَعْلَمُوْھَا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو تو اس درخت کا علم نہیں۔

تو جب صحابہ کو اس کا پتہ ہی نہیں رہا تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کاٹا۔ تو کس درخت کو کاٹا۔

(ثانیاً) اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کاٹ دیا اس خیال سے کہ اس درخت کی پرستش شروع نہ ہو جائے تو ابن سعود کو نہ صرف قبے اکھیڑنے چاہیے بلکہ قبروں کا نام ونشان ہی مٹا دینا چاہیے تھا۔ کیونکہ جب تک قبروں کا وجود رہے گا معتقدین زیارت سے مستفیض ہوتے رہیں گے اور چڑھاوے چڑھاتے رہیں گے اور وہابیوں کے دلوں سے پرستش کا وہم ہرگز زائل نہ ہوگا۔ اگر ایسا کر دیں گے (اور ان سے کچھ بعید نہیں)، تو ممکن ہے کہ کوئی چڑھاوے نہ چڑھائے۔ لیکن ایسا کرنا خود حدیث کے خلاف مانتے ہیں۔ کیونکہ قبر کو مسنم یا مسطح علی اختلاف الاقوال کرنا اور اس کا نشان قائم رکھنا احادیث سے ثابت ہے تو بہرحال وہابیوں کا یہ فعل کسی طرح محمود غزنوی علیہ الرحمۃ سے مشابہت نہیں رکھتا۔

(ثالثاً) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درخت کاٹنے سے استدلال کر کے قبوں

کے گرانے کا جواز یا وجوب سمجھنا قیاس ہے اور قیاس مجتہد کا کام ہے اور اس زمانہ میں کوئی مجتہد نہیں۔

ہاں وہ حدیث جو اہلحدیث ۳ر اکتوبر میں اور عبدالحق فاروقی کے مضمون میں اور مانسہروی کے مطبوعہ اشتہار میں اور قریشی کے مزارات حجاز میں صحیح مسلم سے نقل کی ہے ہم چاہتے ہیں کہ اس کی تحقیق کریں۔ اس حدیث کے سوا کوئی ایسی اور حدیث ہادمین قبہ کے مضامین میں میری نظر میں نہیں گذری جس سے قبوں کا گرانا دینی حکم یا ثواب سمجھا جائے۔ بہرحال وہ حدیث یہ ہے۔

عَنْ اَبِی الْهَیَاجِ الْاَسَدِیِّ قَالَ قَالَ لِیْ عَلِیٌّ اَلَا اَبْعَثُکَ عَلٰی مَا بَعَثَنِیْ عَلَیْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ لَا تَدَعَ تِمْثَالًا اِلَّا طَمَسْتَهٗ وَلَا قَبْرًا مُشْرِفًا اِلَّا سَوَّیْتَهٗ (مسلم صـ۳۱۲ جلد اول)

حضرت علی نے ابوہیاج اسدی کو فرمایا کہ کیا میں تمہیں اس کام کے لیے نہ بھیجوں جس کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھیجا تھا یہ کہ کوئی تصویر نہ چھوڑ مگر کہ مٹادے اس کو اور نہ کوئی قبر بلند کہ برابر کردے اس کو۔

وہابیان ہند اس حدیث سے استدلال کر کے قبوں کے گرانے کو دینی حکم سمجھتے ہیں اور ابن سعود کے اس فعل کو تعمیل حکم نبوی مانتے ہیں حالانکہ اس حدیث کی سند میں حبیب بن ثابت ایک راوی ہے جو ابو وائل سے بلفظ عن روایت کرتا ہے حبیب مذکور مدلس ہے اور مدلس کی معنعن محدثین کے نزدیک قابل حجت نہیں ہوتی۔ اس لیے یہ حدیث قابل حجت نہیں۔

حافظ ابن حجر طبقات المدلسین میں فرماتے ہیں۔

حَبِیْبُ بْنُ اَبِیْ ثَابِتٍ الْکُوْفِیْ تَابِعِیٌّ مَشْهُوْرٌ یُکْثِرُ التَّدْلِیْسَ

لہ اس مضمون کے طبع ہو جانے کے بعد رسالہ تحریک وہابیت میں مولوی ثناء اللہ نے حدیث من رای منکم منکرا لکھی ہے جسکا جواب اس مضمون میں دیا جائیگا انشاء اللہ۔ مسند احمد میں حضرت علی رضی کی حدیث چند اسناد سے مروی ہے وہ سب ضعیف ہیں ۱۲

وَصَفَهُ بِذَالِكَ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَالدَّارُ قُطْنِيُّ وَغَيْرُهُمَا وَنَقَلَ اَبُوْ بَكْرُ بْنُ عَيَّاشٍ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْهُ اَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ لَوْ اَنَّ رَجُلاً حَدَّثَنِيْ عَنْكَ مَا بَالَيْتُ اَنْ رَوَيْتُهُ عَنْكَ يَعْنِيْ اَسْقَطْتُهُ مِنَ الْوَسَطِ ۔

حبیب بن ابی ثابت مشہور تابعی ہیں تدلیس بہت کیا کرتے ہیں ابن خزیمہ ودارقطنی وغیرہما نے اس کی یہ وصف بیان کی ہے، اعمش کہتے ہیں کہ حبیب فرمایا کرتے تھے اگر کسی آدمی نے مجھے تجھ سے حدیث روایت کی ہو تو میں اس کو درمیان سے ساقط کر کے تجھ سے روایت کر لینے میں پرواہ نہیں کرتا۔

معلوم ہوا کہ وہ مدلس ہے اور خود تدلیس کا اقرار کرتا ہے۔

حافظ ابن حجر تہذیب التہذیب میں فرماتے ہیں۔

قَالَ ابْنُ حِبَّانَ فِي الثِّقَاتِ كَانَ مُدَلِّسًا پھر آگے لکھا ہے قَالَ ابْنُ خُزَيْمَةَ فِيْ صَحِيْحِهِ كَانَ مُدَلِّسًا ۔

ابن حبان نے ثقات میں ابن خزیمہ نے صحیح میں لکھا ہے کہ حبیب مدلس تھا۔ نیز حافظ ابن حجر لکھتے ہیں۔

قَالَ ابْنُ جَعْفَرِ النَّحَّاسِ كَانَ يَقُوْلُ اِذَا حَدَّثَنِيْ رَجُلٌ عَنْكَ بِحَدِيْثٍ ثُمَّ حَدَّثْتُ بِهٖ عَنْكَ كُنْتُ صَادِقًا ۔

ابن حجر فرماتے ہیں کہ حبیب کہا کرتا تھا جب میرے پاس کوئی شخص تجھ سے روایت کرے پھر میں اس کو ساقط کر کے تجھ سے روایت کروں تو میں صادق ہوں گا۔

دیکھو اس میں بھی حبیب کو تدلیس کا اقرار ہے اور اصول حدیث میں مصرح ہے کہ مدلس کی معنعن حجت نہیں۔

قالہ النووی فی شرح صحیح مسلم وغیرہ وفی غیرہ۔

اگر کہا جاوے کہ یہ راوی صحیح مسلم کا ہے اور صحیحین میں جو مدلس ہیں ان کا

کسی نہ کسی طریق میں سماع ثابت ہے۔

میں کہوں گا کہ مولوی ابراہیم سیالکوٹی نے حدیث وَاِذَا قَرَءَ فَانْصِتُوْا کو جو صحیح مسلم کی حدیث ہے اسی تدلیس کے سبب قابل حجت نہیں سمجھا۔ وہاں یہ خیال نہ آیا کہ یہ مسلم کی حدیث ہے۔ علاوہ اس کے میں نے جہاں تک ہو سکا حدیث علی رضی اللہ عنہ کی اسناد کو دیکھا کسی طریق میں حبیب نے تصریح سماع نہیں کی اس لیے بھی یہ حدیث قابلِ حجت نہیں ہو سکتی۔

علاوہ اس کے اس حدیث سے قبروں کا زمین کے برابر کرنا ثابت ہوتا ہے جو حدیث شبر و احادیث تسنیم و حدیث اعلم بہا قبر اخی کے خلاف ہے۔ ہاں وہابیان نجد و ہند کو لازم ہے کہ پہلے یہ ثابت کریں کہ اہل اسلام قبروں پر قبے بنایا کرتے تھے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اُن کے گرانے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ ودونہ خرط القتاد۔

ہمارے بعض علماء نے انعام کا اشتہار دیا ہے۔ کہ

اگر کسی مسلمان کی قبر کو زمانہ نبوی میں گرایا گیا ہو تو اس کا نام اور پتہ لکھنے پر فی قبر کچھ انعام دیا جائے گا۔ مگر آج تک کسی وہابی نے کسی ایک مسلمان سے کسی صحابی یا تابعی کی قبر کا ڈھانا ثابت نہیں کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی قبور مشرکین کے تسویہ پر مامور ہوئے تھے کیونکہ ان کی کچھ عزت نہیں ان کا ہموار زمین کرنا بلکہ ہڈیوں کو بھی باہر نکال دینا احادیث سے ثابت ہے۔

علامہ ابن الترکمانی علیہ الرحمۃ جوہر النقی کے جلد اول ص۲۶۵ میں فرماتے ہیں۔

قُلْتُ الظَّاهِرُ اَنَّ الْمُرَادَ قُبُوْرُ الْمُشْرِكِيْنَ بِقَرِيْنَةِ عَطْفِ التِّمْثَالِ عَلَيْهَا وَكَانُوْا يَجْعَلُوْنَ عَلَيْهَا الْاَنْصَابَ وَالْاَبْنِيَةَ فَاَرَادَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِزَالَةَ اٰثَارِ الشِّرْكِ (جوہر النقی)

ظاہر یہ ہے کہ حدیث علی رضی اللہ عنہ میں مراد قبور مشرکین ہے اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ تمثال (تصویر) کا عطف قبر پر ڈالا گیا ہے اور مشرکین قبروں پر بت اور بنائیں

بنایا کرتے تھے۔ تو حضور علیہ السلام نے شرک کے آثار مٹانے کے لیے قبور مشرکین کے تسویہ کا حکم فرمایا۔

پس اگر اس میں قبور مشرکین مراد ہیں تو ہمیں اس میں کچھ کلام نہیں بلکہ میں کہتا ہوں کہ یہی صحیح ہے۔ کیونکہ بخاری شریف میں حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک کنیسہ کا ذکر کیا ہے جو اُس نے ارض حبشہ میں دیکھا۔ تو اُس نے جو تصویریں دیکھیں ان کا ذکر کیا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

اُولٰئِكَ قَوْمٌ اِذَا مَاتَ فِيهِمُ الْعَبْدُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلٰى قَبْرِهٖ مَسْجِدًا وَصَوَّرُوْا فِيْهِ تِلْكَ الصُّوَرَ اُولٰئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللّٰهِ۔

یہ ایک قوم ہے جب ان میں کوئی صالح بندہ فوت ہو جاتا تو اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے اور اس میں یہ تصویریں بناتے۔ یہ لوگ اللہ کے نزدیک شر المخلوق ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مشرکین قبروں پر مسجدیں اور تصویریں بناتے تھے اس لیے انھی کی قبریں گرانے اور تصویریں مٹانے کا حضور علیہ السلام نے حکم دیا کیونکہ مشرکین کی قبور کی کوئی عزت نہیں۔ خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے واسطے قبور مشرکین کے اکھیڑنے کا حکم دیا۔ (بخاری)

حافظ ابن حجر فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۲۶ میں لکھتے ہیں۔

اَمَّا الْكَفَرَةُ فَاِنَّهٗ لَا حَرَجَ فِیْ نَبْشِ قُبُوْرِهِمْ اِذْ لَا حَرَجَ فِیْ اِهَانَتِهِمْ۔

کافروں کی قبریں اکھیڑنے اور ان کی اہانت میں کوئی حرج نہیں۔

کلام تو اہل اسلام بالخصوص صحابہ کرام و اولیائے عظام کی قبور کے قبے گرانے میں ہے کہ اس میں توہین قبور اہل اسلام ہے جو بالاتفاق ممنوع ہے۔

حاکم و طبرانی عمارہ بن حزم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے مجھے ایک قبر پر بیٹھے دیکھا اور فرمایا۔

اِنْزِلْ مِنَ الْقَبْرِ لَا تُؤْذِیْ صَاحِبَ الْقَبْرِ وَلَا یُوْذِیْكَ
قبر سے اتر جا۔ نہ تو صاحبِ قبر کو ایذا دے۔ نہ وہ تجھے۔
تو وہابیوں کا قبروں پر چڑھنا اور ان کو گرانا کیا ایذا نہیں۔
حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کسی نے قبر پر پاؤں رکھنے کا مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا۔
كَمَا اَكْرَهُ اَذَى الْمُؤْمِنِ فِیْ حَيَاتِهٖ فَاِنِّیْ اَكْرَهُ اَذَاهُ بَعْدَ مَوْتِهٖ (سعید بن منصور) جس طرح زندہ مسلمان کی ایذا مجھے ناپسند ہے اسی طرح مردہ کی ایذا بھی میں ناپسند کرتا ہوں۔
علامہ شامی فرماتے ہیں۔
اِنَّ الْمَیِّتَ یَتَاَذّٰی بِمَا یَتَاَذّٰی بِهِ الْحَیُّ
جس چیز سے زندوں کو ایذا ہوتی ہے اُس سے مُردے بھی ایذا پاتے ہیں۔
حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اس کلیہ کی تصریح ہے کہ فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے۔
اَلْمَیِّتُ یُؤْذِیْهِ فِیْ قَبْرِهٖ مَا یُوْذِیْهِ فِیْ بَیْتِهٖ
میت کو جس بات سے گھر میں ایذا ہوتی ہے قبر میں بھی اس سے اذیت ہوتی ہے۔
اور ظاہر ہے کہ قبروں پر چڑھنا پاؤں سے روندنا قبوں کا گرانا مزارات کا کھودنا اب سب امور میں یقیناً اہلِ قبور کی توہین اور ایذا ہے جو ہرگز حنفی مذہب میں جائز نہیں ہے۔
میں کہتا ہوں مسجد جن و مسجد ابو قبیس مولد فاطمہ رضی اللہ عنہا و مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم و مولد ابی بکر رضی اللہ عنہ مسجد کوثر مذبح اسمٰعیل علیہ السلام کیا یہاں بھی قبریں تھیں پھر یہ مقامات کیوں منہدم کیے گئے۔ یہ کہنا کہ یہاں شرک کیا جاتا تھا بالکل غلط اور سراسر افتراء ہے۔ البتہ زائرین ان مقامات میں جاکر دعائیں مانگتے تھے اور نفل

پڑھتے تھے اور مقامات متبرکہ میں نماز پڑھنا حدیث معراج سے ثابت ہے، النسائی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ میرے پاس ایک دابہ لایا گیا جو خچر سے کم اور گدھے سے بڑا تھا۔ میں اس پر سوار ہوا۔ میرے ساتھ جبرئیل تھے کہنے لگے اتر نماز پڑھ۔ میں اترا نماز پڑھی۔ جبرئیل نے کہا اَتَدْرِیْ اَیْنَ صَلَّیْتَ صَلَّیْتَ بِطَیْبَۃَ آپ جانتے ہیں کہ آپ نے کہاں نماز پڑھی۔ آپ نے مدینہ میں نماز پڑھی ہے۔ اسی کی طرف ہجرت ہوگی۔ پھر کہا اتر نماز پڑھ۔ میں اترا اور نماز پڑھی۔ کہا اس نے آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے کہاں نماز پڑھی۔ آپ نے طور سینا پر نماز پڑھی،

جہاں موسیٰ علیہ السلام نے کلام کی تھی۔ پھر کہا، اُترا اور نماز پڑھی۔ کہا آپ کو معلوم ہے آپ نے کہاں نماز پڑھی۔ آپ نے بیت لحم میں جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تھی۔ وہاں نماز پڑھی ہے۔ پھر میں بیت المقدس میں داخل ہوا۔ وہاں سب انبیاء جمع ہوئے۔ تو جبرئیل نے مجھے آگے کیا۔ تو میں نے اُن کی امامت کرائی۔ علاوہ اس کے قرآن شریف سے ثابت ہے کہ جس زمین کے ٹکڑے پر نماز پڑھی جائے گی۔ وہ قیامت کے دن شاہد ہوگا۔ چنانچہ فرمایا یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَھَا تو اس لیے بھی ایسے متبرک مقامات کو شاہد بنالینا خوش قسمتی ہے۔ افسوس عیسیٰ علیہ السلام کی مولد شریف میں تو حضور علیہ السلام نفل پڑھیں اور اس مقام کی زیارت کریں لیکن سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مولد مبارک کو نجدی مزبلہ بنائیں تف ہے ایسی مسلمانی پر۔

اخیر میں ہم نجدیوں کے حمائیتوں سے دریافت کرتے ہیں کہ ابن سعود کی طرف سے جو اعلان شائع ہوا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ شریف کو کسی قسم کا ایذا نہ پہنچایا جائے گا۔ اس کی کیا وجہ ہے، روضہ شریف اس ممانعت میں داخل نہیں۔ جس دلیل سے وہ مزارات کے قبے گراتے ہیں کیا روضہ شریف اس سے مخصوص ہے اگر ہے تو دلیل خصوصیت بیان فرمائی جائے۔ اگر نہیں تو

ابن سعود کا یہ وعدہ کیا معنے رکھتا ہے کیا یہ طفل تسلیاں نہیں۔ بے شک ابن سعود کا محض دھوکا ہے جس کا مذہب یہ ہو لو اقدار علی الحجرۃ النبویہ لہدامتہا وہ قدرت پانے پر کب باز رہ سکتا ہے۔ فالی اللہ المشتکی من ضیع الاعداء۔

اللھم طھر ارض الحرمین الشریفین من انجاس الوھابیین النجدیین امین یارب العلمین

مزارات کے قبے گرانیوالوں پر علامہ ابن النابلسی رحمہ اللہ کا فتوٰے

علامہ اسماعیل حقی صاحب تفسیر روح البیان جلد چہارم ص۲۴ میں لکھتے ہیں۔

وفی کشف النور لابن النابلسی اَمَّا قَوْلُ بَعْضِ الْمَغْرُوْرِیْنَ بِاَنَّنَا نَخَافُ عَلَی الْعَوَامِ اِذَا اعْتَقَدُوْا وَلِیًّا مِنَ الْاَوْلِیَاءِ وَعَظَّمُوْا قَبْرَہٗ وَالْتَمَسُوْا الْبَرَکَۃَ وَالْمَعُوْنَۃَ مِنْہُ اَنْ یُّدَارِکَھُمْ اِعْتِقَادُ اَنَّ الْاَوْلِیَاءَ تُؤَثِّرُ فِی الْوُجُوْدِ مَعَ اللہِ فَیَکْفُرُوْنَ وَیُشْرِکُوْنَ بِاللہِ تَعَالٰی فَنَنْھٰھُمْ عَنْ ذٰلِکَ وَنَھْدِمُ قُبُوْرَ الْاَوْلِیَاءِ وَنَرْفَعُ الْبِنَایَاتِ الْمَوْضُوْعَۃَ عَلَیْھَا وَنُزِیْلُ السُّتُوْرَ عَنْھَا وَنَجْعَلُ الْاِھَانَۃَ لِلْاَوْلِیَاءِ ظَاھِرًا حَتّٰی تَعْلَمَ الْعَوَامُ الْجَاھِلُوْنَ اَنَّ ھٰؤُلَاءِ الْاَوْلِیَاءِ لَوْ کَانُوْا مُؤَثِّرِیْنَ فِی الْوُجُوْدِ مَعَ اللہِ تَعَالٰی لَدَفَعُوْا عَنْ اَنْفُسِھِمْ ھٰذِہِ الْاِھَانَۃَ الَّتِیْ نَفْعَلُھَا مَعَھُمْ فَاعْلَمُوْا اَنَّ ھٰذَا الصَّنِیْعَ کُفْرٌ صُرَاحٌ مَاخُوْذٌ مِنْ قَوْلِ فِرْعَوْنَ عَلٰی مَا حَکَاہُ اللہُ تَعَالٰی لَنَا فِیْ کِتَابِہِ الْقَدِیْمِ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِیْ اَقْتُلْ مُوْسٰی وَلْیَدْعُ رَبَّہٗ اِنِّیْ اَخَافُ اَنْ یُّبَدِّلَ دِیْنَکُمْ اَوْ اَنْ یُّظْھِرَ فِی الْاَرْضِ الْفَسَادَ۔

کشف النور میں علامہ ابن نابلسیؒ فرماتے ہیں یہ جو بعض مغرور کہتے ہیں کہ ہم عوام پر ڈرتے ہیں کہ جب وہ کسی ولی کے معتقد ہو جائیں گے اور اس قبر کی تعظیم کریں گے اور اس سے برکت اور امداد طلب کریں گے تو ان میں یہ اعتقاد پیدا ہو جائے گا کہ اولیاء اللہ حق سبحانہ کے ساتھ وجود میں تاثیر رکھتے ہیں تو اس اعتقاد کے سبب کافر اور مشرک ہو جائیں گے تو ہم ان کو اس سے منع کرتے ہیں اور اولیاء کی قبروں کو ڈھاتے ہیں اُن پر جو عمارتیں ہیں ان کو اٹھا دیتے ہیں اُن کے غلاف آتارتے ہیں اور ظاہر اولیاء اللہ کی اہانت کرتے ہیں تاکہ عوام لوگ معلوم کرلیں کہ یہ اولیاء اللہ اگر کچھ بھی تاثیر رکھتے تو اس اہانت کو جو ہم کرتے ہیں اپنے نفسوں سے روکتے (بعینہٖ قبّے گرانے والوں سے یہی باتیں اخباروں میں شائع ہوئیں)، پس جان لو کہ یہ کام صریح کفر ہے اور فرعون کے قول سے ماخوذ ہے جو اُس نے کہا تھا کہ مجھے چھوڑ دو میں موسیٰ کو قتل کروں اور وہ اپنے رب کو بلا دے میں ڈرتا ہوں کہ وہ تمہیں بدل دے گا یا زمین میں فساد ظاہر کرے گا۔

میں کہتا ہوں کہ اسی طرح قبّے گرانے والے کہتے ہیں کہ ہم قبّے گراتے ہیں اگر ان میں کچھ طاقت ہے تو ہمیں روکیں اور نہیں جانتے کہ اولیاء اللہ بحکم رضا الٰہی کچھ نہیں کرتے خود غیرت الٰہی ایسے لوگوں کو پکڑ لیتی ہے۔ اس لئے ہم یقین کرتے ہیں کہ وہ وقت جلد آئے گا کہ غیرت الٰہی ان ظالموں کو تباہ کرے گی۔

حدیث من رای منکم منکرا

کہتے ہیں کہ نجدیوں نے اس حدیث کی بناء پر مزارات پر سے قبّے اتارے میں کہتا ہوں پیچھے گذرا کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے جواز بنا کی روایت موجود ہے۔ سلف اس کی اباحت کے قائل ہیں، نہی تحریمی کا کوئی ثبوت نہیں تو جب اس کا منکر ہونا ہی ابھی ثبوت نہیں، تو اس حدیث کے تحت کیسے آسکتا ہے۔ اگر اس کو منکر سمجھو گے تو روضہ شریف بھی مسجد نبوی بھی کعبہ شریف بھی۔ بلکہ تمام

مسلمانوں کے دو منزلہ سہ منزلہ پختہ گھر بھی سب واجب الھدم ہوں گے۔ وہو کما ترے۔

علاوہ اس کے فصل الخطابات فی رد ضلالات ابن الوہاب میں احمد مصری لکھتے ہیں۔

تَهْدِیْمُ قُبُوْرِ شُهَدَاءِ الصَّحَابَةِ الْمَذْكُوْرِیْنَ لِاَجْلِ الْبِنَاءِ عَلٰی قُبُوْرِهِمْ ضَلَالَةٌ اَیْ ضَلَالَةٍ۔

شہدائے صحابہ رضی اللہ عنہم کی قبور کو گرانا اس لیے کہ ان کی قبروں پر قبے وغیرہ بنے ہوئے ہیں گمراہی ہے بڑی گمراہی۔

یہی علامہ اسی کتاب میں فرماتے ہیں۔

فَلَا یَقْدِمُ عَلَی الْهَدْمِ اِلَّا رَجُلٌ مُبْتَدِعٌ ضَالٌّ۔

قبوں کے گرانے میں بدعتی اور گمراہ شخص کے سوا کوئی دوسرا جرأت نہیں کرتا۔

وَلیکن ھذا آخر ما اردنا فی ھذا الباب۔ واللہ اعلم بالصواب۔

وہابیہ سے مناکحت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد حمد و صلوٰۃ

فقیر ابو یوسف محمد شریف وہابیوں کی خدمت میں عرض پرواز ہے کہ تاریخ اسلام میں جہاں بڑے بڑے حوادث رونما ہوئے وہاں ایک حادثہ یہ بھی ہے کہ محمد بن عبدالوہاب کے دور سے مسلمانوں کو مشرک اور بدعتی کہنے کی ایک ایسی رسم چل نکلی ہے کہ آج تک بات بات پر مسلمانوں کو مشرک اور بدعتی کہا جاتا ہے۔

یارسول اللہ کہنا شرک، قبر رسول پر جانا شرک، مقبولان الٰہی سے توسل شرک تقلید شخصی شرک، میلاد میں قیام و سلام شرک، گیارھویں شریف شرک حضور کا عالم ماکان و مایکون ماننا شرک، حضور کو مالک و مختار جاننا شرک۔ الغرض کس کس بات پر مسلمانوں پر شرک کا گھناؤنا الزام لگایا جاتا ہے، یہ آپ لوگ بخوبی جانتے ہیں۔

رہا بدعت کا معاملہ تو اس سلسلہ میں آپ کا بچہ بچہ مبلغ ہے۔ بدعت کا لفظ تو آپ کا تکیہ کلام بن چکا ہے۔ کھانے پر خدا کا کلام پڑھنا بدعت، ایصالِ ثواب بدعت، تیجا، دسواں اور چالیسواں بدعت، میت کے بعد میں تین دن تک کلمہ پڑھنا بدعت، میت کی اسقاط بدعت، جنازہ کے بعد دعا بدعت، میلاد کا جلوس بدعت اور نہ جانے کیا کیا بدعت۔

جمیع اہل سنت و جماعت آپ کی نظر میں مشرک بھی ہیں اور بدعتی بھی اور قرآن و حدیث کی رو سے دونوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ جن کو آپ لوگ مشرک اور بدعتی کہتے ہیں، کیا فی الحقیقت وہ مشرک اور بدعتی ہیں؟ اس کا فیصلہ آج تک نہیں ہو سکا۔ یہ تو احکم الحاکمین کی عدالت میں پتہ چل جائے گا کہ کلمہ توحید کا ورد کرنے والے ارکان اسلام پر ایمان رکھنے والے، میلادِ مصطفٰے منانے والے، خدا کے حبیب کی خوشیاں منانے والے، پاکانِ خدا سے نسبت و محبت رکھنے والے مشرک تھے یا مومن؟

قرآن شریف

اب سنیئے! حق سبحانہ' وتعالیٰ کیا ارشاد فرماتا ہے۔

پہلی آیت

وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ پ ۲ ع ۱۱

مشرک مردوں کے ساتھ (مومنہ عورتوں کا) نکاح نہ کردو۔ یہاں تک کہ وہ مشرک ایمان لائیں۔ البتہ غلام مومن بہتر ہے مشرک سے اگرچہ تمہیں مشرک پسند آوے۔

دیکھئے یہ آیت منع کرتی ہے۔ کہ کوئی وہابی جو حنفیہ کو مشرک کہتا ہے۔ وہ حنفیہ کو لڑکی نہ دے۔ تعجب ہے۔ کہ آپ لوگ دیدہ دانستہ اس آیت کے حکم کا خلاف کرتے ہیں۔ حنفیہ کو مشرک بھی کہتے ہیں اور لڑکیاں بھی دے دیتے ہیں۔ دیکھو اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ تمہیں وہ مشرک کیسا ہی پسند آوے۔ یعنی خولصورت ہو۔ نوجوان ہو۔ مالدار ہو۔ اس کی ماں بھی نہ ہو۔ اکیلا گھر ہو تو بھی اسے ناطہ نہ دو۔ مگر آپ اس حکم کا خلاف کرتے ہو۔ اب وہابیہ کی جان عذاب میں ہے۔ یا تو حنفیہ کو مشرک کہنا سمجھنا چھوڑ دیں یا ان کے ساتھ رشتہ داری کرنا بند کر دیں ؎

دو گونہ رنج و عذاب است جان مجنوں را

بلائے صحبت لیلیٰ و فرقت لیلیٰ

لیکن مشرک کہنا، سمجھنا تو امید نہیں کہ چھوڑیں۔ البتہ رشتہ لینا دینا بند کر دیں گے۔ فہو المراد۔

تائید:

مولوی عبداللہ مدیر تنظیم ۱۱ر مارچ ۳۸ء کے پرچہ میں لکھتے ہیں۔
ہاں اس آیت کی رو سے بریلویوں کی لڑکیاں لینی جائز ہوں گی۔ ان کو دینی جائز نہیں ہوں گی۔"

البتہ اگر یوں لکھتے۔ کہ درصورت مشرک سمجھنے کے ہرگز بریلویہ کو لڑکیاں نہیں دے سکتے۔ تو یہ بالکل درست تھا۔ لینا دینا دونوں بند کرنا کسی صورت میں صحیح نہیں۔

اور تنظیم نمبر ۲۵ مورخہ ۲۷ر مئی ۳۸ء میں حافظ عبدالقادر نے بھی اس کی تائید کی۔

دوسری آیت

جو اسی پہلی آیت کا شروع ہے یہ ہے۔
وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ:

مشرکہ عورتوں کو نکاح میں نہ لاؤ۔ یہاں تک کہ ایمان لائیں البتہ لونڈی مؤمنہ بہتر ہے۔ آزاد مشرکہ سے اگرچہ وہ مشرکہ تمہیں پسند لگے۔

دیکھیے! یہ آیت منع کرتی ہے کہ کوئی وہابی کسی حنفی کے گھر ناطہ کرے اور حنفی عورت کو اپنے نکاح میں لائے۔

کیونکہ وہ حنفی عورت اس کے نزدیک مشرکہ ہے اور مشرکہ کے ساتھ نکاح کرنا اللہ تعالےٰ منع فرماتا ہے۔ تو اب کسی وہابی کو جائز نہیں کہ وہ کسی حنفی عورت کے ساتھ نکاح کرے۔ افسوس! اس زمانہ کے مدعیان عمل بالقرآن والحدیث خدا تعالےٰ کے اس حکم کا صریحاً خلاف کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ حنفیوں کے ساتھ

رشتہ داری کریں اور ان کی لڑکیاں لیں اور اپنی لڑکیاں ان کو دیں تو اُن کے لیے صرف ایک صورت ہے کہ حنفیہ کو مشرک بدعتی نہ لکھیں نہ سمجھیں تو اس آیت کی زد سے بچ سکتے ہیں۔ درصورت مشرک سمجھنے کے ہرگز رشتہ داری حنفیوں سے نہیں کر سکتے۔ اگر وہابی حنفیوں کو بدعتی مشرک لکھنا کہنا سمجھنا چھوڑ دیں تو آج ہی رشتہ لینا دینا شروع ہو جاتا ہے۔

تائید

مولوی عبدالقادر حصاری نے ۲۶ راگست ۳۸ء کے تنظیم میں اس کی تائید کی کہ مصنف کے ساتھ اس امر میں مجھے پورا اتفاق ہے کہ ہم اہلحدیث ان رسمی حنفیوں کو کافر مشرک جانتے ہیں۔ اور اس امر میں بھی اتفاق ہے کہ ایک دوسرے سے رشتہ ناطہ لین دین کا معاملہ نہیں کرنا چاہیے۔

تیسری آیت

وَمِنْ اٰیَاتِہٖ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِتَسْکُنُوْا اِلَیْھَا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَوَدَّۃً وَّرَحْمَۃً پ۲۱ ع۶۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ ہے، کہ اس نے پیدا کیں تمہارے واسطے تمہاری جنس سے عورتیں تاکہ تمہیں ان سے سکون حاصل ہو اور تمہارے درمیان دوستی اور رحمت کر دی۔" اس آیت سے معلوم ہوا کہ بی بی اور خاوند کی آپس میں محبت اور دوستی ہونی چاہیے اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ و رسول کے مخالفوں سے دوستی نہیں چاہیے۔ خواہ باپ ہو یا بیٹا یا بھائی وغیرہ چنانچہ فرمایا۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَادُّوْنَ مَنْ حَادَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَوْ کَانُوْا اٰبَاءَھُمْ اَوْ اَبْنَاءَھُمْ اَوْ اِخْوَانَھُمْ۔

یہ تو ظاہر ہے کہ وہابی ہم کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے

مخالف سمجھتے ہیں اور ہم ان کو مخالفِ خدا اور سول جانتے ہیں اور اس آیت میں صاف تصریح ہے کہ خدا اور رسول کے مخالفوں سے دوستی کسی مسلمان کا کام نہیں اور رشتہ داری کرنا محبت اور دوستی سے ہوتا ہے پھر میاں بی بی کی آپس میں دوستی و محبت ضروری ہے تو ایک دوسرے کو مخالفِ خدا و رسول سمجھتے ہوئے باہمی رشتہ کرنا اس آیت کے صریحاً خلاف ہے۔ تو یہاں بھی وہابیوں کے لیے صرف ایک بات ہے، یا تو حنفیوں کو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف نہ سمجھیں یا رشتہ لینا دینا چھوڑ دیں۔ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ حنفیوں کو مخالفِ خدا و رسول بھی سمجھا جائے، پھر رشتہ داری بھی شروع رہے۔

تائید

مولوی عبدالقادر حصاری ۲۶ راگست کے تنظیم میں اس کی تائید کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ مشرک مومن کا اور زانی، عفیف کا کفو نہیں۔ دوسرے یہ کہ ایک سے دوسرے کو اس گناہ کی علت نہ لگ جائے۔ جو مناکحت مجالست اور مصاحبت کو مستلزم ہے۔ جس کا اثر ایک دوسرے کو پہنچنا لازمی ہے۔ یعنی مصاحبت سے وہ ضرور متاثر ہو جائیں گے۔ ان مفاسد کی وجہ سے مناکحت حرام کر دی۔ انتہیٰ۔

چوتھی آیت

فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ اگر شیطان تجھے بھلا دے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔

فرمائیے! کہ بد مذہب سے زیادہ ظالم کون ہے۔

تفسیر احمدی میں لکھا ہے کہ بدعتی فاسق کافر سب ظالم ہیں۔

تو ان میں سے کسی کے پاس بیٹھنا اس آیت کے ساتھ منع ہوا۔ اب سوچو اور

غور کرو کہ وہابی ہمیں بدعتی کہتے ہیں۔ وہ ہمیں فاسق جانتے ہیں۔ وہ ہمیں کافر مشرک کہتے ہیں تو ان کو ہمارے ساتھ مل بیٹھنا منع ہے۔ چہ جائیکہ رشتہ داری کی جائے۔ کیونکہ بیوی خاوند کا آپس میں مل بیٹھنا یقینی ہے۔ اس صحبت دائمہ سے زیادہ اور کوئی صحبت نہیں تو اس آیت سے بھی غیر مذہب کے ساتھ رشتہ کا لین دین منع ہوا۔

پانچویں آیت

وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ تم میں سے جو کوئی ان سے (بدمذہبوں سے) دوستی رکھے گا وہ انہی میں سے ہوگا۔

یہ ظاہر ہے کہ بیوی خاوند کی آپس میں محبت ہوتی ہے اور برے مذہب والے سے محبت منع ہے۔ اس لیے اس کے ساتھ مناکحت بھی منع ہے۔ یہی مطلب ہے اس حدیث کا جس میں حضور علیہ السّلام نے فرمایا۔

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ۔

آدمی جس کے ساتھ محبت رکھتا ہے قیامت کے روز اسی کے ساتھ ہوگا۔ پس اگر حنفی کو دوست رکھتا ہے تو قیامت کے روز حنفی کے ساتھ ہوگا آپ کے گمان میں حنفی مشرک بھی ہیں اور بدعتی بھی آپ کے گمان میں تو حنفیہ کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ آپ خود ہی فیصلہ کیجئے کہ حنفی سے رشتہ ناطہ کرکے آپ لوگ کہاں ہوں گے۔ اس لیے خدا کا خوف کیجئے اور اپنے نظریہ پر نظر ثانی کیجئے اور بات بات پر حنفیہ کو مشرک اور بدعتی کہنا چھوڑ دیجئے۔ اگر یہ ممکن نہیں تو اپنی عاقبت بچانے کے لیے حنفیہ کے ساتھ رشتہ ناطہ نہ کیجئے۔

فهو المراد

چھٹی آیت

اَلْخَبِیْثَاتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَالْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثَاتِ۔ وَالطَّیِّبَاتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَالطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبَاتِ۔

پلید عورتیں پلید مردوں کے لیے اور پلید مرد پلید عورتوں کے لیے ہیں اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیے "

اس آیت سے بھی معلوم ہوا۔ کہ اپنے اپنے فرقوں میں نکاح ہونا چاہیے۔ کیونکہ ہر شخص اپنے ہی فرقہ کو حق پر سمجھتا ہے۔ تو دوسرے فرقہ میں لڑکی دینا لینا باہمی نزاع پیدا کرنا ہے تو کیوں نہ اس آیت کے حکم کے مطابق پلید (یعنی باطل) فرقہ کی عورتیں اسی فرقہ کو دی جائیں جو پلید ہے اور پاک اور طیب (یعنی حق) فرقہ کی عورتیں اسی فرقہ میں دی جائیں۔ جو پاک اہل حق ہوں۔ ھذا ھو الحق۔

تائید

مولوی حصاری اس آیت کو لکھ کر کہتے ہیں کہ آیت سے بھی واضح ہوتا ہے کہ کہ مشرکہ عورتوں سے اہل حدیث موحدین کو نکاح نہ کرنا چاہیے۔
(تنظیم ۲۶ راگست ۳۸ء)

ساتویں آیت

وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃ

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔"

ظاہر ہے کہ بدمذہبی حقیقی ہلاکت ہے تو دیدہ دانستہ اپنی عزیز بچی کو بدمذہبی کے گڑھے میں نہ ڈالو۔ وہابیو! آیت پر عمل کرو۔ جب تم جانتے ہو کہ حنفی مشرک اور بدعتی ہیں تو دیدہ دانستہ اپنی بچیوں کو اس ہلاکت میں نہ ڈالو۔

سعدیؒ فرماتے ہیں ؎

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد
فدائے یک تن بیگانہ کآشنا باشد

تائید

یہی حصاری تنظیم میں لکھتے ہیں۔ قرآن میں اور جگہ آیا ہے۔ لا تمسکوا بعصم الکوافر: یعنی کافرہ عورتوں کو نکاح میں مت رکھو۔ اس آیت میں اللہ تعالے نے مومنوں پر کافرہ عورتوں کا نکاح حرام فرمایا ہے۔ اور ان کے نکاح پر اقامت کرنے سے روک دیا ہے۔ بریلویوں کی لڑکیاں مراسم شرکیہ کرنے والیاں، چونکہ عند الشرع کافرہ ہیں۔ لہذا موحدین مومنین کو ان کا نکاح میں لانا اور ان کے نکاح پر اقامت کرنا حرام ہوا۔ تمام اہل حدیثوں کو اس سے بچنا چاہیئے۔"
سُنّی بھائیو وہابی کے اس فتوی پر غور کرو کہ یہ لوگ ہمیں کیا سمجھتے ہیں۔

احادیث

اب سنو۔ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرماتے ہیں۔

پہلی حدیث

بخاری مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔
قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تُنْکَحُ الْمَرْءَۃُ لِاَرْبَعٍ لِمَالِھَا وَلِحَسَبِھَا وَلِجَمَالِھَا وَلِدِیْنِھَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّیْنِ تَرِبَتْ یَدَاکَ (متفق علیہ مشکوٰۃ صفحہ ۲۵۶)

فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت سے چار باتوں کے سبب نکاح کیا جاتا ہے، ایک تو مال کے سبب کہ عورت مالدار ہو تو اس کے مال کے لیے

لوگ اس کے نکاح کی کوشش کرتے ہیں کہ اس کے ساتھ نکاح کرنے سے مال ملے گا یا اس کے خاندان کے سبب اگر اس کا خاندان اعلیٰ ہو تو اس کو نکاح کرنے والا اعلیٰ خاندان میں شمار ہوگا۔ یا اس کے حسن صورت کے سبب یا اس کے دیندار ہونے کے سبب اور تو (اے مسلمان) دیندار کو نکاح کر تیرے دونوں ہاتھ خاک آلودہ ہوں۔

اس حدیث میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمادیا کہ۔ اے مسلمانو! تمہارا مطمع نظر دین ہونا چاہیے۔ نہ مال کے لیے شادی کرو۔ نہ خاندان کے لیے نہ حسن وجمال پر فریفتہ ہو۔ بلکہ دینداری دیکھو۔ جس عورت کا دین اچھا ہو۔ وہ بدصورت ہو۔ ادنیٰ خاندان کی ہو۔ غریب ہو پرواہ نہ کرو۔ اسی دیندار کے ساتھ نکاح کرو۔

اب وہابی اس حدیث میں غور کریں جن کے نزدیک حنفی دیندار نہیں اور حدیث میں حکم ہے کہ دیندار سے نکاح کرو۔ پھر وہابی حنفیوں سے رشتہ کس طرح کرسکتے ہیں۔

تائید

یہی حصاری مولوی اسی پرچہ میں اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ بیدین عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں انتہیٰ

دوسری حدیث

مشکوٰۃ شریف ص ۲۵۹ میں بحوالہ ترمذی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا خَطَبَ اِلَیْکُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِیْنَہٗ وَخُلُقَہٗ فَزَوِّجُوْہُ اِنْ لَّا تَفْعَلُوْہُ تَکُنْ فِتْنَۃٌ فِی الْاَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِیْضٌ۔

کہا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم سے ایک شخص ناطہ مانگے۔ جس کا دین اور خلق تمہیں پسند ہو۔ تو اس کو نکاح کر دو۔ یعنی ناطہ دیدو۔ اگر نہ کرو گے۔ تو زمین میں ایک فتنہ اور فساد پیدا ہو گا۔

اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پیش گوئی فرمادی کہ اگر تم ایسا نہ کرو گے یعنی دین کا لحاظ نہ کرو گے۔ بلکہ مالدار یا کوئی اعلیٰ خاندان دیکھو گے تو فتنہ اور فساد ہو گا۔ میں کہتا ہوں۔ صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونحن علی ذالک من الشاھدین کہ حضور علیہ السلام نے سچ فرمایا اور ہم ایسی رشتہ داری میں فتنہ وفساد دیکھ رہے ہیں۔

تیسری حدیث

ابن ماجہ میں عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے۔ کہا اس نے فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

لَا تَزَوَّجُوا النِّسَاءَ لِحُسْنِهِنَّ فَعَسٰی حُسْنُهُنَّ اَنْ یُّرْدِیَهُنَّ وَلَا تُزَوِّجُوْهُنَّ لِاَمْوَالِهِنَّ فَعَسٰی اَمْوَالُهُنَّ اَنْ تُطْغِیَهُنَّ وَلٰکِنْ تُزَوِّجُوْهُنَّ عَلَی الدِّیْنِ وَلَاَمَةٌ خَرْمَاءُ سَوْدَاءُ ذَاتُ دِیْنٍ اَفْضَلُ۔

عورتوں کو خوبصورتی کے لیے نکاح نہ کرو قریب ہے کہ ان کا حسن ان کو ہلاک کر دے (یعنی بہ سبب خوبصورتی کے فخر اور غرور میں شوہر کو ذلیل وخوار سمجھے اور ہلاک ہو) اور مال کے لیے بھی نکاح نہ کرو۔ قریب ہے کہ ان کے مال ان کو سرکش کر دیں۔ لیکن تم دین کے لیے نکاح کرو کہ ایک لونڈی ناک کٹی سیاہ رنگ دیندار افضل ہے (مالدار اور خوبصورت بیدین سے)

اس حدیث میں بھی حضور علیہ السلام نے دیندار عورت کے ساتھ نکاح کرنے

ترغیب دی۔ظاہر ہے وہابی ہم کو دیندار نہیں جانتے
اگر وہابی کسی حنفی کے ساتھ ناطہ کا لین دین کرے گا۔ تو اس حدیث کا مخالف ہو گا۔

چوتھی حدیث

بخاری مسلم میں ابو موسیٰؓ سے روایت ہے۔ فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

مَثَلُ الْجَلِیْسِ الصَّالِحِ وَالسُّوْءِ کَحَامِلِ الْمِسْكِ وَنَافِخِ الْکِیْرِ فَحَامِلُ الْمِسْكِ اِمَّا اَنْ یُّحْذِیَكَ وَاِمَّا اَنْ تَبْتَاعَ مِنْهُ وَاِمَّا اَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِیْحًا طَیِّبَةً وَنَافِخُ الْکِیْرِ اِمَّا اَنْ یُّحْرِقَ ثِیَابَكَ وَاِمَّا اَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِیْحًا خَبِیْثَةً (مشکوٰۃ ص ۴۱۸)

اچھے برے ہمنشین کی کہاوت ایسی ہے۔ جیسے کستوری اٹھانے والا، اور دھونکنی پھونکنے والا۔ وہ مشک والا یا تو تجھے مفت دیدے گا۔ یا تو اس سے مول لے گا۔ اور کچھ نہیں تو خوشبو ضرور آئے گی اور دھونکنی والا تیرے کپڑے جلادے گا۔ یا تجھے اس سے بدبو آئے گی۔

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ برا ہمنشین دھوکنے والے کی مانند ہے۔ تجھے اس کی سیاہی نہ پہنچے۔ تو دھواں تو ملے گا۔ اس کو ابو داؤد و نسائیؒ نے روایت کیا۔

معلوم ہوا کہ برے کی صحبت ضرور اثر کرے گی اور بیوی خاوند میں ہمیشہ کی صحبت ہے۔ پس ان دونوں میں سے جو برے فرقہ سے ہو گا۔ اس کا دوسرے کو اثر پہنچے گا۔ ایک حنفی عورت وہابی کے گھر جا کر اول تو پوری وہابن ہو جائے گی۔ اگر پوری نہ ہو تو بھی اس کو دھواں ضرور پہنچے گا۔ اور ان کی طرف داری کرے گی۔ حمایت کرے گی۔ مخالفت نہ کرے گی۔ اسی طرح وہابی عورت اگر حنفیوں

کے گھر آئے گی۔ تو پوری حنفیت تو امید نہیں کہ ہو جائے مگر کم از کم شوہر کی عزت اور محبت اس کے دل میں ہو گی اور اپنے وہابی اقربا کو اپنے شوہر کی مخالفت سے منع تو ضرور کرے گی۔ یہی وہ اثر ہے۔ جس کا سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پتہ دیا ہے پس حدیث کو سمجھتے ہوئے کوئی شخص کسی مخالف فرقہ کے ساتھ ناطہ کا لین دین نہیں کر سکتا۔

پانچویں حدیث

مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ فرمایا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

یَکُوْنُ فِی آخِرِ الزَّمَانِ دَجَّالُوْنَ کَذَّابُوْنَ یَاْتُوْنَکُمْ مِنَ الْاَحَادِیْثِ بِمَا لَمْ تَسْمَعُوْا اَنْتُمْ وَلَا آبَاؤُکُمْ اِیَّاکُمْ وَاِیَّاھُمْ لَا یُضِلُّوْنَکُمْ وَلَا یَفْتِنُوْنَکُمْ۔

اخیر زمانہ میں جھوٹے دجال پیدا ہوں گے۔ وہ تمہارے پاس ایسی حدیثیں لائیں گے۔ جو نہ تم نے سنی ہوں گی نہ تمہارے باپ دادوں نے پس تم اپنے آپ کو ان سے بچاؤ اور ان کو اپنے آپ سے بچاؤ۔ (تاکہ) وہ تمہیں گمراہ نہ کریں۔ اور تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔

اس حدیث میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پیش گوئی فرمائی کہ ایسے لوگ پیدا ہوں گے۔ جو ایسی حدیثیں سنائیں گے جو تمہارے باپ دادوں نے نہ سنی ہوں گی۔ ہم کہتے ہیں کہ حدیث کا مصداق وہابی لوگ ہیں اور وہابی کہتے ہیں کہ اس حدیث کا مصداق حنفی ہیں۔ تو اب حنفی وہابی دونوں کو غور کرنا چاہیے کہ حضور علیہ السلام ایسے لوگوں سے بچنے کا حکم دیتے ہیں اور اس کی علت بھی بیان کرتے ہیں کہ (اگر نہ بچو گے) تو وہ تمہیں گمراہ کر دیں گے اور فتنہ میں ڈال دیں گے تو کیا رشتہ دینے اور لینے میں اس حدیث کا خلاف ہوا یا نہ؟ بیشک ضرور خلاف ہوا کیوں کہ

حضور تو ان سے بچنے کا حکم فرماویں اور ہم رشتہ کر کے شیر و شکر ہو جائیں اب تم ہی انصاف سے بتاؤ کہ یہ عمل بالحدیث ہے یا کہ مخالفت حدیث ؟

چھٹی حدیث

حضور علیہ السلام نے فرمایا ۔

لو کنتُ اٰمراً احداً ان یسجد لاحدٍ لامرت النساءَ ان یسجدن لازواجھن بما جعل اللہ لھم علیھن من الحقّ

(الحدیث رواہ ابو داؤد)

اگر میں کسی کو حکم کرتا کہ وہ کسی کو سجدہ کرے تو میں عورتوں کو حکم کرتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں ۔ بہ سبب اس حق کے جو اللہ نے ان پر رکھا ہے" اس حدیث سے معلوم ہوا ۔ کہ عورت کے لیے شوہر واجب التعظیم ہے اور بدعتی کی تعظیم حرام ہے ۔ متعدد حدیثوں میں آیا ہے کہ جس نے بدعتی کی تعظیم کی اس نے اسلام کے گرانے میں مدد کی ۔ اس کو ابن عدی و ابن عساکر نے روایت کیا ۔
اب سوچنا چاہیے کہ شوہر اگر بدعتی ہوا اور بی بی نے اس کی تعظیم کی تو وہ گنہگار ہوئی ۔ اسلام کی گرانے والی بنی ۔ اب وہابیوں کے خیال میں حنفی بدعتی ہیں پھر کیوں ناطہ دینے یا لینے میں اپنی بچوں کو گنہگار اسلام کے ڈھانے والے بنائیں ۔

ساتویں حدیث

دارقطنی میں ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ۔ فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۔

اَھْلَ الْبِدَعِ کِلَابُ اَھْلِ النَّارِ

بدعتی دوزخیوں کے کتے ہیں ۔ اس حدیث کو ابو حاتم خزاعی نے بھی روایت کیا ۔

ہر حنفی وہابی کو اس حدیث میں غور کرنا چاہیے کہ حضور علیہ السلام بدعتیوں کو دوزخیوں کے کتے فرمادیں۔ پھر کون بے غیرت مسلمان ہوگا جو کتوں کے ساتھ رشتہ ناطہ کرے گا۔ وہابیوں کے نزدیک حنفی بدعتی ہیں تو اب سخت مشکل پیش آگئی۔ یا تو مذہب چھوڑنا پڑے گا۔ یا ناطہ کا لین دین بند کرنا پڑے گا۔ کیونکہ کوئی وہابی اپنے مذہب پر نہیں رہ سکتا۔ جب تک حنفیوں کو بدعتی نہ کہے۔ تو پھر دیدہ دانستہ دوزخ کے کتوں سے رشتہ ناطہ کیوں؟

وہابیو! خدارا مسلمانوں کو بدعتی کہنا چھوڑ دو۔ اگر یہ نہیں کر سکتے تو رشتے ناطے کیوں جوڑتے ہو اور وہ بھی دوزخ کے کتوں کے ساتھ۔

آٹھویں حدیث

پیر صاحب نے غنیۃ الطالبین ص۱۹۴، ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں بحوالہ عقیلی اور اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ نے ازالۃ العارفین میں بحوالہ ابن حبان حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک قوم پیدا ہو گی جو میرے صحابہ کو بُرا کہے گی۔

فَلَا تُجَالِسُوْهُمْ وَلَا تُشَارِبُوْهُمْ وَلَا تُوَاكِلُوْهُمْ وَلَا تُنَاكِحُوْهُمْ۔

تم ان کے پاس نہ بیٹھو۔ اُن کے ساتھ پانی نہ پیو۔ کھانا نہ کھاؤ۔ شادی بیاہ نہ کرو۔

اس حدیث میں شادی بیاہ کی ممانعت کی تصریح ہے۔ مندرجہ بالا حدیثوں میں جو اہل بدعت سے بچنے کا حکم ہے۔ اس حدیث میں اسی کی تفصیل ہے کہ چنانچہ ہے نہ ان سے مل کر کھاؤ پیو نہ شادی بیاہ کرو۔ یہ حدیث اگرچہ ایک فرقہ بدعتی کے بارہ میں ہے۔ مگر سب بدعتی فرقے اس میں داخل ہیں۔

فانهم فانه من مزلة الاقدام

تائید

یہی حصاری صاحب تنظیم میں ایک حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔
حدیث میں ہے۔
لا یاکل طعامك الا تقی ولا تصاحب الا مومنا۔ یعنی کھانا بھی نیک شخص کو کھلانا چاہیے اور مصاحبت بھی مومن ہی کی کرنی چاہیے۔
میں کہتا ہوں۔ یہ نانویں حدیث ہے۔

فقہ شریف

درمختار صـ ۱۶۸ میں ہے۔
وتعتبر فی العرب والعجم دیانة ای تقوی فلیس فاسق کفو الصالحة۔
کفاءۃ عرب وعجم میں دیانۃً معتبر ہے۔ یعنی تقویٰ کے لحاظ سے تو فاسق کسی صالحہ عورت کا کفو نہیں ہو سکتا۔
اور بدعتی من حیث الاعتقاد فاسق ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ بدعتی نیک عورت کا کفو نہیں اور غیر کفو میں کوئی عورت نکاح کرے۔ تو مفتیٰ بہ مذہب میں وہ نکاح جائز نہیں۔
جیسے شرح وقایہ و دیگر کتب فقہ میں مذکور ہے۔ درمختار میں ہے۔
ویفتی فی غیر الکفوء بعدم جوازہ اصلا وھو المختار للفتوی لفساد الزمان۔
بالغہ عورت غیر کفو میں خود بخود نکاح کرے تو مفتیٰ بہ مذہب میں جائز نہیں اور اگر باپ اور دادا کے سوا اور کوئی ولی نکاح کر دے تو بھی جائز نہیں۔
چنانچہ درمختار میں ہے۔

وان کان المزوج غیرھما لا یصح النکاح من غیر کفوا صلا۔
اگر باپ دادا ہی نکاح کردیں اور وہ ایسے ہوں کہ اپنی ولایت سے کوئی تزویج کسی غیر کفو سے کر چکے ہوں۔ تو بھی نکاح جائز نہیں۔
چنانچہ اسی درمختار میں ہے۔
وان عرف (منھما) (یعنی سوالاختیار) لا یصح النکاح اتفاقا
فقہا علیہم الرحمۃ کی اس تصریح سے معلوم ہوا کہ وہابی حنفی کا کفو نہیں کیونکہ وہابی من حیث الاعتقاد فاسق ہے اور فاسق صالحہ کا کفو نہیں۔ اور غیر کفو میں بالغہ بھی اپنی مرضی سے نکاح کرے تو درست نہیں اور نابالغہ کا نکاح غیر کفو میں سوائے باپ دادا کے کوئی دوسرا پڑھائے تو بھی درست نہیں۔ اگر باپ دادا کوئی نکاح غیر کفو میں اپنی ولایت سے پڑھا چکے ہوں پھر یہ دوسرا پڑھائیں تو بھی درست نہیں اور اگر یہی پہلا پڑھائیں اور کسی لالچ میں آکر لڑکی کی شفقت چھوڑ دیں۔ تو یہ نکاح تو ہو جائے گا۔ لیکن انہوں نے برا کیا جس کا خمیازہ دنیا میں یہ ہوا کہ آئندہ معزول الولایت ہو گئے۔ اور آخرت میں لالچ کی سزا بھگتیں گے۔

حضرت جناب پیر صاحب قدس سرہٗ کا ارشاد

غنیۃ الطالبین مطبوعہ مرتضوی دہلوی کے ص ۱۹۶ میں پیر صاحب فرماتے ہیں۔
ولا یُبدَأ اینھم ولَا یُسَلِّمُ علیھم لان امامنا احمد بن حنبل رحمۃ اللہ قال من سَلَّمَ علےٰ صاحب بدعۃ فقد احبہ لقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم افشوا السلام بینکم تحابوا ولا یجالسھم ولا یقرب منھم ولا یھنیھم فی الاعیاد و اوقات السرور ولا یصلے علیھم اذا ماتوا ولا یترحم علیھم اذا ذکروا بل یبائنھم ویعادیھم فی اللہ عزوجل معتقدا ببطلان مذھب اھل بدعۃ محتسبا بذالک

الثواب الجزیل ولاجر الکثیر۔
کوئی شخص بدعتیوں کے قریب بھی نہ جائے اور ان پر سلام نہ کہے۔ کیونکہ امام احمد فرماتے ہیں۔ جس نے بدعتیوں کو سلام کہا۔ اس نے ان کو دوست رکھا کیونکہ حضرت علیہ السلام نے فرمایا کہ آپس میں بکثرت سلام کہا کرو۔ کہ آپس میں محبت ہوتی ہے۔ یعنی سلام ذریعہ محبت ہے اور بدعتیوں کے پاس نہ بیٹھے نہ ان کے قریب ہو۔ نہ عیدین وغیرہ خوشی کے موقع پر ان کو مبارک دے۔ جب وہ مر جائیں تو ان کا جنازہ نہ پڑھے اور جب بدعتیوں کا ذکر ہو تو اُن پر رحمت نہ بھیجے بلکہ ان سے دور رہے اور محض خدا کے لیے ان سے دشمنی رکھے۔ یہ جانتے ہوئے کہ ان کا مذہب باطل ہے اور اسی میں اجر کثیر اور ثواب کا طالب ہو۔

دیکھو یہ وہی پیر صاحب ہیں۔ جن کو وہابی ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں آپ کس قدر اہل بدعت سے اظہار نفرت فرماتے ہیں۔ بدعتیوں کے ساتھ سلام کلام نشست برخاست منع کرتے ہیں۔ ان کا جنازہ پڑھنے سے روکتے ہیں۔ ان کی دشمنی میں اجر کثیر فرماتے ہیں۔ تواب سوچنا چاہیے کہ رشتہ داری کرنے سے پیر صاحب کے اس حکم کی تعمیل ہو سکتی ہے؟ کیا جو رشتہ کرے گا وہ سلام کلام ترک کرے گا وہ نشست برخاست چھوڑ دے گا۔ کیا وہ ان کو برا سمجھے گا؟ ہرگز نہیں تو پیر صاحب کے حکم کی تعمیل اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ ان سے کوئی رشتہ نہ کیا جائے اور یہی ہمارا مطلوب ہے۔ اور یہ ہم پیچھے بھی لکھ آئے ہیں کہ وہابی ہمیں بدعتی کہتے ہیں اور لکھتے ہیں۔ پس حنفیوں کو بدعتی سمجھتے ہوئے رشتہ داری کیسے ہو سکتی ہے۔

فضیل بن عیاض علیہ الرحمۃ کا ارشاد

حضرت فضیل بن عیاض کبار مشائخ سے تھے اور مرجع خلائق تھے۔ ریاضت اور کرامت میں شان عظیم رکھتے تھے۔ تقویٰ اور معرفت میں بے مثل تھے (تذکرۃ اولیا) آپ فرماتے ہیں۔

من احب صاحب بدعة احبط اللّٰہ عملہ واخرج نور الایمان من قلبہ واذا علم اللّٰہ عزوجل انہ مبغض صاحب بدعة رجوت اللّٰہ تعالٰی ان یغفر ذنوبہ وان قل عملہ واذا رایت مبتدعا فی طریق فخذ طریقا اخر۔

(غنیۃ الطالبین)

جو شخص بدعتی کو دوست رکھے اللّٰہ تعالٰی اس کے عمل برباد کر دیتا ہے اور اس کے دل سے ایمان کا نور نکال دیتا ہے اور جب اللّٰہ جان لیتا ہے کہ فلاں شخص بدعتی کو دشمن سمجھتا ہے تو میں امید کرتا ہوں کہ اللّٰہ تعالٰی اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ اگرچہ اس کے عمل تھوڑے ہوں اور جب تو کسی بدعتی کو راستہ میں (آتا ہوا) دیکھے تو (وہ راستہ چھوڑ دے) دوسرا راستہ اختیار کر۔

حضرت سفیان بن عینیہ کا ارشاد

سفیان بن عینیہ بڑے جلیل القدر محدّث فقیہہ گزرے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔

من تبع جنازة مبتدع لم یزل فی سخط اللّٰہ تعالٰی حتی یرجع

کہ جو شخص کسی بدعتی کے جنازہ کے پیچھے جائے وہ خدا تعالٰی کی ناراضگی میں رہتا ہے۔ اس وقت تک کہ واپس آوے۔"

تو دیکھیے بدعتی سے رشتہ داری کا تعلق پیدا کرتا ہے۔ کیا وہ ان کے جنازہ وغیرہ میں شامل نہ ہوگا۔ اگر ہوگا۔ تو اس قول کے مطابق خدا تعالٰی کی ناراضگی کا موجب ہوگا۔

تائید

یہی حصاری تنظیم کے اسی پرچہ میں لکھتے ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللّٰہ علیہ نے بعض گمراہ فرقوں کے ذکر میں رسالہ خلق افعال العباد میں فرمایا ہے۔

ولا یسلموعلیھم ولا یعادون ولا ینا کحون ولا یشہدون ولا یوکل ذبائحھم یعنی جہنمی اور رافضی کو سلام نہ کہے نہ بیمار پرسی کرے۔ نہ مناکحت کرے۔ نہ جنازہ پر حاضر ہو اور نہ ان کا ذبیحہ کھائے۔ مسلمانو اگر جہنمی فرقہ معلوم کرنا ہو تو غزنویہ کی اربعین دیکھو۔

حافظ عبداللہ روپڑی مدیر اخبار تنظیم روپڑ کا فتویٰ

اخبار تنظیم ۲۰ شوال ۵۶ھ مطابق ۲۴ دسمبر ۳۷ء میں حافظ صاحب سے سوال ہوتا ہے کہ ایک عورت کا نکاح ایسے شخص سے ہوگیا ہے جو بریلوی مذہب رکھتا ہے اور قبروں کا قائل ہے۔ نماز روزہ کا بھی پابند نہیں۔ اس سے کس طرح جدائی ہو سکتی ہے۔ حافظ صاحب جواب دیتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے۔ ولا تنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا۔ یعنی مشرکوں کو نکاح نہ دو یہاں تک کہ ایمان لائیں۔

اس بنا پر سوال میں جس عورت کا ذکر ہے اس کا نکاح صحیح نہیں کیونکہ مرد کو قبوری بتلایا گیا ہے جو مشرک ہے پس شرعاً عورت کا اختیار ہے۔ جہاں چاہیے کسی دیندار شخص کو ولی کرکے نکاح کرے۔ انتہی۔

یہ حافظ صاحب موجودہ اہل حدیثوں کے بڑے مسلم فاضل ہیں۔ جس طرح ہمارے گاؤں کے وہابی ہم حنفیوں کو مشرک سمجھتے ہیں۔ اسی طرح حافظ صاحب روپڑی بھی مشرک کہتے ہیں اور حکم دیتے ہیں کہ عورت جو کہ بریلوی حنفی کی منکوحہ ہے اس کا نکاح صحیح نہیں یعنی بغیر طلاق حاصل کیے جہاں چاہے نکاح کرلے اب وہابیہ کو لازم ہے کہ اپنے اکابر کے فتویٰ پر عمل کریں اور یہ الزام کہ رشتہ داری سے مولوی ثناء اللہ شریف منع کرتا ہے واپس لیں اور عذر کریں کہ میں منع کرتا ہوں۔ یا اُن کے اکابر بلکہ انہوں نے تو یہ فتویٰ نہیں دیا کہ اگر ایسا نکاح ہو جائے تو عورت بلا طلاق جہاں چاہے نکاح کرے۔ میں کہتا ہوں کہ ایسا نکاح نہیں کرنا چاہیے کہ موجب فتنہ و فساد ہے۔ مگر وہابی سرے سے نکاح

ہی صحیح نہیں کہتے۔

مولوی ثناء اللہ ایڈیٹر اہلحدیث کا فتویٰ

مولوی صاحب موجودہ اہلحدیث بالخصوص ہمارے گاؤں کی اہلحدیث جماعت کے سردار ہیں۔ ان سے سوال ہوا کہ ایک اہلحدیث کی لڑکی کا شیعہ مرد سے نکاح کیا گیا ہے۔ کیا یہ درست ہے۔ جواب میں فرماتے ہیں۔ شیعہ مرد سے سنی موحدہ لڑکی کا نکاح نہ کرنا چاہیے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ اس لڑکے سے لڑکی کا نکاح کرو جس کو بحیثیت دین پسند کرتے ہو۔ (اہلحدیث یکم جنوری ۱۹۳۷ء) دیکھو ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ جس لڑکے کو بحیثیت دین پسند کرتے ہو۔ اس سے لڑکی کا نکاح کرو۔ یہی اہلحدیث موجودہ کا سردار کہتا ہے۔ اب فریقین کو سوچنا چاہیے کہ کیوں ایسے لڑکے سے نکاح کیا جائے جس کے دین کو ہم پسند نہیں کرتے۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور اپنے علماء کی بھی مخالفت لازم آئے گی۔ پس سمجھو اور عقل کرو۔ کیوں دنیا کے پیچھے دین تباہ کر رہے ہو۔

۱۱ اکتوبر ۳۵ء کے پرچہ میں ایک عورت پوچھتی ہے کہ میں نماز روزہ کی پابند ہوں۔ قرآن پڑھتی ہوں۔ شرک و بدعت سے پرہیز کرتی ہوں۔ زید (جو میرا شوہر ہے) بیدین ہے۔ میرے والد نے بحالت نابالغی میرا نکاح کر دیا تھا۔ اب شرعاً کیا میں نکاح ثانی کر سکتی ہوں۔ سردار اہلحدیث جواب دیتے ہیں۔ جس عورت کا نکاح اس کے والدین نابالغی میں کر دیں۔ بلوغت کے بعد منکوحہ کو اختیار ہے کہ اس کا نکاح کو فسخ کرا دے۔

دیکھو ایسا نکاح اگر ہو جاوے تو بھی مولوی ثناء اللہ اس کے فسخ کرانے کا حکم دیتے ہیں تو جس نکاح کو فسخ کرانا پڑے وہ پہلے ہی کیوں کرایا جائے۔

وہابیو! آؤ ہم تمہیں تمہارے سردار کا ایک خاص فتویٰ دکھائیں۔ اس فتوے کو غور سے دیکھو۔ اگر آپ کے پاس نہ ہو۔ تو ہمارے پاس آکر دیکھ لو۔ اہلحدیث ۲ مارچ ۱۹۳۷ء کے صفحہ ۱۳ میں لکھا ہے۔

سوال

حنفیوں کے یہاں اپنی لڑکی و لڑکے کی شادی کرنا جب کہ وہ لڑکیوں کو آمین رفع یدین سے جبراً منع کرتے ہیں۔ بعض دل سے بُرا جانتے ہیں۔ اور تعزیہ میں چندہ بھی دیتے ہیں۔ ان کے یہاں عام رشتہ داری کرنا جائز ہے یا نہیں (سردار صاحب اس کا جواب دیتے ہیں)

جواب

حدیث میں ہے۔ جس کا دین اور دینی حالت اچھی دیکھو اس سے اپنی لڑکی شادی کرو۔

کیا اب بھی حنفیوں سے رشتہ داری کرنے کی خواہش رکھو گے۔ کیا میں نے وہی نہیں کہا۔ جو مولوی ثناء اللہ نے کہا۔ کیا اب بھی آپ مجھے ہی طعن دیں گے کہ میں رشتہ داری بند کراتے ہیں۔ میں بھی یہی حدیث سناتا ہوں جو مولوی ثناء اللہ نے لکھی۔ اگر میرا اعتبار نہ ہو۔ تو اپنے سردار کا تو اعتبار کرو۔ اس کے کہنے پر تو اس حدیث پر عمل کرو۔

دیوبند کے مفتی کا فتوے

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں۔ علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنے تئیں اہلحدیث کہتا ہے اور آمین بالجہر رفعیدین کرتا ہے اور آئمہ اربعہ اور مجتہدین رحمۃ اللہ علیہ کو بُرا نہیں کہتا۔ بلکہ ان کی عزت کرتا ہے۔ ایسے شخص سے شادی بیاہ وغیرہ احناف کر سکتے ہیں یا نہیں اور ایسے شخص کو قوم میں شامل رکھ سکتے ہیں۔ یا نہیں دہلی میں بڑی قوم پنجابی سوداگروں کی ہے جس میں برابر شادی بیاہ ہو رہے ہیں اور آپس میں اتفاق قائم ہے اور تمام جگہ اسی طرح ہو رہا ہے، اس باب میں عندالشرع جو کچھ فیصلہ ہو مدلل بیان

فرما کر عند اللہ ماجور اور عند الناس مشکور ہوں فقط۔

الجواب:۔ اس زمانہ میں غیر مقلدین اپنے کو اہلحدیث کہتے ہیں اور عدم تقلید میں جو کچھ قبائح اور اس کی وجہ سے جس درجہ اختلافات ہو رہے ہیں۔ وہ ظاہر ہیں، علماء اور فقہا اور محققین تصریح فرماتے ہیں کہ عوام کے لیے تقلید آئمہ ضروری ہے اور تقلید واحد منہم بھی اسی میں داخل ہے اور جو عالم درجہ اجتہاد کو نہ پہنچے وہ باعتبار وجوب تقلید اسی حکم میں ہے، خلاصہ یہ کہ ترک تقلید جائز نہیں اور غیر مقلدین زمانہ باعتبار عقائد و اعمال کے جمہور اہلسنت و جماعت کے خلاف ہیں اور عدم تقلید اکثر باعث فتنہ و فساد اور باہمی اختلافات اور تنازعات و حسد و بغض کا سبب ہوتی ہے، البتہ بعض غیر مقلدین ایسے بھی ہیں جو تعصبات سے خالی اور سوائے فروعی اختلافات کے کوئی اصولی اختلاف ان میں نہیں ہوتا وقلیل ماھو پس باعتبار اکثر افراد غیر مقلدین کے کہا جا سکتا ہے۔ کہ ان سے حنفیوں کو علیحدہ رہنا چاہیے اور مناکحت وغیرہ ان سے نہ کی جائے کہ یہ فتنہ ہے۔ جیسا کہ مشاہدہ سے ظاہر ہے، چونکہ اس بارہ میں بہت کچھ تصانیف ہو چکی ہیں اور طرفین سے رسالے اور اشتہار شائع ہو چکے ہیں اور ہوتے رہتے ہیں اس لیے اس بارہ میں مزید تحریر کی ضرورت نہیں اور اس میں کچھ کلام نہیں کہ غیر مقلدین بھی اہل اسلام میں سے ہیں۔ اس لیے حنفیوں کی مناکحت ان سے صحیح ہے، یعنی نکاح ہو جائے گا، لیکن کلام اس میں یہ ہے کہ اس باہمی مناکحت میں فتنہ و فساد اور خلاف مصلحت شریعت ہے یا نہیں؟ سو حدیث شریف کا فیصلہ اس بارہ میں یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ہوا کے ساتھ مجالست و مواکلت اور مناکحت وغیرہ امور سے منع فرمایا ہے۔ پس جن کی عدم تقلید اس درجہ کو پہنچ گئی ہے کہ وہ اہل ہوا میں ہو گئے اور سلف صالحین کو برا کہنے لگے اور آئمہ کو چھوڑ کر صحابہ تک کی توہین کرتے ہیں اور ان پر لعن طعن سے دریغ نہیں کرتے۔ غیر مقلدین کے کی تصانیف سے ظاہر ہے تو ایسے غیر مقلدین سے تو لاریب حنفیوں کو بچنا چاہیے اور ان کی صحبت و مجالست و مناکحت سے احتراز کلی کرنا چاہیے اور اگر کوئی ایسا

نہ ہو۔ تو اس سے جواز مناکحت وغیرہ میں کلام نہیں۔ لیکن اس زمانہ میں ایسے لوگ کمیاب اور نایاب ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم ولی التوفیق وھو ھادی الی سواء السبیل واٰخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین۔ کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ مفتی مدرسہ دیوبند ۱۹ ذیقعد ۱۳۳۸ھ۔ (منقول از اخبار محمدی ۱۵ جنوری ۱۹۲۶ء)

اس فتوے میں دیوبندی مفتی نے غیر مقلدین کو باعتبار عقائد و اعمال کے جمہور اہلسنت کے خلاف لکھا اور باعتبار اکثر افراد غیر مقلدین کے شادی بیاہ کرنے سے منع کیا اور جن غیر مقلدین سے مناکحت کا جواز لکھا۔ ان کے متعلق تصریح کی کہ اس زمانہ میں ایسے لوگ کمیاب و نایاب ہیں۔ میں کہتا ہوں۔ مفتی صاحب نے بالکل صحیح لکھا ہے ایسا غیر مقلد کسی اور جگہ ہو تو ممکن ہے مگر پاکستان میں ایسا ایک بھی نہیں۔ تو اب ان لوگوں کو جو کہ دیوبندیوں کو خالص حنفی مانتے ہیں۔ دیوبندیوں کے اس فتویٰ پر عمل کرنا چاہیے۔

علمائے پٹنہ کا فتوے

کیا فرماتے ہیں۔ علمائے دین وحامیان شرع متین اس بارہ میں کہ ایک عورت سنیہ حنفیہ جس کا باپ بھی سنی حنفی ہے۔ اس کا نکاح ایک غیر مقلد وہابی سے کر دینا جائز ہے یا ممنوع؟ اس میں شرعاً گناہ ہوگا یا نہیں؟ تبنیوا و توجروا۔ المستفتی محمد خلیل اللہ خاں از ریاست رامپور دولت خانہ جناب حکیم اجمل خاں صاحب۔

الجواب:۔ نکاح مذکور ممنوع و ناجائز و گناہ ہے۔ غیر مقلدین زمان کے بہت عقائد کفریہ و ضلالیہ کتاب جامع الشواہد فی اخراج الوہابین عن المساجد میں ان کی تصانیف سے نقل کیے ہیں۔ ان کا گمراہ و بد مذہب ہونا بروجہ احسن ثابت کیا اور حدیث ذکر کی کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بد مذہبوں کی نسبت فرمایا۔

ولا تواکلوھم ولا تشاربوھم ولا تناکحوھم۔

یعنی ان کے ساتھ کھانا نہ کھاؤ اور پانی نہ پیو اور شادی بیاہ نہ کرو۔

مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کی تفسیر سے نقل کیا۔ کہ ہر کہ با بدعتیاں انس ودوستی پیدا کند۔ نور ایمان وحلاوت آں از وے برگیرند۔ اور طحاوی حاشیہ درمختار سے نقل کیا۔ من کان خارجا من ھذہ المذاھب الاربعۃ فی ذالک الزمان فھو من اھل البدعۃ والنار (جو اس زمانہ میں ان چاروں مذہب سے خارج ہو۔ وہ بدعتی اور دوزخی ہے۔ کثرت سے علمائے مشاہیر کی اس پر مہریں ثبت ہیں۔ بالجملہ اگر غیر مقلد عقیدہ کفریہ رکھتا ہو۔ تو اس سے نکاح محض باطل و زنا ہے۔ کہ مسلمان عورت کا کافر سے نکاح اصلاً صحیح نہیں اور اگر عقیدہ کفریہ نہ بھی رکھتا ہو۔ تو بدمذہب سے مناکحت بحکم آیت وحدیث منع ہے۔

حدیث اوپر گزری اور آیت یہ ہے۔ ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار (نہ میل کرو۔ ظالموں کی طرف کہ تمہیں چھوئے گی آگ دوزخ کی۔ ناظم صاحب ندوہ نے اپنے فتوے عدم جواز نکاح سنیہ وشیعہ مطبوعہ مطبع نظامی میں اسی آیت سے استدلال کیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

الساطر الوازر

المعتصم بذیل سیدہ ومولاہ امیر المومنین سیدنا الصدیق العتیق التقی عبدالوحید غلام صدیق الحنفی الفردوسی العظیم آبادی عفاعنہ ربہ ذوالایادی۔

اصاب من اجاب۔ حافظ محمد فتح الدین پنجابی صدر مجلس اہلسنت پٹنہ مرشد آباد۔

ھذا ھو الحق الصریح وما سواہ باطل قبیح۔ محمد امیر علی مرحوم سابق ہیڈ مولوی نارمل سکول پٹنہ۔

علمائے بہار

مسملا ومحمدا ومصلیا اما بعد ماقالہ العلامۃ والافادہ الفہامۃ حق صریح ومحقق صحیح جدید بالاعتماد وحقیق

بالاستناد ودونہ خرط القتاولا تنکرہ الا اہل البغی والعناد والغی والفساد کتبہ خویدم الطلبہ ابو الاصفیاء محمد عبدالواحد خان رامپوری بہاری عفا عنہ الباری۔

اس فتویٰ پر علامہ محمد یوسف بہاری، مولانا ابوالبرکات اور سید محمد سلیمان اشرف بہاری اور سید ناظر حسین بہاری کے دستخط موجود ہیں۔

اسی طرح اعلیٰ حضرت تاج الفحول بدایونی مولانا عبدالقادر و مولانا عبدالمقتدر و مولانا محمد عبدالقیوم بدایونی کے دستخط موجود ہیں۔ یہ فتویٰ مطبوعہ ہمارے پاس موجود ہے۔

اعلیحضرت بریلوی قدس سرہٗ کا فتویٰ

آپ نے اس مسئلہ میں ایک رسالہ لکھا ہے۔ جس کا نام ازالۃ العار بحجر الکرائم عن کلاب النار ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیل دیکھنا ہو۔ تو یہ رسالہ بریلی شریف سے منگوا کر دیکھو۔

امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کا ارشاد

امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ نے امام ابویوسف علیہ الرحمۃ کو وصیت کی اور فرمایا ولا تجالس احدا من اہل الاھواء۔ یعنی کسی اہل ہوا کے ساتھ مجالست نہ کر۔

دیکھو۔ اشباہ والنظائر ص ۶۵۴۔

امام اعظم رحمۃ اللہ کے اس فرمان سے معلوم ہوا کہ اہل ہوا کی ہمنشینی سے بچنا چاہیے اور ظاہر ہے کہ نکاح میں زوجین کی ہمنشینی اور مصاحبت اور مجالست لازمی ہے تو ثابت ہوا۔ کہ اہل ہوا (یعنی بدعتیوں) کے ساتھ رشتہ داری کا تعلق پیدا کرنا امام صاحب کے نزدیک بھی مناسب نہیں۔ پس جو لوگ

مسائل منصوصہ کے لیے بھی قول امام کا مطالبہ کرتے ہیں۔ وہ اس کو پڑھ کر عمل کی کوشش کریں۔

ہم نے قرآن بھی لکھ دیا۔ حدیث بھی لکھ دی۔ بزرگان دین کا ارشاد بھی لکھ دیا۔ اخیر میں امام صاحب کا فرمان بھی لکھ دیا۔ اب ماننا نہ ماننا تمہارا اختیار ہے۔

وما علینا الا البلاغ

قطبِ ربّانی شہبازِ لامکانی

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

کے ارشادات

آغاز

موجودہ دور کے مدعیان عمل بالحدیث کہتے ہیں کہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کے موافق نماز پڑھنا چاہیے، چنانچہ وہ آمین بالجہر، رفع یدین اور وضع یدین کے متعلق پیر صاحب کا حوالہ دیتے ہیں کہ آپ کا عمل ان پر تھا۔

ہم کہتے ہیں کہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی حنبلی تھے، انہوں نے اپنے امام کی تقلید کرتے ہوئے مندرجہ بالا امور پر عمل کیا۔ ہم حنبلی نہیں حنفی ہیں اس لیے ہم پر یہ حجت نہیں ہے۔ البتہ وہ لوگ جو پیر صاحب کو غیر مقلد سمجھتے ہیں، اُن کے لیے ہم پیر عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے چند ارشادات درج کر رہے ہیں اور اُمید کرتے ہیں کہ اگر وہ پیر صاحب کے واقعی سچے معتقد ہیں تو اُن کے وہ ارشادات ضرور تسلیم کریں گے جنہیں ہم بیان کر رہے ہیں۔

وھو الموفق للصواب

فقیر ابو یوسف محمد شریف

ارشاد نمبر ۱

پیر صاحب نے نماز میں زبان سے نیت کرنا احسن لکھا ہے۔
چنانچہ غنیۃ الطالبین مرتضوی ص۸۶۴ میں فرماتے ہیں۔

و ان تلفظ بلسانہ کان احسن

اگر (نیت) کا تلفظ زبان سے کرے تو احسن ہے۔
وضو اور تیمم کی نیت کے بارہ میں فرماتے ہیں؛

فان ذکر ذالک بلسانہ مع اعتقادہ بقلبہ کان قد اتی بالفضل۔

دل سے اعتقاد رکھتے ہوئے اگر وہ زبان سے بھی نیت کرے تو زیادہ ثواب ہے۔
پھر غسل کی نیت میں فرماتے ہیں۔

فان تلفظ بہ مع اعتقادہ بقلبہ کان افضل

دل سے اعتقاد رکھتے ہوئے اگر زبان سے تلفظ کرے تو افضل ہے۔
اب فرمائیے! کہ کس کی نماز حضرت غوث پاک کی تعلیم کے موافق ہے؟ ہم لوگ زبان سے نیت کرنا افضل اور احسن کہتے ہیں اور یہی ارشاد ہے حضرت غوث پاک کا۔ مگر آپ ہیں کہ زبان کی نیت کو بدعت کہتے ہیں۔ اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ پیر صاحب کے موافق کون ہیں؟

ارشاد نمبر ۲

پیر صاحب نے غنیۃ الطالبین میں گردن کا مسح سنتوں میں لکھا ہے۔
(دیکھئے غنیۃ ص۸)
اور آپ ہیں جو اس کو بدعت کہتے ہیں۔ آپ فرمائیے کہ پیر صاحب کے

ارشاد کے موافق کون ہیں ؟ یہ بھی یاد رہے کہ بدعت کو سنت جاننے والا کون ہوتا ہے اور سنت کو بدعت کہنے والا کون ؟ ذرا سوچ سمجھ کر جواب دیجئے گا۔

ارشاد نمبر ۳

پیر صاحب غنیۃ صـ۳۲ـ میں فرماتے ہیں کہ زائر قبر شریف یوں دعا کرے۔

اللهم انی اتوجه الیك بنبیك علیه سلامك نبی الرحمة

یارسول الله انی اتوجه بك الی ربی لیغفرلی ذنوبی۔

اے اللہ میں بوسیلہ تیرے نبی کے جو کہ نبی رحمت ہیں، تیری طرف متوجہ ہوں یارسول اللہ! میں آپ کے ساتھ اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ وہ میرے گناہ بخش دے۔

دیکھئے! حضرت غوث اعظم رسول پاک کی وفات کے بعد ہمیں یارسول اللہ! پکارنے کی تعلیم فرما رہے ہیں۔ یہ بھی سکھا رہے ہیں کہ حضور کے وسیلہ سے دعا مانگی جائے۔ لیکن آپ ہیں جو اس کو شرک کہتے ہیں۔ اب فرمائیے کہ پیر صاحب ہمارے موافق ہوئے یا آپ کے ؟

ارشاد نمبر ۴

غنیۃ مرتضوی کے صـ۳۴ـ میں پیر صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو اس طرح کہے :

السلام علیکما یا صاحبی رسول الله ورحمة الله وبرکاته

السلام علیك یا ابابکر الصدیق السلام علیك یا عمر الفاروق۔

اے رسول کے دونوں ساتھیو آپ پر سلام اور اللہ کی رحمت اور برکات ہوں۔ اے ابوبکر صدیق آپ پر سلام اے عمر فاروق آپ پر سلام۔

دیکھئے! پیر صاحب نے بلفظ یا مخاطب کر کے سلام کہنا درست لکھا ہے۔

کیا آپ اس کے موافق ہیں؟ اگر آپ نہیں تو پھر کون موافق ہے؟ وہی جن لوگوں کو آپ مشرک کہتے ہیں!

ارشاد نمبر ۵

غنیۃ ص۳۶ میں پیر صاحب نے قیام تعظیمی مستحب لکھا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

ویستحب القیام للامام العادل والوالدین واھل الدین والورع واکرم الناس۔

بادشاہِ عادل، والدین، دیندار، پرہیزگار اور کریم لوگوں کے لیے قیام مستحب ہے۔

یعنی ان میں سے کوئی آجائے تو تعظیم کے لیے کھڑا ہونا مستحب ہے۔ یہ ہے حضرت پیر صاحب کی تعلیم۔ لیکن ایسے لوگ بھی ہیں جو اس قیام کو جائز نہیں سمجھتے پھر انصاف فرمائیے کہ وہ لوگ پیر صاحب کے موافق ہیں یا مخالف؟

ارشاد نمبر ۶

پیر صاحب جمعہ کے لیے ایسا گاؤں شرط صحت جمعہ لکھتے ہیں جس میں کم از کم چالیس آدمی عاقل، بالغ احرار رہتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

فکل من یلزمتہ الصلوات الخمس یلزمہ فرض الجمعۃ اذا کان مستوطنا مقیما ببلد وقریۃ جامعۃ فیھا اربعین رجلا عقلاء بلغاء احرارا۔

جس پر پانچ نمازیں فرض ہیں اس پر جمعہ بھی لازم ہے۔ جب وہ وطن میں مقیم ہو۔ شہر میں یا ایسے گاؤں میں جس میں چالیس آدمی عاقل بالغ احرار ہوں۔

لیکن موجودہ اہل حدیث ہر جگہ فرض کہتے ہیں۔ چالیس آدمی کی شرط نہیں مانتے

تو بتائیے کہ پھر وہ امام صاحب کے مخالف ہیں یا نہیں؟

ارشاد نمبر ۷

پیر صاحب نے غنیۃ میں ایک حدیث نقل فرمائی ہے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب کوئی مر جائے اور تم اس پر مٹی برابر کر دو تو چاہیے کہ تم میں سے ایک اس کی قبر پر کھڑا ہو اور کہے "اے فلاں ابنِ فلاں، تحقیق وہ مردہ سنتا ہے اور جواب نہیں دیتا۔

دیکھئے! کہ پیر صاحب تو سماعِ موتیٰ کے قائل ہیں۔ لیکن آج کل کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مردے نہیں سنتے۔ تو پھر وہ لوگ پیر صاحب کے مخالف ہوئے نہ کہ موافق۔

ارشاد نمبر ۸

غنیۃ صـ ۹۵۴ میں پیر صاحب فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز لکھتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں۔

قال اجح من یرفع یدیہ بالدعاء الی اللہ اذا فرغ من صلوٰۃ المکتوبۃ والخاسر ھو الذی خرج من المسجد بلا دعاء۔

نفع اٹھانے والا وہ ہے جس نے نماز فرض سے فارغ ہو کر دعا کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف ہاتھ اٹھائے اور نقصان اٹھانے والا وہ ہے جو دعا کے بغیر مسجد سے نکل گیا۔

یہ پیر صاحب کا ارشاد ہے۔ لیکن حضرات غیر مقلدین اسے بے ثبوت جانتے ہیں۔ دیکھئے! کون اس ارشاد پر عمل کرتا ہے اور کون اس کا مخالف ہے۔

ارشاد نمبر ۹

پیر صاحب غنیۃ میں فرماتے ہیں:

نومن بان المیت یعرف من تزورہٗ اذا اتاہ

ہمارا ایمان ہے کہ میت کے پاس جب کوئی زائر آئے تو وہ اسے پہچانتی ہے۔

یہ ہے پیر صاحب کا ارشاد! لیکن غیر مقلدین نہیں مانتے۔

ارشاد نمبر ۱۰

حضرت پیر صاحب فرماتے ہیں:۔

واھل السنۃ یعتقدون ان اللہ یجلس رسولہٗ ونبیہ المختار علی سائر رسلہ وانبیائہ معہ علی العرش یوم القیامۃ۔

اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء سے بالا، اللہ تعالیٰ اپنے رسول مختار کو قیامت کے روز اپنے ساتھ عرش پر بٹھائے گا۔

ملاحظہ فرمائیے! غوث پاک کا ارشاد۔ فرمائیے! کیا آپ بھی یہ مانتے ہیں۔ ہرگز امید نہیں۔ یہ بھی خیال فرمائیے کہ غوث پاک حضور کو "مختار" فرما رہے ہیں۔ یہ عقیدہ تو آپ کے ہاں از قبیل شرک ہے۔ تو فرمائیے کہ غوث پاک کے ارشادات کے موافق کون لوگ ہیں اور مخالف کون؟

ارشاد نمبر ۱۱

حضرت پیر صاحب غنیۃ ص۱۵۹ میں فرماتے ہیں۔

ونومن بان النبی صلی اللہ علیہ وسلم رأی ربہ عزوجل

لیلۃ الاسریٰ بعینی راسہ لا بفوادہ ولا فی المنام

ہمارا ایمان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات اپنے رب کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا۔ نہ کہ دل سے یا خواب میں۔

فرمائیے! کیا آپ کا بھی یہ ایمان ہے؟ لیکن امید نہیں کہ ہو۔ اگر ہے تو الحمد للہ اگر نہیں تو فرمائیے کہ غوثِ پاک کے ارشادات کے مخالف ہم ہیں یا آپ؟

ارشاد نمبر ۱۲

غنیۃ الطالبین کے ص۱۸۷ میں حضرت پیران پیر دعا مانگتے ہیں کہ حق سبحانہ وتعالیٰ ان کو از روئے اعتقاد و عمل امام احمد بن حنبل کے مذہب پر مارے اور ان کے گروہ میں حشر کرے۔ آپ کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے!

قال الامام ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی

واماتنا اللہ علی مذھبہ اصلا وفرعا واحشرنا فی زمرتہ

جس سے معلوم ہوا کہ حضرت پیران پیر قدس سرہٗ حنبلی تھے۔ اکابر اہل حدیث نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ حضرت غوثِ پاک حنبلی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے امام احمد کے مذہب کے اتباع میں جمعہ کی نماز کا وقت قبل از زوال لکھا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنے امام کے مذہب کے لحاظ سے آمین بالجہر اور رفع یدین لکھا ہے۔ لہذا مقلد ہونے میں غوثِ پاک ہمارے موافق ہیں۔ وہ امام احمد کے مقلد ہیں اور ہم امام اعظم کے۔

حضرت پیران پیر اپنے امام کی تقلید میں جو مسئلہ لکھتے ہیں وہ ہم پر حجت نہیں ہے اگر آپ کو پیر صاحب کے رفع یدین اور آمین بالجہر کا اتباع ہے تو تقلید میں بھی ان کا اتباع کرو۔ امام اعظم کی تقلید اگر ناگوار ہے تو نہ سہی امام احمد بن حنبل ہی کی تقلید کرو۔ لیکن اس کی امید نہیں ہے تو پھر فرمائیے کہ پیر صاحب کے مخالف کون ہیں اور موافق کون؟

ارشاد نمبر ۱۳

پیر صاحب غنیۃ ص۱۴۳ میں فرماتے ہیں:

اما اذا کان الشئ مما اختلف الفقہاء فیہ وساغ فیہ الاجتہاد کشرب عامی النبیذ مقلد الابی حنیفۃ وتزوج امرأۃ بلا ولی علی ما عرف من مذہبہ لم یکن لاحد ممن ہو علی مذہب الامام احمد والشافعی الانکار علیہ

جس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے جیسے ایک شخص امام اعظم کا مقلد ہو کر عاقلہ بالغہ کا نکاح بغیر ولی کرتا ہے یا نبیذ پیتا ہے تو امام احمد اور شافعی کے مقلد کو اس پر انکار جائز نہیں۔

دیکھئے کہ امام اعظم کے مقلد کو اپنے امام کی تقلید سے روکنے سے منع کیا جا رہا ہے اگر غوث پاک کے نزدیک اماموں کی تقلید ناجائز ہوتی تو ایسا کیوں لکھتے؟ معلوم ہوا کہ پیران پیر مقلد کے لیے تقلید امام صحیح اور حق جانتے تھے۔ اب آپ فرمائیے کہ آپ کا کیا خیال ہے؟ امام اعظم سے تو آپ کو نہ جانے کیوں چڑ ہے؟ تو فرمائیے کہ حضرت پیر صاحب کے موافق کون ہے اور مخالف کون؟

ارشاد نمبر ۱۴

غنیۃ کے ص۱۸۷ میں حضرت پیران پیر ایک حدیث لکھتے ہیں جس میں حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ امام جب تکبیر کہے تو تکبیر کہو، جب پڑھے تو چپ رہو۔ اور جب غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تو آمین کہو۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

اذا کبر الامام فکبروا واذا قرء فانصتوا واذا قال غیر المغضوب علیہم ولا الضآلین فقولوا آمین۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تکبیر کے بعد امام الحمد پڑھے تو مقتدی خاموش رہے

امام جب ولا الضالین کہے تو مقتدی آمین کہے۔

اگر خاموش رہنا بوقت ضم سورہ ہوتا تو فقولوا آمین کے بعد آتا۔ یہ حکم ولا الضالین پڑھنے سے پہلے آیا ہے۔ اس لیے مقتدی کا خاموش رہنا پیر صاحب کے نزدیک لازم ہوا۔ حضرت پیر صاحب امام احمد بن حنبل کے مقلد تھے اور امام احمد بن حنبل قرأۃ سورۂ فاتحہ کو نماز میں فرض قرار نہیں دیتے۔ ملاحظہ ہو جامع ترمذی۔

اب فرمائیے کہ پیر صاحب کے موافق کون ہیں اور مخالف کون؟

ارشاد نمبر ۱۵

حضرت غوث پاک غنیۃ صـ۱۰۵ میں فرماتے ہیں:

ویقرء احدی عشر مرۃ قل ھو اللہ احد وغیرھا من القرآن ویھدی ثواب ذالک لصاحب القبر۔

گیارہ مرتبہ قل شریف اور کچھ قرآن پڑھ کر اس کا ثواب صاحب قبر کو بھیجے۔

دیکھئے! حضرت پیر صاحب تو ایصال ثواب کی تعلیم دے رہے ہیں اور آپ کے نزدیک مردہ کو ثواب نہیں پہنچتا۔ چنانچہ ملاحظہ فرمائیے اخبار اہل حدیث:

محدثین کے نزدیک قرآن کا ثواب مردہ کو نہیں پہنچتا۔

(اخبار اہل حدیث ۶ جولائی ۲۸ء ۱۴ اگست ۲۸ء اور ۲۹ مارچ ۲۹ء)

اب فرمائیے کہ حضرت غوث پاک کے ارشادات کے مخالف کون ہیں اور موافق کون؟

ارشاد نمبر ۱۶

پیر صاحب غنیۃ صـ۵۶۷ میں فرماتے ہیں۔

وھی عشرون رکعۃ۔

اور وہ (نماز تراویح) بیس رکعت ہے۔
لیکن آپ ہیں کہ بیس رکعت تراویح نہیں مانتے۔

ارشاد نمبر ۱۷

حضرت پیر صاحب غنیۃ ص۴۷۷ میں خدا کے مقبولین کے ذکر میں فرماتے ہیں:
فیکون من امناء اللہ وشھدائہ واوتاد ارضہ وشحن
عبادہ وبلادہ واحبائہ واخلائہ
وہ شخص اللہ کے امینوں سے ہو جاتا ہے اور اس کے گواہوں سے
اور اس کی زمین کے اوتاد سے اور اس کے محبوبوں سے۔
اسی مضمون کو آپ نے فتوح الغیب کے چوتھے مقالہ میں ذکر کیا ہے:
فتکون شحنۃ البلاد ولعباد
یہ ہے پیر صاحب کا ارشاد! کیا آپ بھی مقبولانِ بارگاہِ الٰہی کو شحنۃ البلاد والعباد سمجھتے ہیں؟ یا ایسا کہنا آپ کے نزدیک شرک ہے تو معاذ اللہ پھر آپ کے ناوک سے تو غوث پاک بھی محفوظ نہیں رہتے۔ وہی غوثِ پاک جن کی آمین بالجہر اور رفع یدین کو آپ بطور ایک سند کے پیش کرتے ہیں۔

ارشاد نمبر ۱۸

پیر صاحب فتوح الغیب میں فرماتے ہیں:
بك تنكشف الكروب وبك تسقى الغيوث وبك تنبت الزروع
وبك يدفع البلاء والمحن عن الخاص والعام۔
"تیرے وسیلہ سے سختیاں دور ہوں گی، تیری طفیل مینہ برسیں گے، زراعتیں ہوں گی اور تیرے ذریعہ سے خاص و عام کی بلائیں دور ہوں گی۔"

کیا آپ لوگوں کا بھی یہی عقیدہ ہے جو غوثِ پاک ارشاد فرما رہے ہیں ۔

ارشاد نمبر ۱۹

فتوح الغیب کے تیرھویں مقالہ میں حضرت پیر صاحب فرماتے ہیں:

قال اللہ فی بعض کتبہ یا ابن آدم انا اللہ لا الٰہ الا انا اقول للشئ کن فیکون اطعنی اجعلک تقول للشئ کن فیکون ۔

اے ابن آدم! میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے جب میں کسی چیز کو کہتا ہوں کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے تو میرا فرمانبردار ہو تو میں تجھے بھی ایسا کر دوں گا کہ تو بھی کسی شے کو کہے ہو جا تو وہ ہو جایا کرے گی ۔

حضرتِ غوثِ پاک کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ خاصانِ خدا اور مقبولان بارگاہ کو تکوین میں بھی دخل ہوتا ہے. کیا آپ کا بھی یہی عقیدہ ہے؟ اگر نہیں تو پھر آپ پیر صاحب کے مخالف ہوئے یا موافق؟

ارشاد نمبر ۲۰

غنیۃ ص۹۹۷ میں پیر صاحب فرماتے ہیں:

فلا بد لکل مرید للہ عز وجل من شیخ علی ما بینا

ہر مرید الٰہی کے لیے شیخ و پیر کا ہونا لازمی ہے ۔

اب فرمائیے کہ موجودہ اہل حدیث کہلانے والے احباب کس پیر کے مرید ہیں ۔

حرفِ آخر

یہ ہیں پیران پیر حضرت غوثِ پاک رحمۃ اللہ علیہ کے چند ارشادات ۔ اگر پیر صاحب کسی امام کے مقلد نہ تھے تو لامحالہ مجتہد محدث تو ضرور ہوں گے ۔ پھر ان کا ہر قول مقلدانہ نہیں بلکہ محدثانہ ہوگا ۔ اس لیے ہر ایک اہل حدیث کہلانے والے کو ان اقوال کی قدر کرنا چاہیے ۔

مولوی وحید الزمان
کے
چند اقوال

تعارف

مولوی وحید الزمان موجودہ جماعت اہل حدیث میں ایک بلند پایہ عالم ہوئے ہیں۔ انہوں نے قرآن مجید کا اردو ترجمہ کر کے اس پر فوائد لکھے، صحاح کا ترجمہ کیا اور فوائد میں اپنے مذہب کی تقویت کی۔ عام اردو خواں ان تراجم کو پڑھ کر اس جماعت میں داخل ہوئے۔

۲۴ ستمبر ۱۹۲۰ء کے اخبار اہل حدیث میں، ان کا ذکر موجود ہے۔ پہلے حنفی تھے اور اُن کے والد ماجد بھی حنفی تھے۔ نور الهدایہ ترجمہ شرح وقایہ انہی کی تالیف ہے۔ ان کے بڑے بھائی بدیع الزمان موجودہ مدعیان عمل بالحدیث کی جماعت میں تھے۔ جن کے اثر سے انہوں نے حنفی مذہب ترک کیا۔ ادھر نواب صدیق حسن خاں بھوپالوی نے ان کی تنخواہ مقرر کر دی کہ صحاح کا ترجمہ کریں۔

مولوی وحید الزمان نے اپنی تالیفات میں چند اقوال ایسے لکھے ہیں جن پر اگر موجودہ اہل حدیث عمل کریں تو یقین ہے کہ بہت سے جھگڑے مٹ جائیں۔ ذیل میں ہم چند اقوال درج کر رہے ہیں امید ہے کہ حضرات غیر مقلدین ان پر غور فرمائینگے۔

پہلا قول

ہدیۃ المہدی جلد اول کے صفحہ ۱۱۸ میں لکھتے ہیں۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہر مسلمان پر واجب ہے، پھر آگے لکھتے ہیں۔

ولا یجوز الانکار علی امور مختلفۃ فیہا بین العلماء

ایسے امور پر انکار جائز نہیں جو علماء میں مختلف فیہ ہوں۔

پھر اس کی مثال میں لکھتے ہیں۔

کغسل الرجل ومسحہ فی الوضوء والتوسل بالأموات فی الدعاء والدعاء من اللہ عند قبور الاولیاء والانبیاء وارسال الیدین فی الصلوٰۃ ووطی الازواج والاماء فی الدبر والمتعۃ والجمع بین الصلوٰتین واللعب بالشطرنج والغناء والمزامیر والفاتحۃ الموسومۃ ومجلس المیلاد۔

جیسے وضو میں پاؤں کا دھونا اور مسح کرنا، دعا میں مردوں کے ساتھ وسیلہ ، اولیاء وانبیاء کی قبور پر اللہ سے دعا مانگنا، نماز میں ہاتھوں کا چھوڑنا، بیویوں اور یوں کے ساتھ دبر میں وطی کرنا، متعہ، دو نمازوں کا جمع کرنا، شطرنج کھیلنا، گانا ، رسمی فاتحہ اور مجلس میلاد۔

میں کہتا ہوں

اگر موجودہ مدعیان عمل بالحدیث ایسے امور پر انکار نہ کریں جو علماء مختلف ں تو آج ہی کئی تنازعات ختم ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح حض بلانی رحمۃ اللہ علیہ غنیۃ الطالبین مطبوعہ مرتضوی دہلی کے

اما اذا کان الشئ مما اختلف

کشرب عامی النبیذ مقل

علی ما عرف من مذھب

الامام احمد والشافعی الانکار علیہ۔

اگر ایسی چیز ہو جس میں فقہاء مختلف ہیں اور اس میں اجتہاد کی گنجائش ہو جیسا کہ عامی امام ابوحنیفہ کا مقلد ہو کر نبیذ تمر پیئے یا عورت بلا ولی نکاح کرے تو امام احمد اور امام شافعی کے مقلدین کو انکار کا حق نہیں۔

معلوم ہوا کہ حضرت پیر صاحب کے نزدیک امام ابوحنیفہ کے مذہب کے مطابق عمل کرنے والے پر کسی دوسرے مذہب والے کو انکار جائز نہیں، اس قول پر عمل کرنے سے کئی جھگڑے ختم ہو سکتے ہیں۔

دوسرا قول

مولوی وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں کہ ابن تیمیہ اور ابن قیم نے انبیاء و اولیاء کی قبور سے فیوض و برکات اور لذائذ قلبیہ حاصل کرنے سے انکار کیا ہے، حالاں کہ متاخرین میں سے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ عبدالعزیز اور سید احمد اور متقدمین میں سے امام شافعی اور ابن حجر مکی کے علاوہ تمام صوفیہ علیہ الرحمۃ نے اس کا اثبات کیا ہے، صوفیائے کرام سب کے سب متفق ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مشاہدہ اور تجربہ ہے جس کا انکار ممکن نہیں۔

شیخ ابن حجر نے قلائد میں روایت کیا ہے کہ امام شافعی، امام اعظم کی قبر کے ساتھ برکت حاصل کرتے تھے۔ وہ امام اعظم کی قبر پر دعا مانگتے تھے اور اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول فرما لیتا تھا۔

ہدیۃ المہدی ج اول ص ۲۲-۲۳ میں وحید الزمان لکھتے ہیں۔

قلت اذا ثبت السماع والادراك للموتی فای مانع یمنع منه سیما اذا جربه کثیر من الاولیاء بحیث لا یحصی عددهم ولا یجوز للعقل تکذیبهم ومع ذالك الاحوط الاقتصار علی الزیارة السنیة وترك الانکار۔

میں کہتا ہوں کہ جب مردوں کے لیے سماع وادراک ثابت ہے تو کونسا مانع ہے جو منع کرے بالخصوص جب کہ بہت سے اولیائے کرام نے اس کا تجربہ کیا جس کا شمار نہیں ہو سکتا اور عقل ان کی تکذیب نہیں کر سکتی۔ ہاں! احتیاط یہ ہے کہ زیارت سنیہ پر اقتصار کرے اور فیض پانے والے زائرین پر انکار نہ کرے۔

میں کہتا ہوں

اس قول پر بھی اگر مدعیان عمل بالحدیث عمل کریں اور زائرین پر انکار نہ کریں تو یقین ہے کہ یہ لوگ بھی بزرگانِ دین کے فیوض و برکات سے بہرہ ور ہو سکتے ہیں۔ بزرگانِ دین کے مزارات پر حاضری کو جھٹ یہ لوگ شرک سے تعبیر کرتے ہیں اور بات بات پر مسلمانوں کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتے ہیں۔ اگر یہ لوگ اپنے مولوی وحید الزمان کے قول "ترک انکار" پر عمل کریں تو مسلمانوں کے درمیان منافرت ختم ہو جائے۔

تیسرا قول

مولوی وحید الزمان، ہدیۃ المہدی جلد اول کے صفحہ ۱۱۶ میں بدعت کی تعریف میں لکھتے ہیں۔

البدعة الشرعية هي الامر الحادث بعد القرون الثلاثة المشهود لهم بالخير لم يدل عليه دليل من الكتاب والسنة ولم يدخل تحت عمومها بل كان في خلاف ما امر الله به ورسوله۔

بدعت شرعیہ دین میں ایک نو پیدا امر ہے جو قرون ثلاثہ کے بعد حادث ہو اور قرآن و سنت سے اس پر کوئی دلیل نہ ہو اور نہ وہ قرآن و حدیث کے عموم کے تحت داخل ہو بلکہ اللہ اور رسول کے امر کے خلاف ہو۔

پھر صفحہ ۱۱۷ میں لکھتے

قال شیخنا ابن الاثیر الجوزی البدعة بدعتان بدعة هدای وبدعة ضلال فما کان فی خلاف ما امر اللہ بہ ورسولہٗ فھو فی حیز الذم والانکار وما کان واقعا تحت عموم ما نداب اللہ الیہ وحض علیہ اللہ ورسولہٗ فھو فی حیز المدح ولولو یکن لہٗ مثال موجود وعلی الاول یحمل الحدیث الاٰخر کل محدثة بدعة انما یرید ما خالف اصول الشریعة ولو یوافق السنة۔

ہمارے شیخ ابن اثیر جوزی فرماتے ہیں کہ بدعت دو قسم کی ہے، ایک بدعت ہدایت دوسری گمراہی۔ پس جو اللہ و رسول کے حکم کے خلاف ہو تو وہ بدعت مذمومہ ہے اور جو چیز اس عموم کے ماتحت ہو جس کو اللہ نے پسند فرمایا اور اس پر رغبت دلائی تو وہ حیز مدح میں ہے اگرچہ اس کی مثال موجود نہ ہو اور حدیث کل محدثۃ ضلالۃ پہلی قسم پر محمول ہے یعنی جو کہ اصول شریعت کے خلاف ہو اور سنت کے موافق نہ ہو۔

اپنے قول کی تائید میں مولوی وحید الزمان صاحب نزل الابرار جلد ۲ کے صفحہ ۴ میں لکھتے ہیں کہ احداث فی الدین بدعت شنیعہ محرمہ ہے۔

الا اذا کان لھا اصل من الشرع اودخلت فی عمومات النصوص المحرضة علیھا۔

اس نئے کام کی شریعت میں کچھ اصل ہو یا وہ نصوصات کے عمومات میں داخل ہو تو وہ بدعت محرمہ مذمومہ نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں

اگر آج کل کے مدعیان عمل بالحدیث مولوی وحید الزمان کے قول کو مان لیں اور بات بات پر بدعت بدعت کا فتویٰ نہ دیں تو اختلافات کا بہت سا حصہ خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے کسی بڑے عالم کے قول کو بھی نہیں مانتے بلکہ بمکو اعجاب کل ذی رای برایہ اپنی اپنی رائے پر ایسے جمے ہوئے ہیں کہ جھٹ دوسروں پر بدعت کا فتویٰ لگا دیتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم بھی بدعت کو برا سمجھتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ہر بدعت (شرعی) گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا انجام جہنم ہے۔ اگر اختلاف ہے تو صرف اس بات میں کہ بدعت کہتے کس کو ہیں؟ اور بدعت ہے کیا چیز؟ بدعت کی جو تعریف یہ لوگ کرتے ہیں اسے ہم نہیں مانتے اور جو تعریف ہم کرتے ہیں اسے یہ لوگ نہیں مانتے۔ ہمیں یہ حکم نہیں ہے کہ بدعت کی جو تعریف یہ لوگ کریں اُسے ضرور مانو۔ ہم ان کی سمجھ کی مخالفت کرتے ہیں۔ قرآن و حدیث کی مخالفت نہیں کرتے۔ لیکن یہ لوگ ہمیں اس لیے بدعتی کہتے ہیں کہ ہم ان کے بیان کردہ معانی کو صحیح نہیں سمجھتے ہاں اگر یہ لوگ کوئی آیت یا حدیث اپنے بیان کردہ معانی کی صحت پر پیش کرتے تو بات تھی۔ مگر بحمداللہ کوئی ایسی روایت پیش نہیں کر سکتے جس سے ان کے بیان کردہ معانی کی صحت ثابت ہو۔ اس پر طرہ یہ کہ ان کے علماء بھی بدعت کی تعریف میں مختلف ہیں

کوئی کہتا ہے کہ بدعت وہ ہے جو تین قرنوں کے بعد یعنی صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے بعد امر حادث ہو۔ یہ قول حافظ محمد لکھوکی والہ نے زینت الاسلام میں لکھا ہے۔

کوئی کہتا ہے کہ جو چیز بعد صحابہ و تابعین حادث ہو وہ بدعت ہے۔ یہ قول مائۃ مسائل میں لکھا ہے اس قول کے لحاظ سے تبع تابعین کے زمانہ کی نئی پیدا شدہ چیز بدعت ٹھہرتی ہے۔

کوئی کہتا ہے کہ صحابہ کے بعد جو قول فعل حادث ہو، بدعت ہے، اس قول کے مطابق زمانہ تابعین کو نئی چیز بھی بدعت ہو گی۔

کوئی کہتا ہے کہ جو امر حضور علیہ السلام کے زمانہ میں نہ ہو، وہ بدعت ہے اس قول کے مطابق صحابہ کے دور کی نئی چیز بھی بدعت بنتی ہے۔

کوئی کہتا ہے کہ جو کام ایسا ہو کہ اس پر حضور نبوی کا حکم نہ صراحتاً نہ استنباطاً اور اس کو کارِ خیر سمجھ کر کیا جائے تو وہ بدعت ہے۔ خواہ کسی زمانہ میں ہو۔ خواہ اس کے کرنے والے کوئی لوگ ہوں۔ (اہل حدیث ۱۸ جنوری ۱۹۰۷)

اس قول کے مطابق زمانہ کی کوئی قید نہیں تو اس صورت میں کس کا قول صحیح مانا جائے۔

اب سنیئے!

حضرت امام شافعی کی تائید

فتح الباری جز ۲۹ ص۶۴۹ میں حضرت امام شافعی کا قول ملاحظہ فرمائیے فرماتے ہیں:-

المحدثات ضربان ما احدث یخالف کتابا او سنۃ او اثرا او اجماعًا فھذہ بدعۃ الضلال واحدث من الخیر لا یخالف شیئًا من ذالك فھذہ محدثۃ غیر مذمومۃ۔

نئی چیز دو قسموں پر ہے۔ جو نئی چیز کتاب و سنت یا اثر و اجماع سے ٹکرائے تو وہ بدعت ضلالہ ہے اور ہر وہ اچھی نئی چیز جو مذکورہ امور میں سے کسی سے نہ ٹکرائے، وہ غیر مذموم (اچھی) ہے۔

ابن قیم نے اعلام الموقعین جلد ۲ ص۱۷۱ میں بھی امام شافعی سے اس تعریف کو نقل کیا ہے۔

معلوم ہوا کہ بدعت کی تعریف جو مولوی وحید الزمان نے لکھی ہے، صحیح ہے اگر مدعیان بالحدیث اس تعریف کو مانتے ہوئے، ان امور کو جو قرآن و سنت، آثار صحابہ اور اجماع کے خلاف نہیں، بدعت نہ کہیں تو امید ہے کہ کئی جھگڑے ختم ہو جائیں اور اتفاق کی صورت پیدا ہو جائے۔

چوتھا قول

مولوی وحید الزمان کا قول ہے کہ متاخرین میں سے ہمارے بعض بھائی شرک کے امر میں بہت متشدد ہیں۔ انہوں نے اسلام کے دائرہ کو تنگ کر دیا ہے۔ امور مکروہہ یا محرمہ کو شرک کہہ دیتے ہیں۔

ہدیۃ المہدی ص۲۶ کی عبارت ملاحظہ فرمائیے ۔

شدد بعض اخواننا من المتأخرین فی امر الشرک وضیق دائرۃ الاسلام وجعل الامر المکروھۃ او المحرمۃ شرکا فان کان غرضہ من ھذا الشرک العملی اعنی الشرک الاصغر سد الذرائع فاللہ یغفر لہ ویعفو عنہ والا ھو غالی ومتشدد فی الدین ۔

متاخرین میں سے ہمارے بعض بھائی شرک کے معاملہ میں بہت متشدد ہیں اور انہوں نے اسلام کا دائرہ تنگ کر رکھا ہے وہ امر مکروہہ یا محرمہ کو شرک کہہ دیتے ہیں اگر ان کی مراد شرک عملی یا شرک اصغر ہو یا سدالذرائع لکھا ہو تو اللہ معاف کرے ورنہ وہ غالی اور متشدد فی الدین ہیں ۔

اس کے منہیہ میں لکھا ہے کہ وہ بعض متشدد شیخ عبدالوہاب نجدی ، اس کا بیٹا محمد اور اس کا فرزند عبداللہ ہے۔ تقویۃ الایمان میں مولوی اسماعیل نے اکثر امور میں اس کا اتباع کیا ہے ۔

معلوم ہوا کہ تقویۃ الایمان میں نجدیوں کا اتباع ہے اور نجدی غالی متشدد فی الدین ہیں پس اگر موجودہ مدعیان عمل بالحدیث اس قول پر عمل کریں اور مسلمانوں کو مشرک نہ بنائیں تو آج ہی تنازعات ختم ہو جائیں ۔

اقوال نجدیہ اور مولوی وحید الزمان

مولوی وحید الزمان اقوال نجدیہ لکھ کر ان کا تشدد ظاہر کرتے ہیں ، کاش آج کل کے مدعیان عمل بالحدیث اسے پڑھ کر غور کریں اور تشدد کو ترک کر دیں تو اتحاد بین المسلمین کے لیے راستہ ہموار ہو جائے ۔

قول نجدی

نجدی کہتا ہے کہ مشکلات میں اعانت اور حاجات کا پورا کرنا اگرچہ اللہ کی

قدرت سے ہے اور اس کے اذن اور امر و رضا پر ہے۔ انبیاء و اولیاء کی شان سے نہیں۔ جو شخص یہ عقیدہ رکھے وہ مشرک ہے۔

قول وحید الزمان

وحید الزمان کہتا ہے کہ یہ بات صحیح نہیں۔ کیونکہ اللہ کے امر و قضا و ارادہ سے فرشتے لوگوں کی اعانت کرتے ہیں۔ اپنے اختیار اور قدرت سے نہیں۔ پس اگر کوئی شخص کہے۔

یاروح القدس اعنی بامر اللہ یا انصرنی باذن اللہ۔

اے روح الامین اللہ کے اذن سے میری مدد کر۔

تو کیا وہ شخص مشرک ہو جائے گا؟

اسی طرح اگر کہے۔

یا ملئکۃ اللہ یا عباد اللہ اعینونی بامر اللہ

اے اللہ کے فرشتو یا اللہ کے بندو! اللہ کے امر سے میری مدد کرو۔

یا یوں کہے۔

اے میکائیل میری کھیتی میں باذن اللہ بارش ڈال۔

تو وہ کس طرح مشرک ہو جائے گا؟ حالانکہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔

وایدناہ بروح القدس۔ (منیہ ہدیۃ المہدی ص۲۷)

پھر مولوی وحید الزمان لکھتے ہیں کہ:۔

لوگ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔

وتعاونوا علی البرّ والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان

وقال اللہ تعالیٰ:

ان استنصروا کم فی الدین فعلیکم النصر۔

وقال تعالیٰ:

یمددکم ربکم بخمسۃ آلاف من الملئکۃ مسومین۔

اور ذو القرنین نے فرمایا۔

اعینونی بقوۃ۔

اور حدیث ابدال میں ہے۔

الابدال فی امتی ثلثون رجلا بھم تقوم الارض وبھم تمطرون

وبھم تنصرون۔

میری امت میں تیس ابدال ہیں جن کی برکت سے زمین قائم ہے۔ انہی کی برکت سے بارش ہوتی ہے اور انہی کی برکت سے تم لوگ مدد کیے جاتے ہو۔

اور حدیث حسان میں ہے۔

اللھم ایدہ بروح القدس

اے اللہ روح القدس کے ساتھ اس کی مدد کر۔

پس مولوی وحید الزمان کے اس تبصرہ سے معلوم ہوا کہ بندگانِ خدا اور پاکانِ امت اللہ کی رضا سے مشکلات میں اعانت کرتے اور حاجات کو پورا کرتے ہیں کاش آج کل کے مدعیان عمل بالحدیث اپنے جلیل القدر عالم کے تبصرہ پر غور کریں اور بات بات پر مسلمانوں کو مشرک بنانا چھوڑ دیں۔

قول نجدی

نجدی کہتا ہے کہ جب لوگ انبیاء و صلحاء کی قبروں کو بوسہ دینا شروع کر دیں یا ہاتھ لگائیں یا ان کے گرد طواف کریں تو وہ قبریں، بتوں کے حکم میں ہو جاتی ہیں۔ ان قبروں کا گرا دینا اور ان کی اہانت واجب ہے، نجدی نے رسول کریم کے اس قول سے تمسک پکڑا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے۔

اللھم لا تجعل قبری وثنا یعبد

قول وحید الزمان

وحید الزمان کہتا ہے کہ انبیاء و صلحاء کی قبور کی تعظیم ہماری شریعت نے باقی رکھی ہے، ان کی تحقیر جائز نہیں۔ البتہ لوگوں کو ان امور سے جو وہ کرتے ہیں منع کر

دیا جائے۔ جس طرح کوئی شخص کعبہ شریف، حجر اسود یا صفا مروہ کی عبادت شروع کر دے تو کیا کعبہ شریف کا گرانا اور اس کی اہانت درست ہو گی؟ ہرگز نہیں! حضور علیہ السلام کی دعا کا یہ مطلب نہیں کہ لوگوں کی عبادت سے حضور کی قبر مبارک بت بن جائے گی بلکہ مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی قبر کو مثل بت نہ بنائے کہ لوگ اس کی پوجا شروع کر دیں۔

قول نجدی

نجدی کہتا ہے کہ جو شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی تعظیم کرے اور اس طرح کھڑا ہو جس طرح نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر کھڑا ہوتا ہے اور آپ سے شفاعت طلب کرے تو وہ مشرک ہو جاتا ہے۔

قول وحید الزمان

وحید الزمان کہتا ہے کہ یہ وہ غلو ہے جس سے منع کیا گیا ہے، امام ذہبی، مکی ماوردی اور ابن ہمام وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ آداب زیارت میں سے ہے۔ کہ ایسے کھڑا ہو جیسے نماز میں کھڑا ہوتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر آئے، کھڑے ہوئے اور ہاتھ اٹھائے، راوی کہتے ہیں، میں نے گمان کیا کہ آپ نے نماز شروع کر دی۔

اگر قبر پر قیام شرک ہوتا تو سجدہ بطریق اولیٰ شرک ہوتا حالانکہ حضرت معاذ نے جب حضور کو سجدہ کیا تو آپ نے ان کو تجدید ایمان کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ صرف نہی پر کفایت فرمائی۔ واللہ اعلم (ہدیۃ المہدی ص۳۰)

ابنِ قیّم

کے

چند اقوال

تعارف

علامہ ابن قیم بلند پایہ محدث گذرے ہیں اس زمانہ کے اہل حدیث بھی ان کو بلند پایہ محدث تسلیم کرتے ہیں، علامہ ابن قیم نے اپنی تصنیفات میں کئی ایسی باتیں لکھی ہیں جو موجودہ دور کے اہل حدیثوں کے خلاف ہیں۔ اس مضمون میں علامہ ابن قیم کے چند اقوال پیش کیے جا رہے ہیں۔

جو بات موجودہ دور کے اہل حدیثوں کے خلاف ہو، خواہ وہ کسی محدث کا قول کیوں نہ ہو، جھٹ یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم اس کے مقلد تو نہیں، ہم مانتے ہیں کہ آپ ابن قیم کے مقلد نہیں لیکن اتنا تو بتاؤ کہ وہ تم سے زیادہ حدیث کا واقف تھا یا نہیں؟ ایک شخص جو تم سے زیادہ حدیث کا واقف ہے اور محدث دوراں ہے وہ اگر کوئی بات انصاف سے کہہ دے تو تمہیں مان لینے میں کیوں تامل ہے۔

آئندہ سطور میں ابن قیم کے چند اقوال درج کیے جا رہے ہیں۔ موجودہ دور کے اہل حدیثوں میں سے کوئی سلیم الفطرت اگر ایک محدث کے اقوال پر یقین کر لے تو میری محنت رائگاں نہ جائے گی۔

فقیر ابو یوسف محمد شریف غفرلہ

پہلا قول

زاد المعاد جلد اوّل مطبوعہ مصر ۱۳۵۳ھ کے صفحہ ۹۹ میں فرماتے ہیں۔

فاذا جہر بہ الامام احیانا لیعلم الماموین فلا باس بذالک فقد جہر عمر بالاستفتاح لیعلم الماموین وجہر ابن عباس بقراءۃ الفاتحۃ فی صلوٰۃ الجنازۃ انہا سنۃ ومن ھذا ایضا جہر الامام بالتامین۔

اگر امام دعائے قنوت اونچی پڑھے تاکہ مقتدیوں کو سکھائے تو کوئی ڈر نہیں۔ بے شک حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مقتدیوں کی تعلیم کے واسطے دعائے افتتاح (یعنی سبحانک اللھم وبحمدک) اونچی پڑھی اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جنازہ کی نماز میں سورۂ فاتحہ اونچی پڑھی تاکہ مقتدیوں کو معلوم ہو جائے کہ سورۂ فاتحہ پڑھنا سنت ہے اور امام کا اونچی آمین کہنا بھی اسی قبیل سے ہے (یعنی یہ بھی تعلیم کی غرض سے تھا تاکہ معلوم ہو جائے کہ ولا الضالین کے بعد جو سکتہ ہے اس میں آمین کہی جاتی ہے)

ابن قیم رحمہ اللہ نے امام کا آمین بالجہر تعلیم پر حمل کیا ہے۔ جس طرح ثناء کا اونچی پڑھنا حضرت عمر سے ثابت ہے اور یہی صحیح ہے اس کے متعلق ایک حدیث بھی آئی ہے۔ جس میں ایک صحابی آمین بالجہر کی وجہ بیان کرتا ہے۔ ما اراہ الالیعلمنا یعنی آپ کی آمین بالجہر تعلیم کے واسطے تھی۔

دوسرا قول

ابن قیم کے اس قول سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جنازہ میں جہر پڑھنا سنت نہیں۔ ابن عباس نے جہر اس لیے پڑھا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ جنازہ میں الحمد پڑھنا سنت ہے۔ (فرض نہیں) آج کل کے اہل حدیث کہلانے والے فرض کہتے ہیں حالانکہ

ابن قیم رحمہ اللہ کا شیخ ابن تیمیہ بھی فرضیت کا قائل نہیں۔
ابن قیم زاد المعاد جلد اول کے صفحہ ۲۰۱ میں فرماتے ہیں۔
قال شیخنا لا یجب قرأة الفاتحة فی صلوٰة الجنازة بل ھی سُنّة۔
ہمارے شیخ نے فرمایا کہ قرأت فاتحہ واجب نہیں بلکہ سنت ہے۔
میں کہتا ہوں یہ بھی بہ نیت دعا ہے نہ بہ نیت قرأت۔

تیسرا قول

اس زمانہ کے اہل حدیث کہلانے والے سفر میں دو نمازیں جمع کر لیتے ہیں کبھی جمع تقدیم یعنی ظہر کے ساتھ ہی عصر یا مغرب کے ساتھ ہی عشاء پڑھ لیتے ہیں اور کبھی جمع تاخیر یعنی عصر کے وقت ظہر اور عشاء کے وقت مغرب پڑھ لیتے ہیں۔
لیکن ابن قیم زاد المعاد جلد ۲ صفحہ ۹ میں لکھتے ہیں۔
قال ابو داؤد هذا حديث منكر وليس فی تقديم الوقت حديث قائم۔
ابو داؤد کہتے ہیں کہ یہ حدیث (حدیث معاذ در بارۂ جمع تقدیم) منکر ہے اور تقدیم وقت میں کوئی حدیث قائم نہیں۔
پھر صفحہ ۱۰ میں حاکم سے نقل کیا۔
کہ یہ حدیث موضع ہے۔
پھر ابن قیم نے یہی حدیث بروایت ہشام بن سعد عن ابی الزبیر نقل کی اور فرمایا۔
ہشام بن سعد ضعیف ہے۔ اس کو امام احمد و ابن معین و ابو حاتم و ابو زرعہ و یحیی بن سعید نے ضعیف کہا۔ اور جمع تاخیر سے مراد جمع صوری ہے۔
پھر ابن قیم زاد المعاد جلد ۲ صفحہ ۱۸ میں لکھتے ہیں۔
ولم یجیٔ جمع التقدیم عنہ، فی سفر الا ھذا
سفر میں جمع تقدیم کی ایک ہی روایت آئی ہے۔

جس کا ضعف ابن قیم نے ثابت کیا۔

چوتھا قول

زاد المعاد مطبوعہ مصر جلد اول ص۱۳ میں:-
ابن قیم ان لوگوں کی تردید کرتے ہیں جو کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہماری ذات کے مساوی ہے۔ حضور علیہ السّلام کی افضلیت صرف امور خارجہ کی وجہ سے ہے، فرماتے ہیں۔

اما ابین بطلان اے یقتضی بان مکان البیت الحرام مساو سائر الامکنۃ وذات الحجر الاسود مساویۃ لسائر حجارۃ الارض وذات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مساویۃ لذات غیرہ وانما التفضیل فی ذالک بامور خارجۃ عن الذات والصفات القائمۃ بہا وھذہ الاقاویل وامثالہا من الجنایات التی جناھا المتکلمون علی الشریعۃ ولسبوھا الیہا وھی بریئۃ منہا۔
وما سوی اللہ تعالیٰ بین ذات المسك وذات البول ابدا ولا بین ذات الماء وذات النار ابدا والتفاوت البین بین الامکنۃ الشریفۃ واضدادھا والذوات الفاضلۃ واضدادھا اعظم من ھذا التفاوت بکثیر فبین ذات موسیٰ علیہ السلام وفرعون من التفاوت اعظم مما بین المسك والرجیع وکذا الک التفاوت بین نفس الکعبۃ وبین بیت السلطان اعظم من ھذا التفاوت ایضا بکثیر فکیف یجعل البقعتان سواء فی الحقیقۃ والتفضیل باعتبار ما یقع ھناك من العبادات والاذکار والدعوات۔ انتہی۔

میں اس بات کا بطلان کرتا ہوں کہ بیت اللہ دوسرے مکانوں کے مساوی ہے اور حجر اسود زمین کے دوسرے پتھروں کے برابر ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات دوسرے لوگوں کی ذات کے مساوی ہے۔ اور ان کی برتری ان امور کے باعث ہے جو ذات و صفات قائمہ سے خارج ہیں۔ ایسی باتیں متکلمین نے شریعت کے ذمہ لگائی ہیں حالانکہ شریعت اس سے بری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کستوری کی ذات اور بول کی ذات کو برابر نہیں بنایا۔ نہ پانی اور آگ کی ذات کو مساوی کیا۔ شریف مکانوں اور ان کی اضداد اور ذوات فاضلہ اور ان کی اضداد میں جو فرق ہے۔ وہ اس فرق (یعنی کستوری اور بول کے فرق) سے نہایت ہی بڑا فرق ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی ذات اور فرعون کی ذات میں جو فرق ہے، وہ کستوری اور گوبر کے فرق سے بہت فرق ہے۔ اسی طرح نفس کعبہ اور بادشاہ کے گھر میں جو فرق ہے وہ بھی اس فرق سے بہت اعظم ہے تو کسطرح دونوں جگہوں کو مساوی کہا جاتا ہے؟ اور باعتبار عبادات اور اذکار کے نفس کعبہ کو فضیلت دی جاتی ہے۔

پانچواں قول

اس زمانہ کے اہل حدیث کہلانے والے غائبانہ نماز جنازہ کا حکم دیتے ہیں۔

ابن قیم زاد المعاد صـ۲۰۵ جلد اول میں فرماتے ہیں۔

ولم یکن من ھدایہ وسنۃ الصلوٰۃ علی میت غائب فقد مات خلق کثیر من المسلمین وھو غیب ولم یصل علیھم۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ نہ تھی کہ ہر غائب پر جنازہ کی نماز پڑھیں، کئی مسلمان غائب فوت ہوئے مگر آپ نے نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ رہی بات نجاشی کے غائبانہ جنازہ کی تو ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ نجاشی کفار میں فوت ہوا۔ اس پر کسی نے جنازہ نہ پڑھا تھا۔ اس لیے حضور علیہ السلام نے اس

کا غائبانہ جنازہ پڑھا۔

چھٹا قول

آجکل کئی لوگ نعت خوانی کو اچھا نہیں سمجھتے۔
ابن قیم زاد المعاد جلد ۳ صـ۱۳ میں فرماتے ہیں۔

فلما دخل قال العباس یا رسول اللہ ائذن لی امتدحك
فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قل لا یفضض اللہ
فاك فقال من قبلھا طبت فی الظلال وفی الخ

جب حضور مدینہ میں داخل ہوئے تو حضرت عباس نے عرض کی مجھے اجازت ہو تو آپ کی مدح کروں، حضور نے فرمایا کہو خدا تمہارے منہ کو سلامت رکھے تو حضرت عباس نے حضور کے سامنے حضور کی نعت نظم میں پڑھی۔

فقیہِ اعظم حضرت مولانا ابو یوسف محمد شریف محدث کوٹلوی کا خاص عطیہ؛

دافعِ اٹھراہ

جب عورت کے ہاں مردہ بچے پیدا ہوتے ہوں یا کمزور ہو کر مر جاتے ہوں یا وقت سے پہلے حمل ساقط ہو جاتا ہو یا لڑکیاں ہی لڑکیاں پیدا ہوتی ہوں اسے مرض اٹھراہ ہے اس نامراد مرض کے ازالہ کے لیے حضرت فقیہِ اعظم گولیاں اور تعویذات دیا کرتے تھے جس سے ہزاروں عورتیں بامراد ہو گئیں۔ اطبا حکما اور ڈاکٹروں نے تسلیم کیا ہے کہ اس مرض کیلئے

یہ روحانی علاج سو فیصد کامیاب ہے

الحمد للہ! یہ خاص عطیہ والد گرامی مجھے عطا فرما گئے ہیں ضرورتمند اصحاب مجھ سے

آٹھراہ کے لیے تعویذات اور گولیاں طلب فرمائیں،

نوٹ: یہ دوا حمل کے پہلے دوسرے یا پھر تیسرے ماہ تک شروع کر دینا لازم ہے۔ پھر بچہ پیدا ہونے تک دوائی جاری رکھی جاتی ہے۔ ترکیب استعمال ساتھ روانہ کی جائے گی؛

ہدیہ محصولڈاک سمیت -/۱۰۰

بچّوں کے سوکڑے کا سو فیصد مفید رُوحانی علاج

ثمینی

بچہ اگر سوکھ کر کانٹا بن چکا ہو، اس میں خون یا کیلشیم کی کمی ہو تو اس کے لیے ثمینی منگوا کر قدرت کا کرشمہ دیکھیے گلے میں ڈالنے کا ایک تعویذ اور ۱۴ عدد گولیاں ہیں ہر روز ایک گولی پیس کر دہی کے چمچہ بھر پانی میں گھول کر پلائی جاتی ہے بچہ ہفتہ بھر میں ہی موٹا تازہ پہلوان نظر آتا ہے آزمائش شرط ہے۔

ہدیہ محصولڈاک سمیت -/۲۰ روپے

صاحبزادہ ابوالنور محمد بشیر
دربار شریفی کوٹلی لوہاراں
ضلع سیالکوٹ

مَنْ یُرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُفَقِّہْہُ فِی الدِّیْنِ

فقہ الفقیہ

فقیہ اعظم حضرت مولانا ابو یوسف محمد شریف محدث کوٹلوی کی تصنیف لطیف جس میں فقہ، ضرورت فقہ اور مسئلہ تقلید پر بصیرت افروز مقالات ہیں۔ امام المسلمین حضرت امام ابوحنیفہ پر حافظ ابوبکر بن ابی شیبہ کے اعتراضات کے جوابات ہیں۔

ھدایہ اور دُرِّ مختار پر غیر مقلدین کے اعتراضات کے جوابات اور آخر میں غیر مقلدین کی فقہ کے عجیب و غریب مسائل درج ہیں۔

فقہ کے اساتذہ اور طلبہ کے لیے ایک عظیم دستاویز عامۃ الاحناف کے لیے ایک حسین تحفہ

ناشر: فرید بک سٹال ۳۸ اردو بازار لاہور